ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

[illegible]
discovered while returning it

Phone: 23435
Regd. No. L 770

9th September 1971

Regd. of News
Paper No. 1228/57

THE SARFARAZ WEEKLY

LUCKNOW.



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

		[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	"	[illegible]	"
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	"
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	"
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نمبر شمار	اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۹۹	عالیجناب محمد اشرف صاحب	کرگل	عہ/	ممبر خصوصی
۲۰۰	" مہدی صاحب ویج نیول ورکر	"	عہ/	"
۲۰۱	" عبد الغفار صاحب " "	"	عہ/	"
۲۰۲	" فدا حسین صاحب سب انسپکٹر	"	عہ/	"
۲۰۳	" محمد خان مالی	"	عہ/	"
۲۰۴	" اخون غلام رحیم صاحب پشکم	"	عہ/	"
۲۰۵	" محمد شفیع صاحب ٹاک	"	عہ/	ہمدرد مشن
۲۰۶	" سید محمد ذکی صاحب جواد منزل سرائے میر	اعظم گڑھ	عہ/	ممبر خصوصی
۲۰۷	" خان بہادر سید محمد عباس صاحب زیدی ڈپٹی ڈائریکٹر آئی ای ایس	علی گڑھ	عہ/	لائف ممبر
۲۰۸	" محمد سجاد حسین صاحب	پٹنہ	عہ/	ممبر خصوصی
۲۰۹	" مولانا حکیم سید محمد عباس صاحب قبلہ سرسی	مراد آباد	عہ/	"
۲۱۰	" محترمہ بیگم صاحبہ زین العابد صاحب	الہ آباد	عہ/	لائف ممبر
۲۱۱	" سید حمید حسین صاحب (سنبھل)	بریلی	عہ/	مربی مشن
۲۱۲	" سید آل احمد صاحب	رائے بریلی	عہ/	
۲۱۳	" سید علی اصغر صاحب تبتی	بمبئی	عہ/	
۲۱۴	" سید صفدر حسین صاحب	"	عہ/	
۲۱۵	" امیر علی صاحب	"	عہ/	
۲۱۶	" محمد عابد صاحب	حیدر آباد	عہ/	
۲۱۷	" شیخ عباس صاحب عامل کامل	میور سٹی	عہ/	
۲۱۸	" سید آل رضا صاحب	جونپور	عہ/	ممبر خصوصی
۲۱۹	" سید لیاقت علی صاحب	سیتاپور	عہ/	
۲۲۰	" عزیزہ عرش آرا بیگم سلمہا گدھور	مونگیر	عہ/	مربی مشن
۲۲۱	" کنیز فاطمہ صاحبہ	حیدر آباد	عہ/	
۲۲۲	" اصغر حسین مرزا صاحب	بمبئی	عہ/	
۲۲۳	" شاہد رضا صاحب	سادات	ھ/	ممبر خصوصی
۲۲۴	" سید فیروز حسین صاحب فتح گڑھ	فرخ آباد	ھ/	ممبر عمومی
۲۲۵	" اسد اللہ صاحب داتھر	پٹنہ	ھ/	
۲۲۶	" ماسٹر سید فصیح الحسن صاحب موتک پور	بارہ بنکی	ھ/	

نمبر شمار	اسمائے معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۷۱	عالیجناب حسین صاحب ذاکر حسین صاحب	چتور گڑھ	عہ ۵ر	
۱۷۲	" اکبری صاحب بحرین	عرب	عہ ۵ر	
۱۷۳	" اصغر علی صاحب پرتاب گڑھ	چتور گڑھ	عہ ۵ر	
۱۷۴	" حکیم الدین غلام علی صاحب "	"	عہ ۵ر	
۱۷۵	" سیف الدین صاحب شاہد	"	عہ ۵ر	
۱۷۶	" آغا سید محمد صاحب صفوی	سری نگر	عہ ۵ر	ممبر خصوصی
۱۷۷	" سید محمد عباس صاحب فدا صفوی	"	عہ ۵ر	لائف ممبر
۱۷۸	" ماسٹر غلام حسین صاحب	"	عہ ۵ر	
۱۷۹	" غلام محمد صاحب دراتھر	"	عہ ۵ر	
۱۸۰	" سید اسد اللہ صاحب ہیلگام	"	عہ ۵ر	
۱۸۱	" سید شریف حسین صاحب	فیض آباد	عہ ۵ر	ممبر عمومی
۱۸۲	" سید ولایت حسین صاحب	رائے بریلی	عہ ۵ر	
۱۸۳	" مقبول حسین صاحب	فیض آباد	عہ ۵ر	
۱۸۴	" سید غلام شبر صاحب عابدی	کلیان	عہ ۵ر	
۱۸۵	" خواجہ حاجی احمد علی میر صاحب	پونچھ	عہ ۵ر	
۱۸۶	" سید علی محمد صاحب عابدی	رام پور	عہ ۵ر	
۱۸۷	" چودھری سید قاسم حسین صاحب زیدی چیرمین	اناؤ	عہ ۵ر	مربی مشن
۱۸۸	" الحاج سید وصی الحسن صاحب زیدی ایڈوکیٹ	"	عہ ۵ر	لائف ممبر
۱۸۹	" محمد ضیغم علی خاں صاحب باہر پور	سلطانپور	عہ ۵ر	
۱۹۰	" محترمہ مسز جمیلہ زیدی صاحبہ	مظفر نگر	عہ ۵ر	ممبر خصوصی
۱۹۱	" غلام عباس حسن علی صاحب ایلچپورہ	عادل آباد	عہ ۵ر	"
۱۹۲	" حاجی ملا قربان حسین صاحب پرتاب گڑھ	چتوڑ گڑھ	عہ ۵ر	
۱۹۳	" غلام حسنین صاحب کوآپریٹیو	کرگل	عہ ۵ر	ممبر خصوصی
۱۹۴	" محمد رضا صاحب ایڈیٹر	"	عہ ۵ر	"
۱۹۵	" منشی احمد علی صاحب ولیج لیول ورکر	"	عہ ۵ر	"
۱۹۶	" محمد تقی صاحب " "	"	عہ ۵ر	"
۱۹۷	" غلام مہدی صاحب "	"	عہ ۵ر	"
۱۹۸	" عبد الکریم صاحب اکونٹنٹ	"	عہ ۵ر	"

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان		مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۴۳	عالیجناب حاجی محمد صادق بابا صاحب		کشمیر	ما/	مربی مشن
۱۴۴	" ایک عاشق حسین مظلوم		چتوڑگڑھ	عـہ/	"
۱۴۵	" اراکین انجمن پنجتنی	بیجناتھ پارہ	رائے پور	سـہ/	
۱۴۶	" میجر خورشید صاحب کاشمیری		رام پور	سـہ/	مربی مشن
۱۴۷	" ڈاکٹر حکیم سید حسن احمد صاحب میسوری		اکولہ	عـہ/	"
۱۴۸	" عظمت علی صاحب	بلاری	میسور	عـہ/	"
۱۴۹	" میر اعظم علی صاحب		نظام آباد	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۵۰	مشرف علی صاحب		اودے پور	عـہ/	
۱۵۱	" اکبر علی صاحب	بھوپال گنج	پھلوارہ	عـہ/	
۱۵۲	" الحاج سید عابد حسین صاحب		بستی	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۵۳	" سید محمد مرتضیٰ صاحب بلگرامی	اجمیر	شاہ آباد	عـہ/	
۱۵۴	" سید بدرالحسن صاحب بلگرامی		حیدرآباد	عـہ/	لائف ممبر
۱۵۵	" مولوی سید شبیر حسین صاحب	خاص پورہ	فیض آباد	عـہ/	"
۱۵۶	" ماسٹر حمید الدین صاحب	سرائے محی الدین پور	جونپور	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۵۷	" سید حسن جعفر صاحب		"	عـہ/	
۱۵۸	" سید امیر علی صاحب رضوی جونپوری		لکھنؤ	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۵۹	" سید مقصود حسین صاحب نقوی		بلند شہر	عـہ/	لائف ممبر
۱۶۰	" نسیم احمد صاحب انصاری		پٹنہ	عـہ/	ممبر عمومی
۱۶۱	" سید قیصر حسین صاحب ایم اے اسسٹنٹ کمرشل ٹیکس		مظفر پور	عـہ/	لائف ممبر
۱۶۲	" الحاج مولانا آغا سید یوسف صاحب قبلہ		بڈگام	عـہ/	مربی مشن
۱۶۳	" حولدار میجر سید بشیر حسن صاحب		آگرہ	عـہ/	لائف ممبر
۱۶۴	" محمد لیئق خاں صاحب		سری نگر	عـہ/	
۱۶۵	" خواجہ غلام محمد صاحب		"	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۶۶	" ایس. ایس. جعفر صاحب		پٹنہ	عـہ/	
۱۶۷	" سید وقار حسین صاحب	فتح گڑھ	فرخ آباد	عـہ/	
۱۶۸	" مرزا حسین احمد صاحب		بہادر پور	عـہ/	ممبر خصوصی
۱۶۹	" فدا عباس صاحب		متھرا	عـہ/	لائف ممبر
۱۷۰	" سید اسمٰعیل علاء حسن علی صاحب	پرتاب گڑھ	چتوڑگڑھ	عـہ/	

[illegible]

[illegible]

([illegible])

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

([illegible])

“[illegible]”

قتل و ہلاک کیا۔ ان سب حقائق و شواہد کا وجود آپ قدیمی کتابوں میں بھی پائیں گے اور آج کل کی تالیفات میں بھی جو علی و اولاد علی کے بارے میں لکھی گئیں جیسے شیخ عبداللہ العلائلی۔ جارج جرداق۔ عباس محمود العقاد۔ شیخ محمد ابوریہ۔ جرجی زیدان شیخ خالد محمد خالد وغیرہ کی سیکڑوں کتابیں اسی طرح اور بے شمار کتابیں جو دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں جن میں علی و اولاد علی کے مصائب و آلام کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

غرضکہ دشمنان علی نے حقیقت کو مسخ کرنے اور لوگوں کی فکر و نظر کو بہکانے کے لیے لاکھ جتن کیے مگر علیؑ علیؑ رہے۔ پیغمبر خدا کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ پاکیزہ نفس جن کی ذات تمام عناصر انسانیت کا منبع بن چکی تھی اور جو اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک زمانہ باقی رہے گا۔ وہ دلیری و شجاعت عفت و عصمت، شفقت و مہربانی، عدل و انصاف اور اس ادب کا مجسمہ تھے جس کی نظیر قرآن کے بعد کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ وہ ایسی دانائی و خرد مندی کا پیکر تھے جن کی توصیف میں گذشتہ زمانہ کے لوگ بھی حیران رہے اور جو بعد کے زمانوں میں حیرت و سرگشتگی کا باعث رہیں گے ان کی شخصیت حکمت و فلسفہ علم و ادب کے میدانوں میں محققین کے لیے ہمیشہ موضوع تحقیق بنی رہے گی۔ کیونکہ ان کی شخصیت کے ان گنت پہلو ہیں ہر پہلو کے مختلف گوشے ہیں اور اس کے علاوہ انتہائی یہ کہ اس

اگر کچھ دنوں کے لیے تاریخ نے علیؑ کو فراموش بھی [illegible] اور شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو تو علی کے دسیوں زندہ [illegible] مختلف ادوار میں منظر عام پر نظر آگئے اور انھوں نے زمانہ کو علی اور ان کی قدر و قیمت یاد دلا دی۔ ایسی سیرت و کردار کے ساتھ جو قلب و دماغ کو گرویدہ کرلیں اور دنیا والوں پر واضح کردیں کہ کس طرح انسان عزّ و شرف کی آخری حدوں تک پہونچ سکتا ہے۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

علی و فاطمہ کی اولاد میں تم پشت در پشت نیچے اترتے جاؤ سو برس دو سو برس چار سو برس ہر دور اور ہر زمانہ میں تمھارے سامنے ان کی نسل کا ایک ایسا جوان آجائے گا کہ تم یہ یقین کرنے پر مجبور ہوگے کہ علی صدیاں گذرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اور اتنی طویل مدت کے باوجود فرع و اصل کے فضائل و عادات میں فرق نہیں پیدا ہوا۔ وہ جوان المتنبی ہو بہو علی معلوم ہوگا اور تم بے ساختہ پکار اٹھوگے کہ بیشک یہ علی کی خوبیاں ہیں۔

یہ ہے کہ علی ابن ابی طالب کی شخصیت جس نے ہر زمانہ کے چیلنج کا مقابلہ کیا جس کی راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی حائل نہ ہوسکی۔ یہ شخصیت ہر آنکھ میں سمائی اور ہر دل میں جگہ کیے رہی۔ صاحبان عقل و ادراک کے لیے بہترین نمونہ اور ادبیات کا نہ ہے بحث کرنے والے کے لیے بہترین موضوع بحث۔ یہاں تک کہ سیکڑوں ہزاروں ہی کتابیں اس شخصیت کے متعلق تالیف ہوگئیں بحث و النظر فکر و مطالعہ کے بے شمار پہلو ہاتھ آگئے اس شخصیت کو اہل مشرق نے بھی خراج عقیدت ادا کیا اور اہل مغرب نے بھی اور غیر مسلموں نے بھی اور کوئی دن نہیں جاتا کہ علماء و حکماء ادیب و مورخ اس محیر العقول شخصیت کے متعلق ایک نئی کتاب پیش کر دیا۔

(ماخوذ از الامام علی براستی و متراش)

سید انصار حسین پرنٹر و پبلشر نے برائے
آل انڈیا شیعہ کانفرنس سرفراز قومی پریس
میں چھپوا کر
دفتر سرفراز ناداں محل روڈ لکھنؤ
سے شائع کیا

کہ کہیں وہ خروج نہ کرنے پائیں اور گورنر مدینہ کو لکھا کہ کچھ لوگوں کو قید کر دو اور باقی پر پابندی لگا دو کہ وہ مدینہ سے کہیں باہر نہ جائیں اور ہفتہ میں ایک مرتبہ آکر حاضری دے جائیں اور اُن سے ضامن طلب کرو۔ جو اس بات کی ضمانت لے کہ وہ مدینہ سے باہر نہ جائیں گے۔

ان کے برخلاف علویوں کا یہ حال تھا کہ اگر انھیں موقع بھی ملا تو کبھی بھی اپنے دشمن سے انتقام لینے کا خیال نہیں کیا اپنے دشمنوں اور قاتلوں کے ساتھ حلم و عفو اور درگزر میں اپنے جد علی ابن ابی طالب کے نقش قدم پر ہے۔

عمر ابن عبد العزیز کو خبر ملی کہ ہشام بن اسماعیل جو بنی امیہ کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا اہل بیت خصوصاً امام زین العابدین کی ایذا رسانی کے لیے نئے نئے بہانے ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ عمر ابن عبد العزیز نے اُسے معزول کر دیا اور نئے عامل کو حکم دیا کہ اس کو ایک جگہ کھڑا کیا جائے اور جتنے لوگ گذریں اُن کی شکایتیں اس کے متعلق نقل کی جائیں امام زین العابدین جنھیں سب سے زیادہ مصائب آلام برداشت کرنا پڑے تھے انھیں بھی مجبور کیا گیا کہ آپ بھی اس کی طرف سے ہو کر گذریں اور اس سے جو جو تکلیفیں آپ کو پہونچی ہیں بیان کریں امام حاکم کے حکم سے مجبور ہو کر گئے۔ آپ نے ہشام پر ایک نظر ڈالی مگر لفظ بھی اس سے بولے نہیں نہ اس کے ظلم کی شکایت کی حتیٰ کہ آپ نے اس کے کسی ظلم کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا امام اس کی طرف سے ہوتے ہوئے گذر گئے۔ ہشام بن اسماعیل ذلیل و خوار خاموش کھڑا رہا جب دیکھا کہ آپ بالکل توجہ نہیں کرتے میرے کسی ظلم کی شکایت اُن کے لبوں پر نہیں آئی تو بے ساختہ چیخ پڑا اللہ یعلم حیث رسالتہ۔

دعبل خزاعی نے سادات علویین کے اخلاق و عادات کی کیا اچھی تصویر کشی کی ہے۔

المر ترانی مذ ثلاثین حجۃ
اروح و اغدو دائم الحسرات

میں ۳۰ برس سے اپنی حسرتوں کو لیے ہوئے صبح و شام کر رہا ہوں

اری فیئھم فی غیرھم متقسما
وایدیھم من فیئھم صفرات

اور (اہل بیت) کے مال غنیمت کو دیکھتا ہوں کہ دوسروں نے آپس میں بانٹ لیا اور خود وہ خالی ہاتھ ہیں

اذا وتروا مدوا الی اھل وترھم
اکفا عن الاوتار منقبضات

جب وہ اپنے قاتلوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں تو یہ ہاتھ کینہ و انتقام کی طلب سے خالی ہوتے ہیں۔

بنات زیاد فی القصور مصونۃ
وبنت رسول اللہ فی الفلوات

زیاد کی بیٹیاں تو محلات میں محفوظ ہیں اور دختران رسول جنگلوں بیابانوں میں ہیں۔

یہ تھی اہل بیت کی پاکیزہ فطرت کہ وہ اپنے قاتلوں کی طرف انتقام کے ارادہ سے ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

تاریخ نے علویین پر منصور کے قہر و ظلم کے جو واقعات لکھے ہیں انھیں پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس بُری طرح اس نے انھیں تباہ و برباد کیا۔ اُن کی گردنیں ماریں قید خانوں زمین دوز تہ خانوں میں انھیں زندہ دفن کیا کہ انھیں پھر آفتاب کی روشنی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی اس کی مثال روم کے نیرو اور چنگیز و ہلاکو کی تاریخ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

علامہ محمد علی طاہر لکھتے ہیں:-

"اہل بیت نبوی میں جو بھی منصور کو سیاسی طور پر متہم معلوم ہوا منصور اسے طوق و سلاسل میں جکڑ کر قید خانہ میں ڈالتا نئی سزائیں دیتا ان کے ہاتھ پیر توڑ دیتا، انھیں کوڑے لگائے جاتے۔ آنکھیں پھوڑ دی جاتیں وہ روشنی سے دن میں بھی محروم رہتے اور رات میں بھی۔ کتنا وقت گذرتا ہوگا

اپنے جی سے بنائی تاکہ روز روز جو علی کی تعریف کرکے یہ شخص پھولے نہیں سماتا اس سے باز رہے۔

(لسان المیزان علامہ ابن حجر عسقلانی باب الکنی)

علی کو انتقال کیے ان طویل مدت گذر چکی تھی اور یہ طویل مدت کافی تھی اس بات کے لیے کہ دشمن اپنی دشمنی اور کینہ و عناد کو بھلا ڈالیں لیکن دشمنان علی اتنی آسانی سے باز آنے والے نہ تھے۔ طویل مدت اور علم و تہذیب کے بلند درجہ پر فائز ہونے کے باوجود اُن کے دلوں کی حالت نہیں بدلی۔

اس قسم کے وسائل اور ترغیب و تحریص اور پروپاگنڈہ بازی میں ایسی زبردست مہارت جو علی کے چالاک اور شاطر دشمنوں کو حاصل تھی ان سب کا تقاضا تھا کہ علی کا نام صفحۂ ہستی سے بالکل کھرچ کر پھینک بھی نہ سکیں تو کم سے کم ان کی شخصیت کو گئی گذری بات اور بھولی بسری داستان ضرور بنا دیں۔ لیکن علی کی عظمت آفتاب جیسی پہلے بھی رہی اور آیندہ زندہ بھی رہے گی۔ اگر کچھ دیر کے لیے گرد۔ دھند اور کالی گھٹائیں آفتاب کو ڈھانک بھی لیں تو جلد ہی اس کی عالمتاب کرنیں ان سب پردوں کو چاک بھی کر ڈالتی ہیں۔

پھر علی و اولاد علی اور شیعیان علی کے مقابلہ میں صرف ترغیب و تحریص اور پروپاگنڈا کے ہتھیاروں ہی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ترہیب و تہدید کے سارے ہتھیار بھی آزما ڈالے گئے لیکن علی کی عظمت نے ترہیب تہدید کے سارے ہتھیاروں کا بھی طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا جس طرح ترغیب کے ہتھیاروں کا محیّر العقول اور معجزانہ حیثیت سے مقابلہ کیا تھا۔

ترہیب :-

مسعودی لکھتے ہیں :-

سنہ ۵۱ھ میں معاویہ نے حجر بن عدی کندی کو قتل کیا یہ حجر اسلام میں پہلے وہ شخص ہیں جو طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے قتل کیے گئے۔ یہ علی کے دوست داروں میں تھے بر سرِ منبر علی پر سب و شتم انھیں سخت ناگوار گذرتا جس پر زیاد نے انھیں اور ان کے ساتھ کوفہ کے ۹ اور دیگر مقامات کے ۴ اصحاب کو گرفتار کرکے معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ کا ایک فرستادہ اُن سے راستہ میں آکر ملا اور حجر سے کہا۔

"امیر المومنین (یعنی معاویہ) نے مجھے تمھارے قتل کا حکم دیا ہے۔ اے گمراہی کے سرغنہ! کفر و سرکشی کے معدن اور ابوتراب کے دوست دار! نیز تمھارے اصحاب کے قتل کا بھی۔ جان بخشی کی بس ایک ہی صورت ہے کہ تم لوگ اپنے کفر سے باز آؤ اپنے آقا علیؑ پر لعنت اور ان سے بیزاری کا اظہار کرو۔"

حجر کے بعض ساتھیوں نے جان کے خوف سے ایسا ہی کیا۔ لیکن حجر اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے سختی سے انکار کیا۔ حجر نے کہا تلوار کی آنچ سہنا کہیں آسان ہے اس چیز سے جس کی طرف تم بلاتے ہو۔ پھر اللہ و رسول اللہ اور اُن کے وصی کی خدمت میں حاضر ہونا جہنم میں جانے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

حجر حلال کر دیے گئے ٹھیک اسی طرح جس طرح گوسفند حلال کیا جاتا ہے یہی حشر اُن کے ساتھیوں کا بھی ہوا۔ ظاہر ہے اس سفاکی و درندگی کے دہشت ناک منظر کو دیکھ یا سن کر بڑے بڑے جی دار وں پر دہشت طاری ہو جاتی ہو گی۔ معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو جو انتہائی شقی القلب، رحم و مروت سے عاری اور آدمی کے روپ میں خون آشام درندہ تھا حجاز و یمن روانہ کیا تاکہ وہاں کے دوست داران علی کو جڑ بنیاد سے ختم کر ڈالے اور اُسے تاکید کی کہ شیعہ جو بھی ملے اُسے قتل کر ڈالنا۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔

"معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور تاکید کی کہ علی کی اطاعت کرنے والے جتنے بھی ملیں سب کو قتل کر ڈالنا چنانچہ اس نے بے شمار لوگوں کو قتل کیا انھیں

پہلے کی تھی اس لیے کسی کو یہ خیال ہی نہ آیا کہ یہ فرضی حکایت علی و اولاد علی کے خلاف افترا و بہتان اور پروپاگنڈہ بازی کا ایک ہتھکنڈہ تھی اور کچھ نہیں۔ سیف ابن عمر نے اپنی شہرت اور پروپگنڈہ کے لیے عمداً اس قصہ کو تصنیف کیا۔ طبری نے جب یہ قصہ اپنی تاریخ میں نقل کر دیا تو کچھ لوگوں کو اپنی تمنائیں بروئے کار لانے کا اچھا خاصہ بہانہ ہاتھ لگ گیا اس قصہ کو دلائل و براہین کا لباس پہنا کر اسے اسرائیلیات کا نام دیا گیا اور اسے شیعیان علی سے چپکا دیا گیا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ عبداللہ بن سبا نام کا کوئی شخص گذرا ہے تو اس کے زمانہ میں اور سیف بن عمر کے زمانہ میں جس نے اس فرضی وجود کو جنم دیا یا اس کا پتہ دیا کم و بیش ڈیڑھ سو برس کی مدت حائل ہے کیونکہ سیف بن عمر سنہ ۱۷۰ھ میں مرا اور عبداللہ بن سبا زمانہ حضرت عثمان میں تھا جو سنہ ۳۵ھ میں قتل ہوئے۔ اس ڈیڑھ سو برس کی مدت میں بے شمار مورخین و محدثین گذرے پھر کیا وجہ ہے کہ سیف بن عمر سے پہلے کسی شخص نے عبداللہ بن سبا کا ذکر نہیں کیا اس کے وجود کی کیوں نہیں تائید کی؟ پھر یوسف بن عمر اور طبری [illegible] کے زمانہ میں بھی تقریباً ڈیڑھ سو برس کی مدت حائل ہے اور ظاہر ہے کہ طبری سے پہلے اور بھی بہت سے مورخین گذرے ہیں انھوں نے اپنی کتابوں میں عبداللہ بن سبا کا کیوں نہیں ذکر کیا۔

سیف بن عمر کی حقیقت و ماہیت پر غور کرنے اور اس کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد معمولی سمجھ والا بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ بنی امیہ کے خاص پرستاروں میں تھا اور اس کی اسی پرستاری و ہوا خواہی نے اس سے نت نئی باتیں تصنیف کرائیں جس طرح بنی امیہ کے زر خرید بہت سے مسلمان بنی امیہ کو آسمان پر چڑھاتے ان کے لیے طرح طرح کے پروپاگنڈا کیے تھے اسی طرح سیف بن عمر نے بھی انھیں ہتھکنڈوں سے کام لیا۔

بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں سیف بن عمر جیسے سیکڑوں تھے جو خبریں تصنیف کرتے حدیثیں بناتے علی و اولاد علی کی قدر و منزلت دنیا کی نگاہوں سے گرانے کے لیے خدا اور رسول اور تاریخ پر تہمت تراشی کرتے اور ان کذابین و وضاعین اور جعل سازوں میں معمولی افراد کا ذکر نہیں بہت سے ایسے بھی تھے جو علم و ادب اور تاریخ کے امام مانے جاتے ہیں۔

ابوحیان توحیدی چوتھی صدی ہجری میں لغت و ادب کا علامہ گذرا ہے باوجود اس کے کہ وہ علم و ادب کے اس درجہ پر فائز تھا اور باوجود اس کے کہ اس میں اور علی کی وفات میں قریب ساڑھے تین سو برس کی مدت حائل ہے پھر بھی علی کی دشمنی و عداوت سے اسے نہ اس کا علم و فضل روک سکا نہ اتنا طویل فاصلہ اس نے ابوبکر و عمر اور علی کے مابین ایک فرضی خط و کتابت تصنیف کر لی۔ ابوبکر و عمر کے خطوط علی کے نام اور علی کے خطوط ان دونوں کے نام یہ سارے خطوط علی کی مذمت و منقصت سے بھرے ہوئے ہیں اور بہت سے مورخین نے ان خطوط کو اختراع و افترا کا شاہکار اور تہمت و بہتان تراشی پر اس کی غیر معمولی قدرت کا نمونہ قرار دیا ہے۔ ان خطوط اور مراسلات کو ابوحیان کے زمانہ ہی سے مورخین نے جھٹلایا اور کھلے لفظوں میں انھیں کذب و افترا کی پوٹ قرار دیا بلکہ جب کچھ لوگوں نے ان خطوط پر ابوحیان کی لے دے کی اور الزام لگایا کہ تم نے یہ اپنے جی سے تصنیف کیے ہیں تو اس نے صاف صاف تسلیم کر لیا کہ علی کے ایک شیعہ کو زچ کرنے کے لیے تصنیف کیے کسی روزانہ کی نشست میں ابوحیان اور اس شیعہ کی مڈبھیڑ ہوا کرتی جب بھی علی کا ذکر آتا تو وہ شیعہ علی کے فضائل و مناقب پر بہت زور دیا کرتا اور ان کی فضیلت و مدح میں مروی حدیثیں بیان کیا۔ ابوحیان کہتا ہے کہ میں نے اسی شخص کو نیچا دکھانے کے لیے یہ فرضی خط و کتابت

عراق والو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خدا اور رسول پر افترا پردازی کرتا ہوں اور اس طرح آتش جہنم میں اپنے کو جلاؤں گا۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے سُنا ہے۔

ہر نبی کا ایک حرم ہوا کیا اور میرا حرم مدینہ ہے۔ مقام عیر سے لے کر کوہ ثور تک جس نے بھی اس مدینہ میں کوئی نئی بات کی اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اس حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

معاویہ کو جب ابوہریرہ کے اس بیان کی خبر ملی تو انھوں نے انعام و اکرام کی اُن پر بارش کی اور مدینہ کا انھیں گورنر مقرر کر دیا (ابن ابی الحدید)

یہاں تک نوبت پہونچ گئی تھی کہ اب کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دشمنان علی و اولاد علی اپنی عداوت و عناد کو کبھی بھول بھی پائیں گے اور اگر کبھی ایسا موقع پیش آیا اور علی کے کسی دشمن نے ان کی دشمنی بھلانے کی کوشش کی تو اچھے بھلے لوگ بھی حیرت میں پڑ گئے اور کسی طرح بھی ان کا دل یقین کرنے پر آمادہ نہ ہوا چنانچہ جب عمر ابن عبد العزیز نے فرمان جاری کیا اور تمام ممالک محروسہ کو یہ حکم بھیجا کہ آج سے علی پر سب و شتم بند تو اس کا حکم پہونچنے کے بعد بھی بہت سے شہروں میں سلسلہ اسی طرح جاری رہا محض اس خوف سے کہ کہیں یہ حکم غلط نہ ہو اور بعد میں حکومت کا عتاب نہ ہم پر نازل ہو جائے۔ نیز جب عمر ابن عبد العزیز نے اپنے گورنر مدینہ کو حکم بھیجا کہ دس ہزار دینار اولاد علی میں تقسیم کر دیے جائیں تو گورنر حیران رہ گیا جیسے یہ ناممکن سی بات ہو اور اس نے ضروری سمجھا کہ اس حکم کی بجا آوری سے پہلے بارگاہ حکومت سے پھر دریافت کر لیا جائے اس نے عمر ابن عبد العزیز کو لکھا۔

"علی نے قریش کے کئی قبیلوں سے رشتہ ازدواج قائم کیا تھا اب کس قبیلہ کی اولاد کو دینار تقسیم کرنے کا حکم دے رہے ہیں"

عمر ابن عبد العزیز نے لکھا۔

اگر میں تمھیں یہ لکھوں کہ ایک بکری ذبح کرو۔ تو تم مجھ سے پوچھو گے کہ کالی بکری یا سپید بکری۔

(مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)

عبداللہ بن سبا کی داستان علی و شیعیان علی کو بدنام کرنے کا ایک زبردست حربہ سمجھی گئی۔ عبداللہ بن سبا کی شخصیت محض وہمی دنیا کی شخصیت ہے اس نام کا کوئی شخص کبھی گذرا ہی نہیں۔ یہ سیف ابن عمر کی خیالی پیداوار ہے جو ہارون رشید کے زمانہ کا ایک شخص تھا۔ کس غرض سے اس فرضی شخصیت کو جنم دیا گیا۔ اس کی خیالی داستان کیا بنائی گئی بہت سے مورخین اس کو سمجھ نہ سکے اور انھوں نے اُسے ہر تنقید سے بالاتر حقیقت سمجھ کر قبول کر لیا۔

سیف ابن عمر نے اپنی خود ساختہ سلسلہ اسناد سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جو حضرت عثمان کے عہد میں مسلمان ہوا۔ اور اس نے اسرائیلی روایات اور ان سے عقائد اسلامی کی بیخ کنی ہوتی تھی شیعیان علی نے اس کی باتوں کو دل سے قبول کیا اور انھیں اپنا بنیادی عقیدہ بیان کیا اور یہ سمجھ نہ سکے کہ عبداللہ بن سبا نے اصل میں اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی ہے

یہ قصہ ابن سبا جسے سیف بن عمر نے خود ساختہ اور فرضی اسناد سے تصنیف کی اپنے زمانہ میں قبولیت حاصل کرنے سے محروم رہا۔ خود سیف ابن عمر کے زمانہ میں کسی نے اس پر توجہ نہ کی۔ سیف کے مرنے کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد طبری آئے اور انھوں نے پہلی مرتبہ اس قصہ کو اپنی تاریخ میں درج کیا اور اسی وقت سے یہ سمجھا جانے لگا کہ واقعی ابن سبا کی کوئی شخصیت گذری ہے اور چونکہ بات کئی صدی

تھا۔

عبداللہ: ایسا نہ کہئے کیونکہ ہمیں بھی ایسے فضائل حاصل ہیں کہ کسی دوسرے عرب کو نہیں

حجاج: وہ کیسے فضائل

عبداللہ: ہماری محفلوں میں کبھی بھی امیرالمومنین عبدالملک کو سب و شتم نہیں کیا گیا۔

حجاج: بخدا یہ ضرور فضیلت ہے۔

عبداللہ: امیرالمومنین معاویہ کی ہمراہی میں ہمارے قبیلہ کے ستر آدمی جنگ صفین میں شریک تھے اور ابوتراب کے ساتھ ہمارے قبیلہ کا صرف ایک آدمی تھا اور قسم ہے خدا کی میں تو جانتا ہوں کہ وہ بہت ہی برا آدمی تھا۔

حجاج: بخدا یہ بھی فضیلت ہے۔

عبداللہ: ہماری بعض عورتوں نے نذر کی تھی کہ اگر حسین بن علی قتل کر دیئے گئے تو ہر عورت دس اونٹ ذبح کرے گی۔

حجاج: بخدا یہ بھی فضیلت ہے۔

عبداللہ: ہمارے کسی آدمی سے جب بھی کہا گیا کہ ابوتراب پر سب و شتم کرو اور لعنت کرو تو اس نے فوراً تعمیل کی اور علیؑ کے ساتھ ان کے فرزند حسنؑ اور حسینؑ اور ان دونوں کی مادر گرامی فاطمہؑ پر بھی۔

حجاج: بخدا یہ بھی فضیلت ہے۔

(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۳۰۱)

اسی واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ترغیب و تحریص زر و دینار، عہدہ و مناصب کے ذریعہ لوگوں کو کس کس طرح خریدا جاتا تھا حد یہ ہے کہ معززین و اشراف کا گلا گھونٹ کر ان کی لڑکیاں بھی اپنے زرخریدوں کو دلوائی جاتیں۔

ایک شخص کا کسی انسان کی دشمنی پر فخر و مباہات کرنا جس کے درجہ منزلت سے اُسے واقفیت نہ ہو سمجھ میں بھی آسکتا ہے مگر اس انسان کی اولاد کے ساتھ بھی ایسی ہی عداوت و عناد کا اس کی طرف سے اظہار ہو یہ ترغیب و تحریص کا انتہائی کرشمہ نمائی ہی کہی جا سکتی ہے۔

انعام و اکرام عہدہ و مناصب کی لالچ میں بہت سے لوگ علی و اولاد علی سے دشمنی رکھتے تھے ان میں ایسے لوگ کم ہی تھے جو علی کی منزلت سے ناواقف ہوں اور انھیں یہ نہ معلوم ہو کہ علی دین و دنیا میں کس درجہ پر فائز ہیں لیکن محض روپیہ پیسہ کی لالچ میں اور اس توقع پر کہ دشمنان علی انھیں اپنے انعام و اکرام سے نہال کر دیں گے علی کو دشمن رکھنے پر مجبور تھے انھیں لوگوں میں سے حسین کا قاتل بھی تھا جب وہ حسین کا سر لے کر اور اُن کے اہل حرم کو اسیر بنا کر یزید کے دربار میں داخل ہوا تو بڑے فخر سے اُس نے یزید سے کہا۔

اوقر رکابی فضۃ و ذھبا
فقد قتلت الملک المحجبا
قتلت خیر الناس اماً و ابا
وخیرھم اذ ینسبون نسبا

میری رکابوں کو سونے چاندی سے بھر دے کہ میں نے بڑے زبردست بادشاہ کو مارا ہے۔

ایسے شخص کو مارا ہے جو ماں اور باپ کے لحاظ سے خیر خلائق اور خاندان و نسبی شرافت میں بہترین مردم تھا۔

(عقد فرید جلد ۲ ص ۳۱۳ مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۵ شرلیبی جلد ۱ ص ۱۹۳)

جماعت والے سال (یعنی جس سال امام حسن نے حکومت سے دست کشی کر لی تھی اور معاویہ پوری مملکت اسلامیہ کے حاکم بن بیٹھے) ابوہریرہ معاویہ کے ساتھ عراق آئے مسجد کوفہ میں پہونچے جب انھوں نے دیکھا کہ استقبال کے لیے ساری آبادی امنڈ پڑی ہے تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے سر پر بار بار دوہتڑ مارنے لگے اور کہا۔

سمرہ نے نہیں منظور کیا پھر انھوں نے چار لاکھ درہم کر دیئے سمرہ نے منظور کر لیا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص۳۵۹)

محفوظ بیان کرتا ہے کہ میں نے یحییٰ بن صالح سے کہا حریز جیسے مشائخ سے تو آپ نے بہت سی حدیثیں لیں مگر خود حریز سے آپ نے کوئی روایت نہیں لی۔ یحییٰ نے کہا میں اُن کے پاس گیا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک کتاب دی۔ جس کو کھولتے ہی میری نظر اس روایت پر پڑی کہ فلاں نے فلاں سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ علی کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ (ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۳۶۱)

اور جس طرح ان لوگوں نے روایات و اخبار اور حدیثیں علی کی مذمت میں تصنیف کر ڈالیں جیسا کہ چاہا قرآنی آیات کی تفسیریں بنوالیں اسی طرح اطلوبہ شاعروں کو بھی کھول کر روپے پیسے دے کر اُن سے بہت سے اشعار بھی علی اور اولادِ علی کی مذمت میں کہلا لیئے یقیناً اگر اس قسم کے تمام اشعار اس زمانہ میں کوئی جمع کیے ہوتا تو کئی دیوان مرتب ہو گئے ہوتے مگر مورخین ہی نے ان اشعار کو نہیں نقل کیا اور ہم تک دو چار شعر ہی اس قسم کے پہونچ پائے۔

علامہ مبرد نے اپنی کتاب کامل بن کعب بن جعیل کے قصیدے کے ۳ شعر نقل کیے ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں "اس کے بعد شعر میں علی ابن ابی طالبؑ کی مذمت کی ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا" (کامل المبرد جلد ۱ ص۲۲۳)

متوکل کی علی اور اولاد علی سے دشمنی دنیا جانتی ہے اس نے حسین مظلوم کی قبر پر ہل چلوایا، نہر کاٹ کر لائی گئی تاکہ آپ کی قبر کا نام و نشان مٹ جائے اس کی اس دشمنی و عداوت نے بہت سے شعراء کو جن میں علی بن جہم خاص طور پر نام ہے اس بات کی جرأت دلائی کہ وہ علی کا تمسخر و استہزا اور بُرائی کے ساتھ ذکر کریں۔

ترغیب و تحریص انعام و اکرام کی لالچ ہی میں شعراء اور صناعین حدیث اس قسم کی حرکتیں کرتے انھوں نے علی پر سبّ و شتم اور ان کی مذمت و منقصت کو اپنی روزی کا بہانہ اور حصول منصب کا آسان ذریعہ قرار دے لیا تھا پہلے انھوں نے ترغیب و تحریص سے مجبور ہو کر اور لالچ میں آکر اپنی جہالت و عناد و شقاوت کے سبب علی سے بے تعلقی کر لی انھیں ناپسند کیا بعد میں یہی بے تعلقی و ناپسندیدگی ان کا دین و ایمان بن گئی۔

حجاج ابن یوسف ثقفی عراق کے گورنر نے ایک دن اپنے دربار میں کہا جس جس نے کوئی شاندار کارنامہ انجام دیا ہو وہ اُٹھ کھڑا ہو تاکہ ہم اس کی خدمت کے لحاظ سے اسے انعام دیں۔ ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا مجھے میری شاندار خدمات کا انعام دیجئے۔

حجاج نے پوچھا۔ کون سی شاندار خدمت تم نے انجام دی؟

اس نے کہا۔ میں نے حسین کو قتل کیا۔

حجاج نے پوچھا تم نے کیسے قتل کیا؟

اس نے کہا۔ میں نے انھیں نیزے سے کچوکا تلوار سے سر جدا کیا اور ان کو قتل کرنے میں اپنا کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا۔

حجاج نے کہا۔ تو پھر تم اور حسین ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ حجاج نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص۵۸۵)

ایک دن حجاج نے عبداللہ بن ہانی سے جو قبیلہ اود کا ایک سردار حجاج کا خاص رفیق اور اس کا دست و بازو تھا کہا

"میں نے فزارہ اور ہمدان کے سرداروں کی لڑکیوں سے تمھیں بیاہ دیا ورنہ تمھارا قبیلہ اود اس قابل نہ

تو ان سب نے سفاح کے سامنے قسم کھا کر کہا ہمیں آجتک معلوم نہ تھا کہ بنی اُمیہ کے علاوہ رسول اللہ کا اور بھی کوئی قریبی عزیز ہے۔

علی کے چالاک اور لکھے پڑھے دشمن علی کے فضل و شرف سے اچھی طرح واقف تھے اسی لیے وہ اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے کر اُن کے فضل و شرف پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔

عمر ابن عبدالعزیز کہتے تھے کہ میرے باپ عبدالعزیز اپنے خطبوں میں جب علی کو بُرا بھلا کہنے لگتے تو اُن کی زبان لڑکھڑا جاتی۔ میں نے اُن سے کہا بابا جان! آپ یوں تو بڑی روانی سے بولتے ہیں مگر جب علی کے ذکر پر آتے تو معلوم ہوتا ہے آپ کو بولنا ہی نہیں آتا۔ انھوں نے کہا کیا تم نے واقعی ایسا محسوس کیا۔ میں نے کہا جی ہاں! انھوں نے کہا۔ یہ لوگ جو ہمارے ارد گرد ہیں اگر انھیں علی کے وہ فضائل معلوم ہو جائیں جو ہمیں معلوم ہیں تو وہ آج ہمارا ساتھ چھوڑ کر اُن کی اولاد کے ہو رہیں۔

(تاریخ کامل جلد ۵ صـ۴۲)

دشمنانِ علی نے ترغیب و تحریص، پروپگنڈہ بازی افتراء و بہتان، حیل و فریب کے ایک سے ایک طریقے استعمال کیے اور نت نئے ڈھنگ سے انھیں مطعون کرنے کی کوشش کی۔ آپ پر پیہم اور مسلسل ایسے ایسے حملے ہوئے ایسی ایسی ناروا باتیں آپ کی طرف منسوب کی گئیں کہ ان کے بعد یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ آپ کا نام اسلام کی تاریخ میں از سرِ نو اُبھرے گا اور بعد کی آنے والی نسلیں آپ کو جان پائیں گی۔ انھوں نے آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہیں کہ جو اشرار و مجرمین کے متعلق بھی نہیں کہی گئی ہوں گی معاویہ نے صحابہ و تابعین کی ایک اچھی خاصی تعداد کو بڑی بڑی تنخواہوں پر مامور کر رکھا تھا کہ شرمناک سے شرمناک باتیں علی کے متعلق تصنیف کرتے رہیں جن کو سُن کر لوگ علی سے متنفر و بیزار ہو جائیں چنانچہ ان لوگوں نے ایسی ایسی باتیں تصنیف کیں کہ معاویہ کا جی خوش ہو گیا صحابہ میں ابوہریرہ۔ عمرو عاص۔ مغیرہ بن شعبہ اور تابعین میں عروہ بن زبیر کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا۔ انھوں نے حضرت عائشہ سے نقل کیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھی عباس (عمِ پیغمبر) اور علی ابن ابی طالب آتے نظر پڑے۔ پیغمبر نے ان دونوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ دین میرے دین کے علاوہ کسی اور دین پر مریں گے"

(شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صـ۳۵۸)

معاویہ نے سمرہ بن جندب کو ایک لاکھ درہم اس بات پر پیش کیے کہ وہ لوگوں سے بیان کریں کہ آیت ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیاة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه وهو ألد الخصام و اذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد۔ (لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ دنیاوی زندگی کے بارے میں اُن کی باتیں آپ کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بھی بناتے ہیں حالانکہ وہ انتہائی سخت جھگڑالو ہیں اور جب پیٹھ پھراتے ہیں تو زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور کھیتی اور نسل کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور اللہ فساد کو دوست نہیں رکھتا) علی کے بارے میں نازل ہوئی اور آیہ کریمہ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله (اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا نفس بیچ ڈالتے ہیں) ابن ملجم کے بارے میں نازل ہوئی سمرہ نے قبول نہیں کیا انھوں نے دو لاکھ درہم کر دیے تب

علی پر تبرا بازی کیا کرتے۔ یہی دلیل ہے علی کی عظمت و برتری کی جس پر ۱۴۰۰ سو برس گذر جانے کے بعد بھی آنچ نہ آئی اور قیامت تک نہ آنے پائے گی۔

دشمنان علی نے انتہائی ماہرانہ انداز میں علی کے خلاف پروپاگنڈے کیے ترغیب کے جتنے بھی وسائل ہو سکتے تھے اُن سب سے کام لے کر لوگوں کو علی سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ بہت سے لوگ اُن کی باتوں پر ایمان لائے۔ اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی رہی۔ پروپاگنڈے کے ماہروں کے لیے جاہلوں کو بہکانا اور ان کی رائے کو بدل دینا کبھی بھی مشکل نہیں رہا۔ تاریخ اسلامی پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دشمنان امیر المومنین کے سرغنہ افراد پروپاگنڈے میں کتنے شاطر اور تحریص و ترغیب کے نت نئے ہتھکنڈوں سے کام لینے میں کتنی مہارت انھیں حاصل تھی۔ ان کی باتوں کا لوگوں کے دلوں پر کتنا زبردست اثر ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے بھی کہ بدو عرب بالکل سادہ لوح تھے ان میں تہذیب و تمدن کا نام بھی نہیں تھا اکثر و بیشتر نے تو شہر کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی ان جاہل عوام پر پروپاگنڈوں اور تحریص و ترغیب کا حیرت انگیز اثر ہوا۔ بدو عرب جنھیں بنی امیہ نے پوری طرح اپنا غلام بنا رکھا تھا عقل سے کتنے کورے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ کوفہ کا ایک شخص صفین سے واپسی کے وقت اونٹ پر بیٹھا ہوا دمشق میں آیا۔ دمشق کا ایک شخص اس سے لپٹ پڑا کہ یہ اونٹنی میری ہے جو تم نے صفین میں مجھ سے چھین لی تھی دونوں کا مقدمہ معاویہ کے پاس پیش ہوا اس دمشقی نے ۵۰ گواہیاں گذار دیں کہ یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے۔ معاویہ نے اس کوفی کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور حکم دیا کہ تم یہ اونٹنی اس شامی کو دے دو۔ کوفی نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے یہ بھی تو دیکھ لیجئے کہ یہ اونٹ ہے یا اونٹنی۔ معاویہ نے کہا فیصلہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ جب مجمع منتشر ہو گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو انھوں نے اس کوفی کو تنہائی میں بلا بھیجا اور پوچھا کہ تمھارا اونٹ کتنے داموں کا تھا اس نے جتنی قیمت بتائی اس سے دگنی رقم اس کے حوالے کی۔ مزید بخشش بھی کی اور کہا۔

"علی سے جا کر کہہ دینا کہ میں ان کا مقابلہ ایک لاکھ ایسے آدمیوں سے کروں گا جو اُونٹ اور اونٹنی میں بھی تمیز نہیں کرتے۔"

(مروج الذہب جلد ۲ صـ۷۲)

شام والے اس طرح آنکھ بند کر کے معاویہ کی اطاعت کرتے تھے کہ انھوں نے صفین جاتے وقت بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھا دی اور ان کے سپاہیوں سے کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ آج بدھ کا دن ہے نہ کہ جمعہ کا۔ صفین کے میدان میں عمرو عاص کے یہ کہنے پر کہ عمار کے قاتل علی ہیں کیونکہ وہی عمار کو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اگر وہ نہ لاتے تو عمار قتل ہی نہ ہوتے سب نے مان لیا کہ ضرور علی ہی عمار کے قاتل ہیں۔

علامہ مسعودی لکھتے ہیں: پھر شام والوں نے معاویہ کی اطاعت فرماں برداری میں اتنی ترقی کی کہ انھوں نے علی پر لعنت کرنے کو سنت بنا لیا اسی سنت پر بچے جوان اور بوڑھے موت سے ہمکنار ہوئے۔

پھر لکھتے ہیں کہ کسی شامی بڑے بوڑھے بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ یہ ابو تراب کون ہیں جن پر منبروں پر لعنت کی جاتی ہے اُن بزرگ نے فرمایا۔ میں تو سمجھتا ہوں وہ کوئی چور ڈاکو تھا۔ (مروج الذہب جلد ۲ صـ۷۲)

بنی عباس کی تحریک کے زمانہ میں جب عبداللہ بن علی، مروان حمار کی تلاش میں شام گئے [illegible] کچھ بڑے بوڑھے رئیسوں کو گرفتار کر [illegible]

کہ نیز ان عمل بن اللہ کے نزدیک عمل کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ پورا اترنے والا ہے (کامل المبرد جلد ۳ ص۴۹)

جس وقت الجزائری لیڈر ابن البلہ عراق کے دورہ پر آئے تو انھوں نے سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ ابن ملجم کی قبر کہاں ہے یا وہ کس جگہ قتل کیا گیا تھا انھوں نے اس جگہ کی زیارت کرنے اور اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی بڑی خواہش ظاہر کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی نے مناسب طریقہ پر انہیں اس سوال سے روک دیا اور بتایا کہ سیاست کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اس قسم کی باتوں سے اجتناب کیجیے۔ ممکن ہے یہ روایت غلط ہو لیکن بہر حال یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج بھی کچھ نہ کچھ ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جو علی پر سب و شتم کرتے ہیں اور اُن کے قاتل ابن ملجم کے لیے دعائے رحمت و استغفار۔

اس کا اندازہ لکھنؤ کے حالیہ مقدمہ سے ہوتا ہے جو بعض اہل سنت نے عدالت میں دائر کر رکھا ہے کہ یزید کو بُرا بھلا کہنے سے شیعوں کو روکا جائے کہ وہ ہمارا امیر المومنین اور برحق خلیفۂ اسلام تھا۔ جی ہاں یزید۔ فرزند رسول کا قاتل جس نے دختران رسول کو مثل بندیان ترک و دیلم کے اپنے دربار میں طلب کیا۔ جس نے ببانگ دہل اسلام اور پیغمبر اسلام کا مذاق اڑایا۔ جس نے خانہ کعبہ کی حرمت برباد مدینہ منوی کو تاراج کیا جس کی فوجوں نے مہاجرین و انصار کے ہزاروں فرزندوں کو تہ تیغ کیا۔ مہاجرین انصار کی عورتوں اور بیٹیوں کی آبرو ریزی لوٹی۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ترغیب و ترہیب کے ہر وسیلے سے کام لے کر علی کے نام اور اُن کے فضائل کو مٹانے کی کوشش کی گئی کوئی بھی نفع بخش طریقہ خواہ اس سے کم فائدہ حاصل ہوتا ہو یا زیادہ چھوڑا نہیں گیا لیکن یہ تمام وسائل یہ تمام تدبیریں خواہ وہ کتنے ہی منصوبوں اور استحکام کے ساتھ مرتب کی گئی ہوں ان کو مرتب کرنے والے کتنے ہی شاطر اور تجربہ کار دشمن کیوں نہ ہوں یہ تمام تدبیریں مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ان انتھک اور سر توڑ کوششوں کے اور باوجود اُن زبردست مکارانہ چالوں کے شیطان بھی جیسی چالیں چلنے سے عاجز رہے علی و اولاد علی کا ذکر عالم میں پھیل کر رہا ان کے چہرے روز بروز نکھرتے چلے گئے ان کے چہروں کی تابندگی بڑھتی ہی گئی۔

یہ صحیح ہے کہ زور زبردستی سے اگر کوئی عقیدہ ٹھونسا جائے تو اس کا نتیجہ اُلٹا ہی ہوتا ہے اس سے اور چڑ پیدا ہو جاتی ہے اور مجبور کیا جانے والا شخص باطنی طور پر مجبور کرنے والے کے خلاف ہی عقیدہ رکھنے لگتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علی کے دشمنوں نے صرف زور زبردستی سے کام نہیں لیا بلکہ ترغیب و تحریص کے تمام وسائل بھی کام میں لائے۔ انھوں نے اگر ایک طرف علی دشمنی پر جبر کیا تو دوسری طرف خزانوں کے منہ بھی کھول دیے عہدہ و مناصب کی لالچ بھی دلائی حتیٰ کہ اپنی بیٹیاں تک دے دیں۔ چاہیے تھا کہ اس کا ردعمل اتنا سخت نہیں ہوتا مگر ہوا یہ کہ علی و اولاد علی کی محبت ان کے دوستداروں کے دلوں میں اور بھی جڑ پکڑتی گئی۔ اور ترغیب و تحریص کی ہزاروں صورتوں کے باوجود ان کی طرف سے ایسے سخت ردعمل کا اظہار ہوا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حد یہ ہے کہ بہت سے لوگ علی کی خدائی کے قائل ہو گئے ان کی طرف ایسے ایسے معجزات کی نسبت دی جانے لگی جو انبیاء کے لیے بھی جائز نہیں سمجھے جا سکتے غالیوں اور نصیریوں کا وجود یوں ہی نہیں ہو گیا تھا بلکہ یہ سخت ترین ردعمل تھا دشمنان علی کا جنھوں نے علی پر سب و شتم اور نماز سے پہلے اور نماز کے بعد ان پر لعنت کرنا اپنے اوپر واجب قرار دے لیا تھا۔ بقول ابن ابی الحدید۔ معاویہ۔ عمرو عاص۔ مغیرہ۔ ولید بن عقبہ۔ ابوالاعور۔ ضحاک بن قیس۔ بسر بن ارطاۃ۔ حبیب بن مسلمہ۔ ابو موسیٰ اشعری۔ مروان بن حکم قنوت میں

ںد وہاں کی پوری آبادی کو سنی بنا دیا۔ صفوی سلاطین نے
یران کے باشندوں کو جو زیادہ تر سنی تھے شیعوں میں تبدیل
ر دیا اس لیے کہ اموبوں اور صفویوں دونوں ہی نے ترغیب
ترہیب کے تمام وسائل سے کام لیا اور اس طرح لیا کہ صدیوں
، قدیمی عقاید کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر بالکل برعکس اور مغائر
قائد کی تخم ریزی کی۔

اڈورڈ ہشتم کا قصہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا۔ وہی
اڈورڈ ہشتم جس کی محبت سے انگلستان کا بچہ بچہ سرشار
ا ہر شخص جس کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اسی نے جب تخت و تاج
چھوڑ دیا اور حکومت دوسرے ہاتھوں میں چلی گئی اور حکومت
اخبارات پر پابندی لگا دی تو اب اس کا نام بھی کوئی
ہیں لیتا ہے۔ آج بہتوں کو یہ بھی پتہ نہ ہوگا کہ یہ ہر دلعزیز
بادشاہ زندہ بھی ہے یا نہیں اور زندہ بھی ہے تو کہاں
، اس کی گذر اوقات کیونکر ہوتی ہے!

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ عطا بن عبد اللہ
، سند ادبن الطعاد نے بیان کیا کہ:۔

"حضرت علی کے فضائل میں جو حدیثیں وارد
ہوئی ہیں اگر وہ شہرت و مقبولیت کی انتہائی
حدوں تک پہونچی نہ ہوتیں اور کثرت سے
راویوں نے انھیں نقل نہ کیا ہوتا تو یقیناً بنی مروان
کے خوف اور تقیہ سے راویوں نے اس کا
نقل کرنا چھوڑ دیا ہوتا۔ بنی مروان کی ایک طویل
مدت تک حکومت بھی رہی اور وہ انتہائی دشمن
بھی تھے علی کے۔ مگر ان سب کے باوجود ان کے
فضائل کی حدیث میں ہر زمانہ میں نسلاً بعد
نسل ہوتی رہیں اگر اس شخص یعنی علی میں خدا
کا بھید نہ ہوتا جیسے لبس شاذ و نادر ہی لوگ
جانتے ہیں تو ان کے فضائل میں کوئی حدیث
بیان نہیں کی جاتی نہ ان کی کوئی منقبت مشہور
ہوتی کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شہر کا حاکم وہاں کے
کسی باشندہ سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں
کو ممانعت کر دیتا ہے کہ خبردار اس شخص کی تعریف
یا اس کی کسی اچھائی کا ذکر کسی کی زبان پر نہ
آئے تو وہ شخص رفتہ رفتہ گمنام ہو جاتا ہے
اس کا نام لوگوں کے ذہن سے مٹ جاتا ہے وہ
موجود ہوتے ہوئے معدوم اور جیتے جی مردہ
ہو جاتا ہے۔"

ترغیب

علی یا اولاد علی کے خلاف ان کے مرنے پر ترغیب و تحریص
کے تمام وسائل سے کام لیا گیا۔ علی دشمنی زمانہ کے ساتھ ساتھ
چلتی رہی اور آج کل کے زمانہ میں بھی جبکہ علم اتنا ترقی کر چکا
ہے تہذیب و ثقافت کا عروج۔ بحث و مناقشہ کے لیے لوگوں
کے ذہنوں میں کافی وسعت پیدا ہو گئی ہے تعصب بڑی حد تک
کم ہو چکا ہے لیکن ان سب کے باوجود آج بھی ایسے لوگوں کی
کمی نہیں جو علی کو ناپسند کرتے ہیں آتش بغض و عناد جن
کے دلوں میں آج بھی فروزاں ہے وہ علی کو برا بھلا کہتے اور
ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ علی کی شہادت کو آج
۱۳ سو برس سے زیادہ کی مدت گذر چکی لیکن ہم عمران بن
حطان خارجی کی آواز آج بھی سن رہے ہیں جس نے عبدالرحمٰن
بن ملجم کو خراج تحسین ادا کیا تھا اور اس کی اس ضربت اور
وار کی تعریف کی تھی جس سے اس نے علی کے سر کو دو بارہ کیا۔

یا ضربۃ من تقی ما اراد بہا
الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا
انی لاذکرہ یوما فاحسبہ
اوفی البریۃ عند اللہ میزانا

کیا کہنا اس متقی و پرہیزگار کی ضربت کا جس نے اپنی اس ضربت
سے صاحب عرش کی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی میں تو سمجھتا ہوں

ہو سکتا کسی اور کو دھوکا دے میں نے تجھے تین بار طلاق دی۔ تیری عمر کوتاہ ہے تجھے کوئی اہمیت نہیں۔ آہ توشۂ سفر مہیا نہیں سفر دراز ہے راستہ پُر خطر ہے۔

ضرار کا یہ بیان سن کر معاویہ رو پڑے اور کہا خدا رحم کرے ابوالحسن پر خدا کی قسم وہ بالکل ایسے ہی تھے۔ معاویہ نے کہا اے ضرار ان کی وفات پر تمھیں کس قدر صدمہ ہے۔ ضرار نے کہا اُس زن پسر مُردہ کے ایسا رنج جس کا بچہ اس کی گودی میں حلال کر دیا گیا ہو۔" استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۶ ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲، ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۶

علی بجائے خود ایک مستقل امت تھے۔ ان کی ہستی زمانے کے شعور و ادراک اور پختگی کی ترجمان تھی۔ ان کی ذات پر نظر کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بشریت کتنی بلند اور انسان فضیلت و بزرگی کی کس حد تک پہونچ سکتا ہے، علی کو افراد پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنی مثال آپ تھے۔ دنیا کی بزرگ ترین شخصیتوں کا ذکر کرتے وقت علی کے متعلق یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ متقی و پرہیزگار تھے تمام لوگوں سے بڑھ کر شریف تھے سب سے بڑھ کر دریا دل تھے اس لیے کہ جس طرح حسن و جمال میں آپ چاند کے ساتھ زمین کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یڈیم کے ساتھ دوسری دھاتوں کا ذکر نہیں کر سکتے اسی طرح علی کا نام بھی آپ دیگر جلیل القدر ہستیوں کے نام کے ساتھ نہیں لے سکتے اس لیے کہ علی کمالات و صفات کی اس منزل پر فائز ہیں جس منزل کا انسانی عقلیں تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ فضائل و کمالات اور صلاحیتوں کا ذکر کرتے وقت علی کو کسی سے مثال نہیں دی جا سکتی اس لیے کہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں علی ایک مستقل امت تھے افراد میں اُن کی کوئی شبیہ نہ تھی۔ وہ انسانی اقدار کی اس بلندی پر فائز ہونے کی مدت و ملکات کا اُن سے کچھ اس طرح ظہور ہوا وہ ایسے بے مثال انسان کامل

بن کر اُبھرے کہ "علی" کا لفظ سنتے ہی انسانیت کی تمام خوبیوں کی تصویر کھیچ جاتی ہے۔ کیا اچھا شعر کہا ہے کسی نے۔

تعداد مجد المرء منقصة اذا ...
فاقت مزایاہ عن التعداد

کسی انسان کی خوبیاں گننا جبکہ وہ خوبیاں بے حد و حساب ہوں حقیقۃً اس انسان کی منقصت ہے اس میں شک نہیں کہ علی کی فضیلتیں بے حد و حساب ہیں علی کے فضائل و کمالات نے ہر قسم کی ترغیب و ترہیب کا اس قوت سے مقابلہ کیا جس کی نظیر بزرگان عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی ان کی شخصیت آفتاب جیسی ہے۔ جس طرح گرد و غبار، دھند، کہر گھنگھور گھٹائیں وقتی طور پر تو آفتاب کو ڈھاک سکتی ہیں لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں اور نہ آفتاب کی حقیقت اور اس کے آثار و خواص کو تبدیل کر سکتی ہیں

ترغیب سے ہماری مراد ہر طرح کے پروپاگنڈے خوش آیند وعدے۔ جاگیر و عطایا۔ انعام و اکرام اور داد و دہش کی وہ تمام صورتیں ہیں جن سے کام لے کر دشمنان علی نے علی کے فضائل پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

اور ترہیب سے مراد۔ قید و بند، عذاب و عقاب تباہی و بربادی۔ قتل و خوں ریزی کے وہ ہولناک طریقے ہیں جن سے کام لے کر دشمنوں نے علی کے تمام آثار اُن کی اولاد اُن کے دوست دار اور ہر اس شخص کو ختم کرنے کی کوشش کی جو ذرہ برابر بھی علی سے محبت رکھتا یا اُن کی کچھ بھی عزت و حرمت اس کے دل میں تھی۔

ترغیب و ترہیب دونوں نے مل کر جو قیامتیں ڈھائی ہیں اُن سے کون ناواقف ہو گا۔ کتنی قوموں کی فطرتیں ان دونوں نے بدل ڈالیں کتنی جماعتوں کا انداز فکر ان کی وجہ سے بدل گیا کتنے لوگوں کے مذہبی نظریات و عقائد تبدیل ہو گئے۔ مصر جہاں خلفائے فاطمیین کی وجہ سے ساری آبادی شیعوں کی تھی۔ ایوبیوں نے اپنا اقتدار قائم ہوتے کے



جو مِٹائے نہ مِٹا

مولوی محمد باقر صاحب
مدیر اصلاح

تقریباً چودہ سو برس سے حضرت علی ابن ابی طالب کا نام نامی مورخین و ارباب بحث و تحقیق کے علمی مقالات کا سرنامہ بیان بنا ہوا ہے۔

ایمان و اسلام، ثبات و استقامت، عدل و انصاف، شجاعت و جوانمردی، جہاد فی سبیل اللہ، تحمل مصائب و آلام کا ذکر ہو یا معرفت و حکمت، علم و ادب، نثر و نظم، قوت تقریر و تحریر کا ذکر۔ غرض کوئی سا موضوع ہو ارباب قلم اور دلدادگانِ تحقیق جب بھی کسی عنوان کو اختیار کر کے قلم اٹھاتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ بغیر علی کا ذکر کیے گزر جائیں اور علی کے فضائل و کمالات کی رنگا رنگی اور ان کی مجموعہ صفات شخصیت اُن کے قلب و دماغ پر محیط نہ ہو جائے۔ ایسے صفات و کمالات جو آج تک کسی بھی شخصیت میں اس طرح جمع نہیں ہو سکے جس طرح علی کی شخصیت میں جن کا تصور کر کے عقلیں گنگ ہو جاتی ہیں۔

ضرار بن ضمرہ کنانی کو جب معاویہ نے علی کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے پر بہت ہی مجبور کیا تو انھوں نے کہا تھا "بخدا نگاہ ان کی دور رس تھی۔ وہ بہت قوی تھے۔ قطعی بات فرماتے۔ مبنی بر انصاف فیصلہ فرماتے علم کے چشمے ان کے پہلو سے بہتے۔ اُن کے کلام کے ہر گوشے سے حکمت بولتی تھی۔ دنیا کی آب و تاب سے گھبراتے .... شب تاریک سے انوس تھے۔ عشق خدا میں آنسو بہت بہاتے۔ بہت سوچا کرتے۔ اپنی ہتھیلی کو گردش دیتے اور اپنے نفس سے خطاب فرماتے۔ وہ لباس پسند فرماتے جس میں کپڑا کم خرچ ہوتا۔ موٹی جھوٹی غذا پسند خاطر تھی سادگی ایسی تھی کہ ہم میں ان میں کوئی فرق نہ معلوم ہوتا۔ ہم جب اُن سے ملنے جاتے تو پاس بٹھاتے تھے ہم کچھ ان سے پوچھتے تو جواب دیتے۔ اس پر ہیبت تھی کہ ہم اُن سے گفتگو نہ کر سکتے۔ مسکراتے تو دانت یوں چمکتے جیسے پروئے موتی۔ اہل دین کی تعظیم کرتے مسکینوں سے محبت فرماتے۔ بالا دست کو یہ امید نہ تھی کہ حضرت سے ہمدردی حاصل کر سکے گا۔ کمزور حضرت کے عدل سے مایوس نہ تھا۔ خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے حضرت کو بعض مواقع پر دیکھا رات تاریک ہو گئی تھی ستارے ڈوب چکے تھے محراب میں اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑے یوں تڑپتے تھے جیسے کوئی مار گزیدہ تڑپتا ہے۔ غم زدہ انسان کی طرح روتے تھے۔ دنیا سے فرماتے تھے تو مجھے اپنا گرویدہ بنانی ہے یہ نہیں ہو

احباب پبلشرز کی دو جدید پیشکش

(۱) **ثانیٔ زہراؑ**۔ سوانح عمری جناب زینبؑ کبریٰ مصنفہ عمدۃ المتکلمین فخر المحققین عالی جناب مولوی محمد صادق حسین صاحب بی، اے علیگ جو عرصہ سے ناپید تھی سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۳۲، قیمت -/۳ علاوہ خرچہ ڈاک

(۲) **فلسفۂ انقلاب حسینؑ**۔ تحریر علامہ سید یحییٰ نوری ترجمہ جناب مولانا سید ذیشان حیدر صاحب جوادی قبلہ مجتہد العصر سائز ۲۰×۳۰/۱۶، صفحات ۱۴۴، قیمت -/۲ علاوہ خرچہ ڈاک

علاوہ اسکے

(۱) **نصائح علیؑ**۔ مصنفہ جناب مولوی نذر حسن صاحب صدر الافاضل گوپالپوری قیمت ۵۰/۱ علاوہ خرچہ ڈاک

(۲) **میخانۂ محبت**۔ شارب لکھنوی کے قصائد کا مجموعہ مع فرہنگ، سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۰ قیمت ۵۰/۱ علاوہ خرچہ ڈاک

(۳) **ذاکری کی دوسری کتاب** حصہ دوم۔ مصنفہ سرکار سید العلماء مدظلہ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۴۴ قیمت ۵۰/۲ علاوہ خرچہ ڈاک

(۴) **مجاہدۂ کربلا**۔ مصنفہ سرکار سید العلماء مدظلہ واقعات کربلا پر ایک جامع کتاب طباعت و کتابت دیدہ زیب کاغذ دبیز و سفید مجلد مع سنہری ڈائی سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۳۵۱ قیمت -/۶ علاوہ خرچہ ڈاک

(۵) **کاروانِ حیات شہید اعظم نمبر**۔ فوٹو آفسٹ پر خصوصیت سے ہندستان کے بڑے شہروں و قصبوں کی عزاداری ۱۸×۲۲/۴، سائز ۱۴۴ صفحات کربلائے معلیٰ کا سہ رنگا فوٹو نیز عزاداری پر تین سو سے زائد تصاویر۔ قیمت -/۴ صرفہ ڈاک ۴۵/۱

اس کے علاوہ ہر قسم کی مذہبی کتابیں ہم سے طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ:- احباب پبلشرز، اقبال منزل مقبرۂ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ

اور توسیع ممبری کے لئے ہر ممکن سعی فرما کر ماجور ہوں ۔

(الداعی الی الخیر)

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳

نمبر شمار	اسمائے گرامی ممبران جدید	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۳۳۸	عالیجناب اکبر علی محمد علی صاحب ملجیانی باندہ	بمبئی ۸	ما/	مربی مشن
۳۳۹	" چودھری سید قاسم حسین صاحب زیدی	اناؤ	ما/	"
۳۴۰	" پروفیسر سید موسی رضا صاحب	پٹنہ ۴	عـہ/	لائف ممبر باقساط
۳۴۱	" غلام عباس صاحب بیا باتھنگ باندہ	کرگل	عـــہ/	ہمدرد مشن
۳۴۲	" سید مصطفٰی صاحب رضوی	سری نگر	عـــہ/	"
۳۴۳	" سید علی جعفر صاحب زیدی	مظفر نگر	عـــہ/	"
۳۴۴	" ڈاکٹر غلام ہادی صاحب بلسوم	مندسور	ہیے ۱۵۰/	ممبر خصوصی
۳۴۵	" سید خورشید حیدر صاحب زیدی	لکھنؤ	ہیے ۱۵۰/	"
۳۴۶	" محمد حیدر علی صاحب	مچھلی پٹنم	ہیے ۱۵۰/	"
۳۴۷	" افتخار حسین صاحب اے باغبان	ستارہ سٹی	ہیے ۱۵۰/	"
۳۴۸	" محترمہ نسرین آرا یو باغبان	"	ہیے ۱۵۰/	"
۳۴۹	" محمد ابراہیم صاحب	کرگل	ہیے ۱۵۰/	"
۳۵۰	" مرزا ظفر عباس صاحب	فیض آباد	ہیے ۱۵۰/	"
۳۵۱	" غلام عباس صاحب	سری نگر ۳	سـہ/	"
۳۵۲	" حکیم سید محمد رفیع صاحب	مظفر نگر	ہعہ ۱۵۰/	"
۳۵۳	" سید حسن مسعود صاحب	لکھنؤ	معہ/	"
۳۵۴	" سید وصی رضا صاحب	اناؤ	معہ/	" قسط اول
۳۵۵	" منشی امیر علی صاحب جونپوری	لکھنؤ	معہ/	"
۳۵۶	" مولوی سید حسین مہدی صاحب حسینی	وارانسی	سے/	" قسط اول
۳۵۷	" سید انوار احمد صاحب	مظفر نگر	سے/	" "
۳۵۸	" مولوی حبیب حسین صاحب	وارانسی	للعہ/	" "
۳۵۹	" مولوی سید مظاہر حسین صاحب	"	سعہ/	ممبر عمومی

مشن کے ممبران جدید کا زریں سلسلہ

(قسط چہارم سنہ ۱۳۹۱ھ)

محترم برادران ایمانی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمداللہ جدید ممبران کی یہ چوتھی قسط پیش کی جارہی ہے۔ ہم درگاہ احدیت میں دست بدعا ہیں کہ وہ منعم حقیقی ان تمام ناصرین اہل بیت علیہم السلام کو اس دینی نصرت کا اجر بے حساب دنیا و آخرت میں دونوں جگہ مرحمت فرمائے اور دیگر افراد دینی کو بھی اس اہم فریضہ کی طرف توجہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

اس عرصہ میں جن ممبران و رفقائے کار نے توسیع ممبری میں امداد فرمائی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱) عالیجناب سید وصی الحسن صاحب زیدی ایڈوکیٹ		اناؤ	مربی مشن ۱	ممبر خصوصی ۱	
(۲) " مولانا رضی الدین حیدر صاحب ایم اے		الہ آباد	لائف ممبر ۱		
(۳) " سید سجاد رضا صاحب		مظفر نگر	ہمدرد مشن ۱	ممبر خصوصی ۱	
(۴) " ڈاکٹر غلام محمد صاحب بردمی	بارہ	کرگل	" ۱		
(۵) " علی رضا ایم عثمان صاحب باغبان		ستارہ سٹی	ممبر خصوصی ۲		
(۶) " مولوی سید حسین مہدی صاحب حسینی		وارانسی	" ۱	ممبر عمومی ۱	
(۷) " سید علی صفدر صاحب رضوی		لکھنؤ	" ۱		
(۸) " فخر العلما مولانا مرزا محمد عالم صاحب قبلہ		"	" ۱		
(۹) " مرزا محمد حسن صاحب		سری نگر	" ۱		
(۱۰) " محمد شفیع صاحب ڈاک		کرگل	" ۱		

برادران ملت! ماہ جولائی اور اگست سنہ ۷۱ء میں صرف بائیس جدید ممبر مل سکے اور سال رواں میں سابق کے ممبران خصوصی و عمومی کی ایک بڑی تعداد کا زرچندہ تا ایندم نہیں وصول ہوا ہے۔

اس وقت آئندہ محرم کے لئے جدید رسائل کی کتابت کا کام جاری ہے۔ کاپیاں صحت ہو کر پلیٹوں پر جم رہی ہیں اور کاغذ کی خریداری کے لئے رقم کثیر کی ضرورت ہے، لہذا تمام ممبران و رفقائے کار سے استدعا ہے کہ جن افراد کا سال رواں کا چندہ واجب الادا ہے وہ جلد از جلد ارسال فرمادیں

جس وقت آپ دوشِ رسولؐ پر سوار ہوئے۔ ملائکہ نے آنحضرتؐ کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ آپ نے اس وقت وہ مرتبہ پایا جو کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ آپ کی بت شکنی کی مدح میں آیۂ قل جاء الحق نازل ہوا۔ یہ دوشِ مبارک جس پر آپ کو عروج حاصل ہوا خیر المرسلینؐ اور اشرف الانام کا دوش تھا۔ اور اس سب سے افضل انسان کا تھا جس نے زمین پر قدم رکھا۔ اس موقع پر جبرئیل ہیبت سے تسبیح و تقدس الٰہی کی۔ اور اسرافیل کے تکبیر و تہلیل کی کیا کہنا آپ کے مرتبے کا۔ اگر آپ چاہتے تو ستارۂ سُہا کا چھونا مشکل نہ ہوتا کس مرتبے کا قدم تھا۔ وہ کتنے مقدس مقام پر پہونچا۔

یہ قدم اس مقام پر پہونچے جس پر سدرۃ المنتہیٰ نے اپنا سایہ ڈالا۔ اور نورِ قدرت نے اپنی چھوٹ ڈالی۔ اس سے اونچا کوئی شرف انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ خاتم الانبیاء کے دوشِ مبارک تک اس کا قدم پہونچ جائے۔ اس واقعہ کے بعد اب کوئی لات کا سجدہ نہ کرے گا۔ سواع بت اس دن کے بعد ہمیشہ نگا ہوں اور دلوں سے گرے گا۔ اگر آپ کے ابن عم (رسولِ خداؐ) میں تحمل نہ ہوتا تو آپ اپنی تلوار سے خون کے دریا بہا دیتے۔ لیکن آپ دونوں اللہ کے راز ہیں۔ رسولِ خداؐ عفو درگزر کے اور آپ حرب و ضرب کے۔ آپ نے دشمن کے ان بہادروں کو شکست نہ جانتے تھے۔ مار گرایا۔ کتنے خون کے دھارے آپ کی تلوار سے بہے۔ اُن بہادروں کے خون سے جنھیں آپ نے مار گرایا' کتنے فاجر ایسے تھے جن کے دل کو چشموں کو آپ نے بہا دیا اور کتنے کافروں کو خاک میں ملا دیا' کتنے سروں کو آپ نے نیزوں میں باندھ دیا اور جسموں کو زندگی سے خالی کر دیا۔

امام رہنما نے ایک روٹی کا ایثار کیا جس کے صلہ میں ہل اتیٰ اُترا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں امام کے لیے ایک بلد مدینہ میں سورج پلٹا پھر خود رسولِ خداؐ کی وفات کے خود آپ کے زمانے میں عراق میں آفتاب کی رجعت ہوئی (قرص کا لفظ ایک جگہ اُن کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ دوسری بار سورج کے معنی میں)

جب رسولِ خداؐ نے عبا کے نیچے اپنے اہلبیت کو جمع کیا تو جبرئیل نے بھی اس میں آنے کی اجازت چاہی۔ اس لئے کہ اس وقت عبا میں تمام فضیلتیں جمع ہو گئی تھیں۔

میں امام کی قبر شریف کی قسم کھاتا ہوں اور اس خاک کی جسے اس نے عنبر کی خوشبو عطا کر رکھی ہے میں اپنی ساری عمر امام کی مدح میں صرف کر دوں گا۔ خواہ کوئی ملامت میری کتنی ہی کرے۔"

قطعہ

آرہی ہے آج کعبہ سے ہوائے مشکبار
آتے ہی تیرہ رجب کے موسمِ گُل آ گیا

کائناتِ رنگ و بو کیوں ہو نہ جنت در کنار
ہر بشر ہے رو شناسِ رحمتِ پروردگار

جناب سمیع اختر خان ہاشمی لکھنوی

ان قلعوں کو سر کرنا ناممکن تھا۔

یہ قلعے اتنے اونچے تھے کہ اُن کی چوٹی آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ گویا ستارے اس کی گردن کا ہار بن گئے تھے اور بادلوں کی چوٹیاں اُن سے نیچے تھیں۔

جب اللہ نے اس قلعے کی مہر توڑنی چاہی یعنی اُسے مسخر کرانا چاہا تو ایسی فوج سے اس کا مقابلہ کرا دیا۔ جسے خدا اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھا۔ اور کیسا ہی جب وہ اللہ سے مقابلہ کرے گا تو اس کا مغلوب ہو جانا یقینی ہے

غبار کی شب میں تلوار کی چمک نے دن پیدا کر دیا تھا۔ تلوار بڑی ضوبار تھی اور غبار جنگ نے بڑا اندھیرا پیدا کر دیا تھا۔

اس فوج کے سردار حضرت علیؑ امیرالمومنین تھے۔

بھیڑیوں اور گدھوں کو ان کی فتح کا اتنا یقین تھا کہ دشمن کا گوشت کھانے کے لئے اُن سے پیش پیش رہتے تھے۔

آپ پر اللہ کی مسلسل رحمت ہو۔ عرب کو آپ سے وہ شرف و سیادت کی عزت حاصل ہوئی جہاں تک ایرانؑ روم و حبش کی پہونچ نہ ہو سکی۔

عرب سامی النسل ہیں۔ اور ایران وغیرہ آرمی ہیں۔ یہ سب قومیں آپ کا مقام نہ پا سکیں۔ بیشک آپ رسولِ خدا کے بعد تمام انسانوں سے افضل و اشرف ہیں۔

مضمون کے مقالہ کو حد سے تجاوز کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان قصائد سے کافی اشعار نقل کئے جاتے پھر بھی فتح مکہ کے موقع کے چند اشعار کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

---

(١) مراقبت باسمی شارب احدقت به
ملائک یتلون الکتاب المسطرا

(٢) بغارب خیر المرسلین واشرف
الانام وازکی ناعل وطأ الثری

(٣) فسبح جبریل وقدس هیبة
وهلل اسرافیل رغبا وکبرا

(٤) فیا رتبة لو شئت ان تلمس السها
بها لم یکن ما رمته متعذرا

(٥) ویا قدمیه ای قدس ولما تما
وای مقام قمتما فیه انورا

(٦) بحیث افاءت سدرة العرش ظلها
بضوجیه فاعتدت بذلك مفخرا

(٧) وحیث ومیض السعسعانی فائض
من المصدر الاعلی تبارك مصدرا

(٨) فلیس سواع بعدها بمعظم
ولا اللات مسجودا لها ومعفرا

(٩) فلولا اناة فی ابن عم جمجمت
بعضبك اجری من دم القوم ابحرا

(١٠) ولكن سر الله سطر فیكما
فكنت لتسطو ثم كان لیغفرا

(١١) رد بك ان المجد حلو لطاعم
غریب فان مارسته ذقت ممقرا

(١٢) وما كل من رام المعالی تحملت
مناكبه منها الركام الكنهورا

(١٣) تنح عن العلیا یسحب ذیلها
همام تردی بالعلی وتازرا

(١٤) امام هدى بالقرص آثر فاقتضى
له القرص رد القرص ابیض ازهرا

(١٥) یزاحمه جبریل تحت عباءة
لها قیل كل الصید فی جانب الفرا

(١٦) حلفت بمثوی الشریف وتربة
احال ثراها طیب ریاه عنبرا

(١٧) لا تنفدن العمر فی مدحه له
وان لامنی فیه العذول واكثرا

کر لیتے ہیں تو گرد و پیش کے تحفظات کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ جوش مدح میں ایک مقام پر ایک ایسا شعر بھی نظم ہو گیا جس میں بلاغت نے ساتھ نہیں دیا۔

سوء تعبیر کی وجہ سے میں نے ابن ابی الحدید کے لئے خدا سے دعاءِ مغفرت مانگی۔ کہنا یہ چاہا کہ اسلام کے حسن و جمال کی کشش میں حضرت علی کے خدمات کا بھی بڑا حصہ ہے لیکن پھوہڑ پنے سے اسی خیال کو اس طرح نظم کر دیا کہ اگر حضرت علی کے خدمات نہ ہوتے تو اسلام میں کوئی کشش نہ ہوتی۔ ابن ابی الحدید نے وحی الٰہی اور اس کی عظمت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی اس لغزش کو سوءِ تعبیر ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس وقت قصائد پر طائرانہ نظر کی گنجائش ہے۔ فتح خیبر کا قصیدہ جرأت و جوش و خلوص کی بہترین مثال ہے۔ تمہید بھی بڑی جاندار اور ولولہ خیز ہے۔ پڑھیے۔

(۱) اَلَا اِنَّ مَجْدَ المجدِ اَبْیَضُ مَلْحُوبُ
وَلٰکِنَّہٗ جَمُّ المَھَالِکِ مَرْھُوبُ
ھُوَ العَسَلُ المَاذِیُّ لِیَشْتَارَہٗ اِمْرُؤٌ
لِغَایَۃٍ وَ اَطْرَافُ الرِّمَاحِ یَعَاسِیْبُ

(۲) ذُقِ المَوتَ اِنْ شِئْتَ العُلٰی وَاطْعَمِ الرَّدٰی
فَنَیْلُ الاَمَانِی بِالمَنِیَّۃِ مَکْسُوْبُ

(۳) خُضِ الحَتْفَ تَاْمَنْ خُطَّۃَ الخَسْفِ اِنَّمَا
یَبُوْخُ ضِرَامُ الخَطْبِ وَالخَطْبُ مَشْبُوْبُ

(۴) اَلَمْ تُخْبَرِ الاَخْبَارَ فِی فَتْحِ خَیْبَرٍ
فَفِیْھَا لِذِی اللُّبِّ المُلِبِّ اَعَاجِیْبُ

(۵) وَفَوْزُ عَلِیٍّ بِالعُلٰی فَوْزُھَا بِہٖ
فَکُلٌّ اِلٰی کُلٍّ مُضَافٌ وَمَنْسُوْبُ

(۶) حُصُوْنٌ حِصَانُ الفَرْجِ حَیْثُ تَبَوَّجَتْ
وَمَا کُلُّ مُمْتَطِّ الجَزَارَۃِ مَرْکُوْبُ

(۷) یُنَاطُ عَلَیْھَا لِلنُّجُوْمِ قَلَائِدٌ
وَ یُسْفِلُ عَنْھَا لِلْغَمَامِ اَھَاضِیْبُ

(۸) فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰہُ فَضَّ خِتَامِھَا
وَ کُلُّ عَزِیْزٍ غَالِبُ اللّٰہِ مَغْلُوْبُ

(۹) رَمَاھَا بِجَیْشٍ یَمْلَأُ الاَرْضَ فَوْقَہٗ
رَوَاقٌ مِنَ النَّصْرِ الاِلٰھِیِّ مَضْرُوْبُ

(۱۰) نَھَارُ سُیُوْفٍ فِی دُجٰی لَیْلِ عِثْیَرٍ
فَاَبْیَضُ وَضَّاحٌ وَاَسْوَدُ غِرْبِیْبُ

(۱۱) عَلِیٌّ اَمِیْرُ المُؤمِنِیْنَ زَعِیْمُہٗ
وَقَائِدُہٗ لَسْتُمُ المُفَازَۃَ وَالذِّیْبُ

(۱۲) حَنَانَیْکَ فَاِنَّ العُرْبَ مِنْکَ لِسُؤْدَدٍ
تَقَاصَرَ عَنْہُ الفُرْسُ وَالرُّوْمُ وَالنُّوْبُ

بزرگی کا راستہ اپنی وضاحت اور ظہور کے باوجود خطروں سے بھرا ہوا ہے۔ اور دشوار گزار ہے۔ بڑے بڑے مقاصد بغیر معرکہ آرائی اور خطروں سے مقابلے کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ سفید شہد کا حاصل کرنا آسان نہیں۔ اس سے پہلے شہد کی مکھیوں کے چھتے کے سردار سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح کسی مرتبے کے حاصل کرنے میں نیزوں سے سامنا کرنا ہوتا ہے۔ اگر تمہیں بلندی کی خواہش ہے تو موت کا مزہ چکھو۔ آرزوئیں تو موت کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ حوادث کے شعلوں سے خوفزدہ نہ ہو۔ اس کے خطروں میں اپنے کو ڈال دو۔ ثباتِ قلب اس کے شعلوں کو بجھا دے گا۔ جب بزرگی بغیر خطروں کی آگ میں کود دے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتی تو دیکھو کہ خیبر کی گھمسان کی جنگ میں کود کر حضرت علی نے کتنا اونچا مقام حاصل کیا جہاں تک پہونچنے سے دوسرے عاجز رہے ہے۔ حضرت علی بلندی پر فائز ہوئے۔ اور بلندی حضرت علی کی طرف منسوب ہو کر خود بلند ہو گئی خیبر کے قلعے سامنے ہی تھے لیکن ان کا فتح کرنا دشوار تھا۔ مثل ہے کہ ہر سواری نہیں کی جا سکتی۔ شیر بھی تو چوپایہ ہے کیا کوئی اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عام سردار اسکا

(حضرت) ابوطالب الیاسید البطحا او شیخ قریش و رئیس کہو۔ قریش ان کو شیخ کہتے ہیں۔

(حضرت) ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی بچپنے میں تربیت کی۔ اور آنحضرتؐ کی جوانی میں اُن کی حفاظت و حمایت کی۔ مشرکین قریش کے خطروں سے بچایا۔ آنحضرتؐ کی خاطر سخت تکلیفیں جھیلیں۔ اور بڑے صبر وضبط سے کام لیا۔ حدیث میں ہے جب (حضرت) ابوطالب کی وفات ہوئی تو آنحضرت کو وحی ہوئی کہ مکہ چھوڑ دیجیے۔ آپ کا مددگار مر گیا۔

حضرت علی کے والد کی جلالت کے علاوہ حضرت علی کا یہ بھی خصوصیت ہے کہ اُن کے چچیرے بھائی حضرت محمد اولین و آخرین ہیں اور ان کے بھائی جعفر ذوالجناحین ہیں —— حضرت علی کی شریک زندگی سیدۂ نساء عالمین ہیں۔ ان کے دونوں بیٹے سردار جوانان جنت ہیں۔ ان کے آباء اجداد وہی ہیں جو جناب رسولخداؐ کے ہیں ان کی دادیاں بھی وہی ہیں جو رسولخداؐ کی تھیں۔

میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں

جو ہدایت میں سب سے سابق رہا۔ اور جو اللہ پر سب سے پہلے ایمان لایا۔ اور جس نے سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی۔ کم لوگوں نے ان کی ایمانی سبقت میں اختلاف کیا ہے وہ خود بھی فرماتے تھے۔

انا الصدیق الاکبر وانا الفاروق الاول

اسلمت قبل اسلام الناس۔ (۱)

جو اصحاب حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ اسکی تصدیق کرے گا۔ واقدی و ابن جریر طبری کی یہی رائے ہے۔ صاحب استیعاب نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (۲/۱)

ابن ابی الحدید کے والہانہ قصیدے

حضرت علی کی قبر مبارک اور خاک پاک کی قسم جسے اللہ نے عنبر کی خوشبو عطا کی ہے میں اپنی ساری عمر حضرت کی مدح کی نذر کر دوں گا۔ اگر چہ اس بارے میں ملامتگر میری کتنی ہی ملامت کیوں نہ کریں (ابن ابی الحدید)

ابن ابی الحدید نثر و نظم دونوں اقلیم کے فرماں روا تھے۔ نثر میں امیرالمومنین کے فضائل و مناقب کے دریا بہائے جن کا کسی قدر ابھی ذکر آیا ہے۔ نظم کا میدان بہت وسیع ہے۔ جذبات عقیدت کے اظہار کے لئے اس میں بڑی گنجائش ہے۔ شاعر کا علم و یقین، زبان و بیان پر اقتدار اور ذوق سخن میں کافی بہرہ اور ممدوح کی سیرت سے شدید تاثر شاعر کے خیالات کو اعلی و گہربنا کر پیش کرتا ہے۔

ابن ابی الحدید فن بلاغت کے ماہر اور اسرار شعر کے نکتہ دان اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ "سبع قصائد علویات" کے نام سے انھوں نے سات قصیدے نظم کئے۔ ادب کی خوش قسمتی سے ۱۹۵۵ء / ۱۳۷۴ھ میں بیروت سے علامہ سید محمد صاحب [illegible] کی مختصر شرح کے ساتھ چھپ گئے ہیں چھ قصیدے حضرت علی سے متعلق ہیں۔ ایک آنحضرتؐ کی مدح میں ہے۔ فتح خیبر و فتح مکہ میں امیرالمومنینؑ کے خدمات بڑے جوش و ہمہمہ سے نظم کئے ہیں۔ جنگ جمل سے متعلق ایک قصیدہ ہے۔ باقی تین قصیدے بھی حضرت علی ہی سے متعلق ہیں۔ ان قصائد میں شاعر کے جذبات عقیدت میں متلاطم دریا کا بہاؤ پایا جاتا ہے۔ قاری و سامع پر ان قصیدوں کے اشعار ایک عالم وجد طاری کر دیتے ہیں۔

ممدوح کی جلالت قدر اور مداح کے علم و اطلاع و فکر شاعری نے ان قصائد پر قبولیت کی مہر لگا دی ہے۔

شرح نہج البلاغہ اور اپنی دوسری تصنیفات میں ابن ابی الحدید نے اپنے اعتزال کو تسنن و تشیع کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حضرت علی کی فضیلت کا اظہار بڑی گرج اور چمک سے کیا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر مقامات پر حضرات خلفاء ثلاثہ سے وابستگی کا بھی اعلان کرتے رہے ہیں۔ لیکن قصیدہ فتح خیبر میں جذبات طوفانی ہو گئے اور تحفظات کا یہ بند ٹوٹ گیا۔ شاعرانہ جذبات جب شدت اختیار

وہ سب سے پہلے جامع قرآن ہیں۔

سب ہی نے لکھا ہے کہ انھوں نے بیعت ابوبکر میں تاخیر کی۔ تاخیر کی وجہ میں اہلحدیث شیعوں سے مختلف بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اس زمانے میں جمع قرآن میں مشغول تھے۔

کتب قرأت کا جائزہ لو تو دیکھو گے کہ ائمہ قرأت میں سب ہی کی نسبت آپ کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب کی انتہا ابوعبدالرحمن سلمی قاری کی طرف ہے اور یہ حضرت علیؑ کے شاگرد تھے۔ حضرت ہی سے قرآن کی تعلیم پائی تھی۔ دوسروں نے سلمی سے تحصیل کی۔ پس اس فن کی انتہا بھی حضرت علی پر ہوتی ہے۔

خوش تدبیری و حسن رائے

امام سب سے زیادہ صائب الرائے تھے۔ سب سے زیادہ صحیح تدبیر کی قوت رکھتے تھے۔ جب حضرت عمر نے جنگ روم و ایران میں خود شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت علی نے ان کو اس موقع پر مناسب مشورہ دیا۔

انھوں نے حضرت عثمان کو بھی مشورہ دیا تھا اگر وہ ان مشوروں کو قبول کر لیتے تو ان کا فائدہ ہوتا اور جو حادثہ ہوا اس کی نوبت نہ آتی۔

حضرت علی کے متعلق قریش کہتے تھے یہ صاحب الرائے نہیں ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ شریعت کے پابند تھے۔ شریعت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ خود فرماتے تھے لولا الدین والتقیٰ لکنت ادھی العرب۔ اگر دین تقویٰ مانع نہ ہوتا تو میں عرب کا سب سے بڑا چالاک ہوتا۔

دوسرے خلفا اپنی مصلحت کے مطابق کام کرتے تھے۔ جو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے گا اور ضوابط و قیود کو اپنی راہ میں حائل نہیں سمجھے گا اس کے دنیاوی حالات میں زیادہ تنظیم ہوگی۔

سیاست

حضرت علی کی سیاست سخت تھی وہ خدا کے معاملے میں بے لوث تھے۔ اپنے چچیرے بھائی (ابن عباس) کو حاکم بنایا تھا ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ اپنے بھائی عقیل کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ کچھ لوگوں کے ہاتھ کاٹے۔ کچھ لوگوں کو سزا دی۔

جنگ جمل و صفین و نہروان میں اُن کی سیاست قابل لحاظ ہے۔ یہی انسان کی خصوصیتیں اور فضیلتیں ہیں اور حضرت علی ان صفات میں امام تھے۔ ان کے عمل کی تاسی و پیروی کی جاتی ہے اور وہ رئیس تھے جس کے نشان قدم پر چلا جاتا ہے۔

حضرت علی و اہل فرقہ و فلاسفہ و شاہان فرنگ و روم و ترک و دیلم

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں ذمی جس سے محبت کرتے تھے۔ غیر مسلم فلسفی جس کی تعظیم کرتے تھے۔ فرنگستان و روم کے بادشاہ ان کی تصویریں اپنے گرجوں اور عبادت خانوں میں رکھتے تھے۔ تصویر میں ان کو تیغ بکف دکھایا جاتا تھا۔ شاہان ترک و دیلم ان کی تصویریں اپنی تلواروں پر نقش کراتے عضدالدولہ بن بویہ ان کے باپ رکن الدولہ کی تلوار پر حضرت کی صورت بنی ہوئی تھی۔ رسب ارسلان اور اس کے بیٹے ملکشاہ کی تلوار پر حضرت کی صورت بنی ہوئی تھی۔ گویا وہ حضرت امام کی یاد سے فتح و ظفر کا تفاؤل کرتے تھے۔ میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس سے منسوب ہونے میں ہر شخص عزت محسوس کرتا ہے۔

فتوت

فتوت یہ ہے کہ جس بات کو تم کسی کے لئے ناپسند کرتے ہو اپنے لئے بھی اسے ناپسند کرو۔ جمعیت فتوت کے ارکان اپنی نسبت حضرت علی ہی کی طرف کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور اپنا سلسلۂ سند حضرت علی تک پہونچاتے ہیں۔ اور انھیں پر انحصار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدالفتیان کہتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کی تاریخ جنگ احد کے موقع پر ندائے آسمانی "لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی" سے شروع کرتے ہیں۔

حسب و نسب

میں ایسے شخص کے متعلق کیا کہوں جس کا باپ

کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ ان کے کلام کے دسویں بلکہ پانچویں حصے کے برابر بھی فصحائے صحابہ کا کلام معروف نہیں ہوا۔ ابو عثمان جاحظ نے اپنی کتاب بیان و تبیین وغیرہ میں حضرت علی کی فصاحت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کافی ہے (۸/۱)

خوش اخلاقی

خندہ پیشانی اور بے تکلفی اور خوش مزاجی سے بات کرنے اور ملنے اور سادگی میں اُن کی مثل کہی جاتی ہے۔ ان کے بعض دشمنوں نے اُن کے خندہ پیشانی سے ملنے اور مہر و لطف سے بات چیت کرنے اور مزاح و تبسم سے کام لینے پر ان کی نکتہ چینی کی تھی۔ اُن کو بدنام کرنے کے لئے اہل شام سے کہا تھا علی میں مزاح کی عادت بہت ہے ——— حضرت علی کے ایک عقیدتمند صعصعہ بن صوحان نے ایک موقع پر حضرت کو خندہ پیشانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ وہ ہم میں سے معلوم ہوتے تھے۔ نرم مزاج و متواضع تھے۔ اس پر بھی ہم ان سے اتنا ڈرتے تھے جیسے کوئی بندہ کسی جلاد سے ڈرتا ہے۔ معاویہ نے قیس بن سعد سے کہا اللہ علی پر رحم کرے وہ ہشاش بشاش رہتے اور مزاح بھی کرتے۔ اس پر قیس نے کہا اس بشاشت و خندہ پیشانی اور مزاح کے باوجود اُن سے لوگ اس طرح ڈرتے جیسے کوئی بھوکے شیر سے ڈرتا ہے۔

رسولخداؐ بھی اپنے ساتھیوں سے ہنستے بولتے مزاح کرتے۔ مسکراتے رہتے۔ تم حضرت علی کی خوش مزاجی کی عیب گیری کرتے ہو۔

زہد

وہ سیّد الزہاد و بدل الابدال تھے۔ کھانا کبھی سیر ہو کر نہ کھاتے۔ معمولی غذا استعمال کرتے چھوٹا موٹا لباس پہنتے۔ کبھی پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھایا۔ عبداللہ بن رافع ایک دن عید کے موقع پر حضرت کے پاس آئے۔ ان کے سامنے ایک مُہر کی ہوئی تھیلی لائی گئی۔ اس میں جو کی سوکھی روٹی کے ٹکڑے تھے۔ آپ نے کھایا۔ ابو رافع نے کہا اس پر مُہر کیوں کی جاتی ہے۔ فرمایا۔ مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ میرے دونوں لڑکے کہیں اس میں گھی یا تیل نہ مل دیں۔ آپ کے لباس میں پیوند لگا ہوا ہوتا۔ پیوند کبھی چمڑے کا ہوتا یا کھجور کی چھال کا۔ جوتا بھی معمولی پہنتے۔ سرکے سے روٹی کھا لیتے۔ کبھی کبھی سبزی سے کھا لیتے۔ کبھی اونٹ کے دودھ سے کھا لیتے۔ گوشت بہت کم کھاتے تھے۔ فرماتے تھے۔

لا تجعلوا بطونكم مقابر الحيوان (۵/۱) اپنے پیٹ کو حیوانات کا قبرستان نہ بناؤ۔

اس کے باوجود بڑے طاقتور تھے۔ بھوک ان کی طاقت کو گھٹا نہ سکی۔ انھوں نے دنیا کو طلاق دی۔ شام کے سوا ہر طرف سے اُن کے پاس مال آتا اُسے تقسیم کر دیتے۔

عبادت

وہ سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے بڑے روزہ دار تھے۔ اُن سے لوگوں نے نماز شب سیکھی۔ اَوراد سے وابستگی سیکھی۔ نافلہ پڑھنا سیکھا۔

جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کے موقع پر دونوں صفوں کے بیچ میں مُصلّیٰ بچھا دیا۔ تیر اُن کے ادھر اُدھر سے گزرتے رہتے اور وہ نماز میں مشغول رہتے۔ ان کی پیشانی پر لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے گھٹے پڑ گئے تھے۔

ان کی دعاؤں اور مناجاتوں میں اللہ کی کس قدر تعظیم و اجلال ہے۔ ان سے کیا خضوع و خشوع ٹپکتا ہے۔ اُن میں کس قدر اخلاص پایا جاتا ہے یہ باتیں سوچنے کی ہیں۔ ان دعاؤں کی تاثیر کو محسوس کرو اور دیکھو کہ یہ دل سے نکلی ہیں اور کس زبان سے جاری ہوئی ہیں۔

امام زین العابدینؑ عبادت کے انتہائی مرتبہ پر فائز تھے۔ ان سے پوچھا گیا آپ اپنی عبادت کو اپنے جد کی عبادت کے مقابلے میں کیا پاتے ہیں۔ فرمایا وہی نسبت ہے جو خود اُن کی عبادت کو رسول اللہؐ کی عبادت سے ہے۔ (۹/۱)

تلاوت قرآن

اتفق الكل على انه كان يحفظ القرآن على عهد رسول الله ولم يكن غيره يحفظه (۱۰/۱)

حضرت نے ان کو چھوڑ دیا۔ صرف اتنا فرمایا۔ جاؤ اب میں تمھیں نہ دیکھوں۔ جنگ جمل کے بعد سعید بن عاص مکہ میں گرفتار کیا گیا۔ یہ حضرت کا دشمن تھا۔ جب وہ لایا گیا منہ پھیر لیا اور کچھ نہیں کہا۔

حضرت عائشہ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ معلوم ہے۔ قبیلۂ قیس کی بیس عورتوں کو عمامہ پہنایا اُن کو مسلح کیا اُن کے ساتھ حضرت عائشہ کو مدینہ پہونچا دیا۔ راستے میں حضرت عائشہ نے حضرت علی کی شکایت کی۔ مجھے مردوں کے ساتھ روانہ کیا۔ جب وہ مدینہ پہونچ گئیں تو عورتوں نے عمامے اتار لئے اور بتایا کہ ہم عورتیں ہیں۔

اہل بصرہ نے حضرت علی سے جنگ کی اُن کو برا بھلا کہا۔ لیکن ان کے مغلوب ہونے کے بعد ان سے کوئی بازپرس نہیں فرمائی۔ بلکہ فوج میں اعلان کرا دیا۔

لا یتبع مولی۔ ولا یجہز علی جریح ولا یقتل مستاسر ومن القی سلاحہ فھو آمن ومن تحیز الی عسکر الامام فھو آمن۔ ولم یاخذ اثقالھم ولا سبی ذراریھم ولا غنم شیاء من اموالھم

(۸۰/۱)

کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا۔ نہ کسی زخمی کو ہلاک کرنا نہ کسی قیدی کو قتل کرنا۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ محفوظ سمجھا جائے جو امام کے لشکر میں شامل ہو جائے وہ محفوظ ہے۔

اگر حضرت ان کو سزا دینا چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے لیکن عفو درگزر سے کام لیا۔ اور آنحضرت صلعم کی فتح مکہ کی سیرت پر چلے۔

صفین جنگ صفین کے موقع پر امیر معاویہ کی فوج نے ساحل فرات پر قبضہ کر لیا تھا۔ شام کے سردار کہہ رہے تھے علی کی فوج کو پیاسا مار ڈالو۔ حضرت علی کی فوج نے معاویہ کی فوج سے ساحل فرات چھین لیا۔ معاویہ کی فوج پیاس میں مبتلا ہوئی۔ حضرت علی کے ساتھیوں نے کہا جس طرح معاویہ نے ہم پر پانی کی بندش کر دی تھی ہمیں بھی ان سے ویسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ امام نے فرمایا ہم ان کے طریقے کو نہیں اپنا سکتے۔ فرات کی بعض گھاٹیاں ان کے لئے چھوڑ دو۔

امام کا یہ کیسا حسین و جمیل حلم و درگزر تھا۔ یہ کیسا پاکیزہ دین و تقوی تھا۔ حضرت علی سے ایسے ہی دین و اخلاق کی توقع تھی۔

جہاد راہ خدا امام کے دوست و دشمن سب جانتے ہیں کہ آپ سید المجاہدین تھے۔ بدر کی لڑائی سب سے زیادہ خوفناک تھی۔ اس میں ستر مشرک مارے گئے۔ ان میں سے آدھے امیر المومنینؑ نے قتل کئے تھے۔ مغازی محمد بن عمر واقدی اور تاریخ اشراف یحیی بن جابر بلاذری وغیرہ سے اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ احد و خندق وغیرہ کی جنگ کے کارنامے اس کے علاوہ ہیں۔ (اس موضوع پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ باتیں سب ہی کو معلوم ہیں) (۸/۱)

فصاحت و بلاغت حضرت علی علیہ السلام امام فصحا و سید بلغاء ہیں۔ حضرت کے کلام کے متعلق کہا گیا ہے۔ "دون کلام الخالق و فوق کلام المخلوق" ان سے لوگوں نے خطابت و انشا سیکھی۔

(۱) عبد الحمید بن یحیی کہتا تھا میں نے "اصلع" (امیر المومنین) کے ستر خطبے یاد کر کے ان سے بڑا فیض پایا۔

(۲) ابن نباتہ کہتا تھا میں نے خطابت کا ایک ایسا خزانہ حفظ کیا ہے جو صرف کرنے سے بڑھتا ہی رہتا ہے۔ میں نے سو فصلیں مواعظ علی ابن ابی طالب کی یاد کی ہیں۔

(۳) معاویہ — محض ابن محض نے معاویہ سے کہا۔ میں ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں اظہار خیال میں جس سے زیادہ کوئی عاجز نہیں ہے۔ معویہ نے کہا — ایسا کب ہے۔ قریش کے لئے فصاحت کا قانون ان کے سوا کس نے بنایا ہے۔"

نہج البلاغہ خود اس کی گواہ ہے کہ فصاحت و بلاغت میں

ایک ایسا موقع آیا کہ معاویہ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر ان کے قدموں کے پاس نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے ان سے مزاحاً کہا۔ اگر میں چاہتا تو آپ پر حملہ کر سکتا تھا۔ معاویہ نے کہا تم اب بہت بہادر بنتے ہو۔ ابن زبیر نے کہا میری بہادری میں آپ کو شک ہے۔ میں میدان جنگ میں علی کے سامنے ٹھہرا ہوں۔ معاویہ نے کہا کیا کہتے ہو۔ علی اپنے بائیں ہاتھ سے تم کو اور تمہارے باپ دونوں کو قتل کر دیتے۔ داہنا ہاتھ اُن کا خالی رہتا۔ اس سے کسی دوسرے کا کام تمام کر دیتے۔

مختصر یہ ہے کہ دنیا کے کل شجاع حضرت علی کی طرف منسوب ہیں۔ مشرق و مغرب میں کہاں اُن کا نام نہیں لیا جاتا۔

اُن کی جسمانی قوت ضرب المثل تھی جس سے مقابلہ ہوا سے پچھاڑ دیا (معارف ابن قتیبہ)

حضرت علی ہی نے خیبر کے دروازہ کو اکھیڑا۔ ایک گروہ نے جنبش دینے کی کوشش کی۔ ممکن نہ ہوا۔ بعض نے "ہبل" بت کو خانہ کعبہ کی بلندی سے اکھیڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ یہ بت بہت بڑا تھا۔

حضرت کی حکومت کے زمانہ میں ایک بہت بڑے پتھر کو لوگوں نے اکھیڑنے کی کوشش کی۔ نہ اکھڑ سکا۔ اسے تنہا حضرت علی نے اکھیڑ دیا۔ اس کے نیچے سے پانی کا چشمہ نکلا۔

سخاوت سخاوت و بخشش میں حضرت علی کا حال ظاہر ہے۔ وہ خود بھوکے رہتے۔ اور دوسروں کو دیتے اور بسی قدر ہوتا کی تھا دوسرے کو دیدیتے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء و لا شکورا۔
(سورۂ دہر)

مفسر بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس صرف چار درہم تھے۔ ایک رات کو خیرات دوسرا دن کو تیسرا پوشیدہ اور چوتھا علانیہ دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً و علانیۃ۔
( )

روایت میں ہے کہ آپ مدینہ کے بعض یہود کے نخلستان کو اجرت پر کنویں سے پانی کھینچ کر سیراب کرتے تھے۔ اتنا پانی کھینچا کہ ہاتھ میں گھٹے پڑ گئے۔ اس کی اجرت کو خیرات کر دیتے۔ اور خود اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

شعبی کے سامنے حضرت علی کا ذکر آیا تو کہا سب سے بڑے سخی تھے۔ کبھی کسی سائل سے "نہیں" نہیں کی ———

محفن ابن ابی محفن نے حضرت علی کے دشمن اور اُن کے عیب جو معاویہ سے کہا کہ میں بخیل ترین انسان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ معاویہ نے کہا تم یہ کیسے کہہ رہے ہو۔ ان کے پاس اگر ایک گھر سونے سے بھرا ہوا ہو اور دوسرا گھر اس سے تو سونے کے گھر کو تقسیم کر کے پہلے خالی کر دیں گے۔ بیت المال میں جھاڑو دے کر اس میں نماز پڑھتے۔

انہیں کا یہ قول مشہور ہے۔

"یا صفراء و یا بیضاء غری غیری"

اے سونے اے چاندی میرے سوا کسی دوسرے کو دھوکا دے۔

حضرت نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا جب کہ شام کے سوا ساری دنیا اُن کے قلمرو میں شامل تھی۔

علم و درگزر گنہگاروں اور خطا کاروں سے سب سے زیادہ حلم و درگزر سے پیش آتے۔

جنگ جمل کے موقع پر اس کی تصدیق ہوئی۔ مروان جو علم ان کا سب سے بڑا دشمن تھا اسے معاف کر دیا۔

عبداللہ بن زبیر حضرت علی کو برملا گالی دیتے تھے بصرہ کی تقریر میں ان کے لئے نہایت ناشائستہ الفاظ استعمال کئے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے زبیر اس وقت تک ہم سے تھے جب تک عبداللہ ابن زبیر جوان نہیں ہو گئے۔

جنگ جمل کے بعد ابن زبیر گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن

[illegible]

فقہ شیعہ

شیعوں کی فقہ میں حضرت علیؑ سے نسبت ظاہر ہے۔

فقہاء صحابہ اور حضرت علیؑ

فقہاء صحابہ میں حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس تھے۔ ان دونوں نے حضرت علیؑ سے استفادہ کیا سب کو معلوم ہے کہ اکثر پیچیدہ مسائل میں حضرت عمر حضرت علیؑ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ انھوں نے بار بار کہا۔ لولا علی لهلک عمر۔ لا بقيت لمعضلة ليس لها ابو الحسن۔ لا يفتين احد في المسجد وعلي حاضر۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ فقہ کا مرجع و منتہی حضرت علیؑ تھے۔

سنی شیعہ سب ہی آنحضرتؐ کی اس حدیث کی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "اقضاکم علیؑ" قضا و فقہ کا بہت قریبی تعلق ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔

علم تفسیر

علم تفسیر حضرت علیؑ سے حاصل کیا گیا۔ تفسیر کے اکثر روایات حضرت علیؑ و ابن عباس سے مذکور ہیں۔ سب جانتے ہیں ابن عباس نے جو پایا تھا وہ حضرت علیؑ سے پایا تھا۔ ابن عباس سے پوچھا گیا آپ کے علم کی آپ کے ابن عم (علیؑ) سے کیا نسبت ہے کہا۔ كنسبة قطرة من المطر الى البحر المحيط (۲)

علم تصوف

تمام اسلامی ملکوں میں اس علم کے ماہر حضرت علیؑ کے سلسلے سے اپنے کو وابستہ کرتے ہیں اور انھیں کو اپنا آخری مرجع قرار دیتے ہیں۔

شبلی و جنید و ابو یزید بسطامی و ابو محفوظ کرخی وغیرہ نے اسکی صراحت کی ہے۔ یہ فرقہ جو صوفیوں کا شعار ہے اس کی متصل سند حضرت علیؑ تک پہونچائی جاتی ہے۔

علم نحو

سب جانتے ہیں کہ علم نحو کے موجد حضرت علیؑ ہیں۔ آپ ہی نے اس کے جوامع و اصول ابوالاسود دئلی کو املا کرائے۔

وهذا يكاد يلحق بالمعجزات لان القوة البشرية لا تفي بهذا الحصر ولا تنهض بهذا الاستنباط (۲)

قریب ہے کہ اسے معجزات میں شامل کیا جائے اس لئے کہ قوت بشری اس حصر کے لئے کافی نہیں ہے نہ ایسا استنباط کر سکتی ہے

فضائل جسمانی و اخلاقی و دینی

شجاعت کا حال تھا کہ آپ کے نام نے ان سورماؤں کی یاد لوگوں کے حافظے سے بھلا دی جو آپ سے پہلے گزرے تھے اور ان لوگوں کے نام مٹا دیئے جو بعد میں آتے رہے۔ ان کے جنگی مقامات مشہور ہیں۔ اور قیامت تک وہ ضرب المثل کا کام دیتے رہیں گے۔ یہ وہ بہادر ہیں جو کبھی میدان جنگ سے بھاگے نہیں۔ نہ کسی فوج سے خوف زدہ ہوئے۔ جس سے مقابلہ ہوا اسے قتل کر دیا۔ کبھی دشمن کا کام تمام کرنے میں ایک وار کے بعد دوسرے وار کی ضرورت نہیں پڑی۔ حدیث میں ہے۔ كانت ضرباته وترا۔

جب حضرت علیؑ نے معاویہ سے فرمایا۔ فوج جنگ میں کیوں برباد ہو، ہم تم دونوں خود نپٹ لیں جو اپنے حریف کو مار گرائے فیصلہ اسی کے حق میں ہو۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ علیؑ نے انصاف کی بات کہی ہے۔ معاویہ نے عمرو بن عاص سے کہا۔ تم ہمیشہ خلوص سے مشورہ دیتے تھے لیکن آج مجھے فریب دے رہے ہو۔ تم مجھے ابوالحسن سے مقابلہ کا مشورہ دیتے ہو غالباً تم میرے بعد شام کی حکومت چاہتے ہو ــــ اگر کوئی مبارز اہا حضرت علیؑ کے سامنے آیا [illegible] شکست [illegible] بچکر جا ہوتا [illegible]

مقتولین کے ورثہ فخر کرتے تھے کہ [illegible] میدان میں مار گرایا بلکہ وہ علیؑ ایسے بے نظیر شجاع کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

عمرو بن عبدود کی بہن نے جب اپنے بھائی کا مرثیہ کہا تو اس میں اپنے بھائی کے قاتل کی شرافت کا خاص طور پر ذکر کیا۔

لو كان قاتل عمرو غير قاتله ... بكيته ابد ما دمت في الابد

لكن قاتله من لا يعاب به ... كان يدعى ابوه بيضة البلد

مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی ساری کوششیں ان کے ذکر کو مٹانے اور ان کے فضائل کو مسخ کرنے اور ان کے معائب و مثالب گھڑنے میں صرف کر دیں۔ اموی قلمرو کے تمام منبروں پر ان پر تبرا کیا گیا۔ ان کے مداحوں کو دھمکیاں دی گئیں۔ انھیں قید و بند کی سزا دی گئی۔ انھیں قتل کیا گیا۔ اُن کے احادیث فضائل کی روایت سے روکا گیا۔ کسی کو اُن کا نام (علیؑ) رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس تمام ظلم و جور اور تحریف و تشدد و تذلیل سے خود ان کا کچھ بھلا نہ ہوا۔ البتہ علیؑ کا ذکر اونچا ہی ہوتا رہا۔ جیسے کہ مشک کو کتنا ہی چھپایا جائے اس کی خوشبو پھیل کر رہتی ہے۔ اگر کوئی سورج کو ہاتھ کی ہتھیلی سے چھپانا چاہیے تو کیا اسے چھپانا ممکن ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنی ایک آنکھ بند کر لے اور دن کی روشنی نہ دیکھے تو اس سے کیا ہوگا۔ بیشمار انسان اس کی روشنی کے گواہ بنے ہوئے ہیں۔

مرکزِ مراکز

میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں تمام فضیلتیں جس سے منسوب ہیں۔ مسلمانوں کے ہر فرقہ کی انتہا اس تک ہوتی ہے۔ ہر فرقہ ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کہتا ہے علیؑ ہمارے ہیں ہم ہی اُن کے مسلک پر ہیں۔ وہ فضائل کے رئیس اور اس کا سرچشمہ ہیں۔ فضائل میں سب سے مقدم اور پیش رو ہیں۔ ان کے بعد جس نے کوئی نمایاں شخصیت بنائی اس نے حضرت علیؑ سے پایا۔ سب انھیں کے نقش قدم پر چلے۔

علم الٰہی کا سرچشمہ

تمام علوم میں شریف تر علم الٰہی ہے۔ علم الٰہی حضرت علیؑ کے کلام سے لیا گیا۔ علیؑ ہی کی شخصیت سے اس کا آغاز و منتہی منسوب ہے۔

اعتزال کی نسبت

معتزلہ اہل توحید و عدل ہیں۔ ارباب نظر ہیں۔ انھیں سے لوگوں نے اس علم کو حاصل کیا۔ معتزلہ میں سب سے بڑی شخصیت واصل بن عطا کی ہے۔ واصل شاگرد تھے ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ کے۔ اور ابو ہاشم اپنے باپ محمد بن حنفیہ کے شاگرد تھے۔ اور محمد بن حنفیہ اپنے باپ امیر المومنینؑ کے شاگرد تھے۔

اشعریت کی بازگشت

یہ فرقہ ابو الحسن علی بن ابی الحسن علی بن بشر اشعری کی طرف منسوب ہے۔ ابو الحسن اشعری ابو علی جبائی کے شاگرد تھے جو معتزلہ کے شیوخ میں تھے۔ اور اعتزال کی انتہا حضرت علیؑ پر ہے۔

امامیہ و زیدیہ

کی نسبت حضرت علیؑ کی طرف ظاہر ہے۔

فقہ مذاہب خمسہ

(۱) فقہ — حضرت علیؑ فقہ کی اصل و اساس ہیں۔ اسلام کا ہر فقیہ اُن کا محتاج ہے اور ان کی فقہ سے استفادہ کرتا ہے۔

فقہ حنفی

اصحاب ابو حنیفہ ابو یوسف و محمد وغیرہ نے امام ابو حنیفہ سے فقہ حاصل کی۔ اور ابو حنیفہ نے جعفر بن محمد علیہ السلام سے تحصیل کی اور جعفر بن محمد کا سلسلہ حضرت علیؑ پر منتہی ہوتا ہے۔

شافعی و مالکی فقہ

مالک بن انس نے ربیعۃ الرائے سے تحصیل کی۔ اور ربیعہ نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے عبد اللہ بن عباس سے اور عبد اللہ بن عباس حضرت علیؑ کے شاگرد تھے۔ فقہ شافعی کی منتہی بھی حضرت علیؑ ہیں۔ اس لئے کہ شافعی نے مالک بن انس سے تحصیل کی تھی۔

اس زمانے میں وہ بیروت میں جلا وطن تھے نہج البلاغہ
کے مطالعہ سے اپنا وقت کاٹ رہے تھے۔ چونکہ انشاپردازی
ان کا فن تھا اس لئے وہ مضبوط و مستحکم اسلوب کی تلاش میں تھے۔
شرح ابن ابی الحدید کے نئے دلکش مصری اڈیشن
نے محمود ملاح کے پیمانہ صبر و ضبط کو چھلکا دیا۔ یہ اڈیشن
دیکھ کر موصوف نے لکھا۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کے کلام
کا اس زمانے میں شایع کرنا اسلامی ثقافت کے لیے مضر
ہے۔ لیکن ایسے مسلمان اب کہاں ہیں جو یہ محسوس کریں کہ
اسلامی ثقافت خطرے میں ہے۔ (۲۳)

اس رسالے میں محمود ملاح نے ابن ابی الحدید
کو شیعہ لکھنے کی جرأت کی ہے جس کی بنا پر ہم کو ان کے
اس پہلو کو زیادہ واضح کرنا پڑا جس کا تعلق ان کے مذہب
سے ہے اور ہمیں کہنا پڑا کہ ابن ابی الحدید نے کتنی شدت
سے شیعہ مسلک سے اختلاف کیا ہے۔ محمود ملاح لکھتے ہیں،

"مجھے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کے مطالعہ کا
موقع نہیں ملا تھا۔ بہت سے دوسرے نقادوں کی
طرح میں بھی معتزلہ کے نام سے فریب خوردہ تھا۔
معتزلہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ عقل سے کام
لیتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ابن ابی الحدید
بھی نظر و فکر کے اعتبار سے انھیں کے ہم مسلک
ہو گئے۔ لیکن شرح کے جائزہ نے اس خیال
کی تکذیب کی۔ مجھے بعد میں یہ پتہ چلا کہ بعد معتزلہ
متقدمین کے مسلک پر باقی نہیں رہے۔ اس لئے
کہ لین دین کرنے لگے۔ اور یہ دنیا پرستی میں آلودہ
ہو گئے۔ شاہوں کے درباروں میں باریابی کی
آرزو کرنے لگے۔"

ابن ابی الحدید نے کھل کر شرح نہج البلاغہ میں تشیع کی
مخالفت کی۔ دور اعتزال کے ہر دور میں حضرت علیؑ سے
محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔

اور ابن ابی الحدید سے زیادہ ابن علقمی[۵] کی رواداری وسیع
اور بے لاگ علمی سرپرستی کی داد دینی پڑتی ہے اس شرح
میں تشیع سے اس قدر اظہار اختلاف کے باوجود شرح میں
علم و ادب کا گرانبہا سرمایہ جمع ہو جانے اور ایک دوسرے
حلقے کے آدمی کے اپنے معیار عقیدت کے مطابق امیرالمومنین
کی مدح کرنے کی قدر کی اور صلہ و بخشش سے ابن ابی الحدید
کی ہمت افزائی کی اور قدر دانی کا ثبوت دیا۔

فضائل و مناقب

منبع فضائل و مرکز علوم فرق اسلامی

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے فضائل عظمت و جلالت و شہرت و
نشر کے اعتبار سے اس درجہ پر فائز ہیں کہ ان کی تفصیل
کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی دن کی روشنی اور ضیاء ماہ چاند
کی درخشانی کا ذکر کرنے چلے تو اس پر کون متوجہ ہوگا۔
جتنی بھی ان کی مدح و ثنا ہوگی ہماری قوت بیان کی
عاجزی کا یہ ختم ہوگی۔

میں کیا کہوں

میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں
جس کے فضائل کا اقرار اس کے دشمنوں
نے بھی کیا اور ان کو ان کے فضائل کا انکار کرتے یا چھپاتے
بن نہ آئی۔

بنی امیہ کی سازشیں کچھ نہ بنا سکیں

بنی امیہ کی حکومت

---

[۵] محمد بن محمد بن علی ابی طالب وزیر موید الدین بن علقمی
بغدادی امامی۔ وزیر مستعصم۔ ماہر سیاست
ادیب و مربی علماء و ادباء (تاریخ فخری ابن طقطقی۔ شذرات الذہب
۲۷۲/۵ فوات الوفیات ابن شاکر ۲۱۲/۲)

ہمارے علماء نے جو قیاس و اجتہاد کے قائل تھے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ قیاس و اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ (۱۹۶/۱)

ان لوگوں نے قیاس و اجتہاد کی قسمت پر صحابہ کے اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام نہیں ہے یہ امامیہ کی روایت ہے (۳۳۲/۱)

دین کے اصول و فروع کے بارے میں ابن ابی الحدید کے یہ چند نظریات تھے جنھیں ہم نے صرف شرح نہج البلاغہ کے بعض اجزا سے جمع کر دیئے ہیں جو نظر ابن ابی الحدید کے تصانیف پر ہے وہ کبھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ان پر تشیع کی تہمت لگائے۔ حضرت علیؑ کی محبت تمام مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ خوارج و نواصب کے سوا تمام مسلم مکاتب خیال بقدر معرفت حضرت علیؑ کے عقیدت مند ہیں۔ صرف حضرت علیؑ کی محبت و عقیدت سے کوئی شیعہ نہیں ہو جاتا۔ معاصر مسیحی فاضل جارج جرداق بیروتی نے کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب شایع کی تھی جسے حسن قبول کا شرف حاصل ہوا اس کتاب میں مسیحی فاضل کے جذبات عقیدت دریا کی موجوں کی طرح اُبل رہے ہیں۔ اگر یہ بتایا جائے کہ یہ مسیحی فاضل کی کتاب ہے تو جرداق کے جوش عقیدت سے ایک اجنبی یہ رائے قائم کرے گا کہ یہ کسی ایسے مسلمان کی تصنیف ہے۔ حضرت علیؑ کی محبت جس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہے کیا اس فرط عقیدت سے کوئی انھیں شیعہ کہہ سکے گا۔ لیکن اس دنیا میں ہر طرح کے انسان بستے ہیں۔ تنگ نظر بھی۔ فراخ دل بھی، حق گو بھی، مصلحت بین بھی۔ منافرت بھی محمود ملاّح ان معاصر عربی مصنفین و مقالہ نگاروں میں ہیں جنھیں اتحاد اسلامی کی تحریک سے دکھ ہوتا ہے۔ ایران و مصر میں جہاں جہاں مصلحین مسلمانوں کی شیرازہ بندی میں مصروف ہیں وہ ان کی نظر میں غلط راہ پر ہیں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید۔ شیخ محمد عبدہ مفتی اعظم اور معاصر مصلح جو

کوئی بھی ان کی نظر میں ثنا و صفت کا مستحق نہ ہو سکا۔ مفتی اعظم شیخ محمد عبدہ نہج البلاغہ کے عشاق میں تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انھیں بہت کچھ ملا۔ جذبہ اصلاح و تعمیر کی دولت پائی۔ جرأت و صراحت و تنقید کا ملکہ پایا۔ بلاغت و فصاحت کا خزانہ پایا۔ جب وہ وطنی آزادی کی تحریک کی قیادت کے جرم میں بیروت میں جلا وطنی کا زمانہ گزار رہے تھے تو نہج البلاغہ کے مطالعہ سے کسب فیض کر رہے تھے ۱۸۸۵ء میں پہلی بار نہج البلاغہ کو مختصر حواشی کے ساتھ مرحوم نے شایع کیا پھر ۱۳۴۱ھ میں یہ نسخہ مصر میں چھپا۔ پھر کافی مطالعہ کے بعد شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کی مدد سے اور اپنی ذاتی اطلاعات سے ایک قابل فخر حاشیہ لکھا اور مطبع رحمانیہ مصر سے شایع کیا۔ مفتی اعظم کے حاشیہ کی اشاعت کے بعد ادبا و علماء میں نہج البلاغہ کی شرح و حاشیہ نگاری کا شوق بڑھتا ہی رہا۔ ۱۳۲۸ھ میں استاد محمد حسن نائل مرصفی نے اپنے حاشیہ و تحقیق کے ساتھ نہج البلاغہ کی اشاعت کی۔ پھر استاد محمد محی الدین عبد الحمید نے اپنی تشریح کے ساتھ شایع کیا۔ حال ہی میں بڑی آب و تاب اور تخریج و تشریح و تحقیق کے ساتھ شرح ابن ابی الحدید مصر سے بیس جلدوں میں شایع ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے ادبیات کے مطالعہ کا شوق کتنا ترقی کر رہا ہے۔ خدمت انجام دینے والے شیعہ نہیں ہیں۔ وہ سُنی محبان اسلوب و فکر و انشاء حضرت علیؑ ہیں جو اس وقت مصر کی بزم علم و ادب کی زینت ہیں۔ لیکن محمود ملاّح اس پورے سلسلے سے مکدر ہیں جس نے پہلے اور آج ادب علوی سے دلچسپی لی۔ موصوف نے تشریح شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کے نام سے ایک رسالہ مطبع اسد بغداد سے ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۸ء میں شایع کیا۔ جس میں لکھا ہے۔

شیخ محمد عبدہ جتنے بڑے آدمی تھے اتنی ہی بڑی غلطی انھوں نے یہ کی کہ نہج البلاغہ پر مقدمہ و حاشیہ لکھا اور اسے چھپوایا

قرار دیتے ہیں اور امیر المومنین کو واجب العصمت سمجھتے ہیں (۴۱)
امیر المومنینؑ نے ایک بیان میں فرمایا تھا۔ میری تعریف
نہ کرو میں اپنی ذات کو خطا سے اونچا نہیں سمجھتا۔
امام کے اس ارشاد پر ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔
امام نے اپنی عدم عصمت پر خود اقرار کیا ہے۔ یا تو اس کی
مراد دینی ہے جو اس بیان کا ظاہر ہے یا یہ باتیں انکسار
کی بنا پر فرمائی ہیں۔ جیسا کہ رسولؐ خدا نے بھی اسی طرح
فرمایا ہے۔ ولا انا الا ان یتدارکنی برحمۃ۔
یا۔ اخرجنا مما کنا فیہ۔ فابدلنا بعد الضلالۃ بالهدیٰ۔
واعطانا البصیرۃ بعد العمی۔
رسولؐ خدا کے ان ارشادات میں آپ کی ذات
مراد نہیں ہے (معاذ اللہ) حضرت پہلے کافر تھے
کہ بعد میں مسلمان ہوئے ہوں اس سے مراد قوم ہے جو آپ کی مخاطب تھی۔ (۴۲)

عصمت ائمہ اہل بیتؑ پر شیعوں نے مستقل کتابیں
مختلف زبانوں میں لکھی ہیں اور ہر علم کلام کی کتاب میں
بحث امامت میں اس پر عقلی و نقلی دلائل مذکور ہیں۔ علامہ
شیخ مفید م ۴۱۳ھ نے ایک مختصر رسالہ عصمت امام کے
موضوع پر لکھا تھا اس کا اردو ترجمہ گوجرانوالہ پاکستان
میں ۱۹۶۰ء میں شایع ہوگیا ہے۔ علامہ حلی نے الفین کے
نام سے ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر تالیف کی تھی۔
یہ بھی عراق میں چھپ گئی ہے اس کی اردو میں تلخیص الفیہ
کے نام سے علامہ کنتوری مرحوم نے میرٹھ سے ۱۳۲۹ھ
شایع کی تھی۔ منار الهدیٰ بحرانی۔ ارشاد الطالبین فاضل
مقداد مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۳ھ، بحار ۲۱۲/۷ اصول کافی ۹۹
تنزیہ الانبیا شریف مرتضیٰ۔ بصائر الدرجات ۴۷ مطبوعہ تبریز
ایران۔ جامع الانوار شیخ محمد تقی مطبوعہ اصفہان ۱۲۹۰ھ
وغیرہ میں اس موضوع پر شیعہ نقطہ نظر کی تائید میں دلائل
ملیں گے۔

عقیدہ مہدیؑ

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین کی رائے ہے
کہ امام مہدیؑ اولاد حضرت فاطمہؑ میں ہوں گے۔ ہمارے
معتزلی علماء کو اس میں انکار نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے
اپنی تصنیفات میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ بس فرق یہ
ہے کہ ہمارے نزدیک وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں بلکہ
آئندہ پیدا ہوں گے (۹۳/۱)

ابن ابی الحدید نے اگرچہ امام مہدیؑ کی ولادت کا انکار
کیا ہے لیکن حضرات علماء و محدثین اہل سنت بھی ہر عہد میں
ان کی ولادت کے قائل ملتے ہیں۔
(علامہ کمال الدین بن محمد بن طلحہ شافعی م ۶۵۲ھ،
مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول۔ فتوحات مکیہ ابن
عربی اندلسی م ۶۳۸ھ وغیرہ)
اس طرح نظریہ (۴۶۶/۱) کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔
اشعری۔ جہمی و جبری و امامی نظریات کو بیان کیا ہے
ان کی تنقید کی ہے اور معتزلہ کی تائید کی ہے۔ عفو مومن
کے مسئلہ میں بھی اعتزال کی تائید کی ہے۔
اس مختصر جائزہ سے قطع و یقین کے ساتھ یہ واضح
ہو گیا کہ ابن الحدید پکے معتزلی تھے اُن کا تشیع سے کوئی تعلق
نہ تھا۔ انھوں نے اصول عقائد میں بار بار اپنی تصنیفات میں
شیعہ نظریات کی تنقید کی۔

فروع دین

امیر المومنینؑ نے ایک موقع پر اپنے
عہد میں فتووں میں اختلافات کی
مذمت کی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اس بیان کی
تشریح میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ انھیں ارشادات کی
بنا پر امامیہ شرعیات میں قیاس و اجتہاد کے منکر ہیں۔

اولاد کلی بن ہاشم۔ ابنہ عبد المطلب کو تفضیلی عقیدہ کا ہمنوا لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ابتدا میں زبیر بھی تفضیلی تھے۔

بنی امیہ بھی تفضیلی

بنی امیہ میں تفضیلی عقیدہ رکھنے والوں میں خالد بن سعید بن عاص اور عمر بن عبدالعزیز کا نام لیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کا ایک مقدمہ میں فیصلہ درج کیا ہے۔ ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ اگر حضرت علیؑ بن ابی طالب اس اُمت میں سب سے بہتر اور رسولِ خدا سے قریب تر نہ ہوں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ عورت کے باپ کا اصرار تھا کہ اس قسم کے بعد طلاق واقع ہوگئی اور اس کی لڑکی اس کے داماد پر حرام ہوگئی۔ داماد کا اصرار تھا کہ طلاق نہیں ہوئی وہ اس کی اب بھی جائز بیوی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایک حدیث رسولؐ کی بنا پر فیصلہ کیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ علی افضل بشر ہیں۔ (ص ۵۲۱/۴)

تابعین بھی تفضیلی

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ تابعین میں تفضیل کا عقیدہ رکھنے والے بہت تھے جیسے اویس قرنی۔ زید بن صوحان، صعصعہ بن صوحان۔ جندب بن خیر، عبیدہ سلمانی۔

ابن ابی الحدید نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ لفظ شیعہ اس زمانے میں تفضیلیوں ہی کے لئے بولا جاتا تھا۔ امامیہ کے عقائد اس زمانے میں مشہور نہ تھے ___ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ فضیلت شیعہ میں جو آثار و اخبار وارد ہوئے ہیں اور جن سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے معتزلہ مراد ہیں۔ حقیقتہً شیعہ ہم ہی ہیں۔ دوسرے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں (ص ۵۲۲/۴)

عصمت

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ اثنا عشری شیعہ ائمہ اہلبیتؑ کو معصوم سمجھتے ہیں۔ معتزلہ امامت کے لیے عصمت کی شرط کے قائل نہیں ہیں (۱۹۲/۱)

امیر المومنینؑ نے مدینہ میں اپنی بیعت کے بعد یہ تقریر فرمائی تھی۔

تم کیوں گمراہی میں مارے مارے پھر رہے ہو۔ تمہارے درمیان تمہارے رسولؐ کی عترت ہے جو دین کی زمام اور حق کا جھنڈا اور سچائی کی زبان ہے (نہج البلاغہ)

اس تقریر کی تشریح میں ابن ابی الحدید نے لکھا ہے۔

عترت نبیؐ سے کوئی بات ایسی صادر نہیں ہوتی تھی جو حق و صواب کے موافق نہ ہو۔ اسی بنا پر امام نے ان کو سچ کی زبان فرمایا ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچائی ان کی طبیعت میں راسخ تھی۔

اس کے بعد خود ابن ابی الحدید نے ایک سوال قائم کیا ہے۔ امام کے ارشاد سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عترت معصوم ہے۔

اس کے جواب میں لکھا ہے۔ ابو محمد بن متویہ معتزلی نے "کتاب الکفایہ" میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام معصوم تھے۔ اگرچہ واجب العصمت نہ تھے۔ اور نہ عصمت امامت کی شرط ہے۔ نصوص ان کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ جس سے ان کے باطن کی پاکیزگی کے بارے میں قطع و یقین ہو جاتا ہے۔ یہ امر انھیں سے مخصوص تھا۔ کسی دوسرے صحابی کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا ___ ہماری ان دونوں باتوں میں فرق واضح ہے (۱) زید معصوم ہے (۲) زید واجب العصمت ہے۔ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص معصوم ہے مگر اس کی عصمت کا حق واجب نہیں ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے وہ معصوم ہے اور اس کی عصمت کا عقیدہ واجب ہے۔ پہلا خیال ہمارا ہے (یعنی ہم حضرت علیؑ کو معصوم جانتے ہیں مگر واجب العصمت نہیں سمجھتے)

دوسرا مسلک امامیہ کا ہے (وہ عصمت کو امامت کی شرط

اختلاف کرتے ہیں جو ان سے عناد رکھتے ہیں۔ لیکن ہم وراثت سے ان کا خلافت پر نص نہیں سمجھتے ہم اسے اس پر محمول کرتے ہیں کہ انہیں جناب رسولِ خدا سے علم کی وراثت ملی ہے (۲۶/۱)

ابن ابی الحدید نظریہ امامت میں سوادِ اعظم کے ہمنوا تھے۔ انھوں نے بار بار کہا کہ امیر المومنین کی خلافت پر آنحضرتؐ کا کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ معتزلی نے اپنی کتاب مغنی میں ان الزامات کے جوابات دیئے تھے جو شیعہ خلفا پر لگاتے تھے شریف مرتضیٰ نے کتاب شافی میں ان کے جوابات کی تنقید کی۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں حضرات خلفا کی طرف سے دفاع کیا اور شریف مرتضیٰ کی تنقید کی اور صاحب مغنی کے جوابات کی تائید کی۔

ابن ابی الحدید نے شیعوں پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ نص کے اثبات میں اقوالِ رسولؐ کو کھینچ تان کر اپنی غرض کے مطابق استعمال کرتے ہیں ان کے اس الزام کے جائزہ کے لیے ایک تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ خود انھوں نے اعتزال کے نظریات کے اثبات میں اپنی تمام کتابوں میں یہی رویہ اختیار کیا ہے ——

لکھنؤ میں نیازؔ فتح پوری مرحوم نے مسئلہ خلافت پر کئی سال تک نگارؔ میں سنجیدہ بحث جاری رکھی تھی اس میں مسلمانوں کے ہر مکتب خیال کے وکیلوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر بڑی متانت سے پیش کیا تھا۔ نیازؔ فتحپوری صاحب نے جو اپنے کو آزاد خیال مسلمان کہتے تھے ماہنامہ نگارؔ لکھنؤ کے سنہ ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں فریقین کی بحثوں کے بعد اپنا یہ آخری رائے کا فیصلہ دیا تھا۔

"اس میں شک نہیں ہے کہ رسول اللہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ ان کے بعد جناب امیر خلیفہ قرار دیئے جائیں جیسا کہ آپ نے بارہا اشارۃً و کنایۃً بلکہ ایک حد تک صراحۃً اس کو ظاہر بھی کیا۔ لیکن یہ اُن کی اجتہادی غلطی تھی۔"

عقیدہ تفضیل

امیر المومنینؑ نے ایک بار فرمایا تھا میرے بارے میں دو گروہ گمراہ ہوں گے۔ غالی دوست۔ افترا پرداز دشمن۔ ابن ابی الحدید امام کے اس ارشاد کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"اس معیار پر ہم معتزلہ نجات یافتہ ہیں اس لئے کہ ہمارا راستہ درمیانی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ آخرت میں تمام خلائق سے افضل ہوں گے اور جنت میں اُن کا مقام سب سے اونچا ہوگا اور وہ دنیا میں بھی افضل الخلق ہیں اور ان کے خصوصیات و مناصب و محاسن سب سے زیادہ ہیں۔

جس نے ان سے عداوت کی یا جنگ کی یا انھیں دشمن رکھا وہ اللہ کا دشمن ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس حکم سے وہ مستثنیٰ ہیں جن کی توبہ ثابت ہے اور جن کی موت آپ کی محبت پر ہوئی۔ جو فاضل مہاجرین و انصار حضرت علیؑ سے پہلے منصب خلافت پر آئے حضرت علیؑ ان کی خلافت سے راضی تھے۔ اُن کی بیعت کی، اُن کے پیچھے نماز پڑھی، اُن سے رشتہ کیا، ان کے مالِ غنیمت کو کھایا ہم اُن کے بارے میں حضرت علیؑ کے فعل سے تجاوز نہیں کر سکتے (۲۰/۵ ۴)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ بہت سے صحابہؓ تابعین حضرت علیؑ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ صحابہ میں انھوں نے حضرت عمار یاسر مقداد۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ ابی بن کعب، حذیفہ۔ بریدہ۔ ابو ایوب انصاری۔ سہل بن حنیف۔ عثمان بن حنیف۔ ابو الہیثم تیہان۔ خزیمہ بن ثابت، ابو الطفیل عامر بن واثلہ۔ عباس بن عبد المطلب ان کی

جہنم میں وہ جائے گا جو اُن سے ناآشنا ہو اور وہ جس سے ناآشنا ہوں۔

ابن ابی الحدید نے اس فقرہ کی تاویل امامیہ و معتزلہ کے نقطہ نظر سے الگ الگ کی ہے (ص۲۴۵/۲)

امیرالمومنینؑ نے اہل مصر کو مالک اشتر کے ہاتھ خط بھیجا تھا اس میں یہ عبارت بھی تھی۔

میرے دل میں یہ خطور بھی نہیں ہوتا تھا کہ عرب آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس امر کو ان کے اہل بیتؑ سے چھین لیں گے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ امام کا یہ کلام امامیہ کے نص جلی کے دعوے کو باطل کرتا ہے (ص۱۶۵/۴)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ ائمہ ان قریش سے ہوں گے جو ہاشمی ہیں ان کے علاوہ دوسروں میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔ امیرالمومنینؑ کے ارشاد کی شرح میں ابن ابی الحدید نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ امام کا قریش سے ہونا شرط ہے کہ نہیں۔

پھر خود ابن ابی الحدید نے اپنے اوپر یہ سوال وارد کیا ہے کہ امام کے اس کلام میں صراحت ہے کہ امامت قریش میں بنی ہاشم کا حق ہے۔ متقدمین و متاخرین معتزلہ میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ پھر خود ہی یہ جواب دیا ہے۔ یہ مقام بہت مشکل ہے۔ میرے لئے ہیں میں نظر ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ امام نے یہ فرمایا ہے تو میں خود بھی وہی بات کہوں گا جو امام نے فرمائی ہو۔ اس لئے کہ مجھ پر ثابت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے۔ انہ مع الحق وان الحق یدور معہ حیثما دار۔ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور جدھر وہ مڑتے ہیں حق بھی ادھر ہی جاتا ہے پھر وہ خود بھی یہ تاویل کرکے اس حصار سے باہر آگئے کہ یہاں امام کی مراد کمال امامت ہے (ص۴۲۸/۲)

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ قول کلی ہے۔ کوئی خصوصیت اس سے ثابت نہیں ہے اور امامیہ کا اس سے نص کا دعوا بلا دلیل ہے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ ہر کلام سے ایسی بات استنباط کی جائے جو اپنی غرض کے موافق ہو۔ خواہ عبارت میں کیسا ہی غموض کیوں نہ ہو۔ ایسے باریک استنباطات پر عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے (ص۲۴۹/۴)

ایک مقام پر امام نے فرمایا۔ ائمہ اللہ کے قیم اس کی مخلوق پر ہیں کوئی جنت میں نہ جائے گا جب تک وہ خدا کے بندوں کو نہ جانے اور بندے اسے نہ جانیں۔

اس مقام سے ابن ابی الحدید یہ کہتے ہوئے گزر گئے اس کلام کی تاویل ہمارے مذہب کے مطابق ہے امامیہ اس کی دوسری تاویل کرتے ہیں (ص۲۴۵/۲)

ایک مقام پر امام نے فرمایا۔ خلافت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو سب سے زیادہ امرالٰہی کا عالم ہو۔ ایسا نہیں ہے امامت کا قیام صرف ان لوگوں کی بیعت پر ہے جو حاضر ہوں اور ان کا فیصلہ ان لوگوں پر نافذ ہوگا جو اس وقت موجود نہ تھے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ یہ کلام صراحتہً ہمارے مسلک کے مطابق ہے کہ امام کا تقرر انتخاب سے ہوتا ہے اور اس سے امامیہ کے اس دعوے کا ابطال ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت پر رسولؐ خدا نے کوئی نص کی تھی اور امامیہ کے اس نظریہ کی رد ہو جاتی ہے کہ امام کے تعین کا دو ہی طریقہ ہے نص یا معجزہ (ص۳۰۳/۲)

وراثت و وصایت کی تاویل

امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے۔ اس اُمت میں آل محمدؐ سے کسی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لئے حق ولایت کی خصوصیت ہے۔ اور انھیں وصیت و وراثت ہے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کو کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علیؑ وصی رسول خدا ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ جو ہمارے

کہتے ہیں کہ مکلفین پر فرض ہے کہ اپنا کوئی امام بنائیں تاکہ دنیوی نفع حاصل ہو، ضرر سے محفوظ رہیں۔ امامیہ کہتے ہیں کہ امامت ایک لطف الٰہی ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ امام کو مقرر کرے تاکہ مکلف عقلی قبائح سے محفوظ رہیں۔ امیرالمومنینؑ کے اس کلام سے معتزلہ کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

نص کا انکار

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے متعلق کوئی ایسی نص صریح و قطعی نہیں ہے جس میں شک نہ پیدا ہوتا ہو اور جس میں احتمالات کی گنجائش نہ ہو۔ ہاں دل یہ محسوس کرتا ہے کہ آنحضرتؐ نے تعریض و تلویح۔ کنایہ اور قول غیر صریح اور حکم غیر قطعی کے انداز میں حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں فرمایا تھا۔ شائد صراحت میں کوئی مصلحت مانع ہو۔ ۱۳۵ شرح ابن ابی الحدید۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت کو "اولیٰ بالامر اور احق" فرمایا۔ نص کے طور پر نہیں بلکہ افضلیت کے اظہار کے لئے۔ حضرت علیؑ جناب رسولؐ خدا کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔ لیکن حضرت علیؑ نے مصلحتاً اپنا حق چھوڑ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ عہد رسولؐ کے غزوات میں عرب ان کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس بنا پر وہ ان سے حسد کرتے تھے۔ اور ان کی حکومت پر راضی نہ تھے (۳۶ / ۲)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ شیعوں کا گمان ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں حضرت علیؑ کو امیرالمومنین کہا گیا۔ یہ ثابت نہیں ہے ہاں اس مفہوم کی دوسری روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "انت یعسوب المومنین" یا "یعسوب المومنین"۔ (یعسوب شہد کی مکھی کے چھتے کے سردار کو کہتے ہیں) تم دین یا مومنین کے یعسوب ہو یعنی امیرالمومنین ہو۔

امیرالمومنین نے فرمایا۔ پروردگار میں تجھ سے قرآن کے مؤلف کی شکایت کرتا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے قطع رحم کیا۔" امام کے اس فقرے کے بارے میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ ہمارے اصحاب حضرت علیؑ کے اس کلام کو سقیفہ سے منسوب کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت علیؑ فضیلت قرابت کی وجہ سے خلافت چاہتے تھے۔ اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی خلافت پر رسولؐ خدا کی کوئی نص تھی۔ (۳۰۵ / ۲) (۲۹۹ / ۳)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے۔ بہ نسبت امیر و حاکم کے اگر میں تمہارا وزیر رہوں تو تمہارے لئے بہتر ہے امام کے اس کلام کو ہمارے اصحاب ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی امامت پر رسولؐ خدا کی کوئی نص نہ تھی۔ اگرچہ حضرت علیؑ خلافت کے سب سے اولیٰ اور سب سے زیادہ حقدار تھے۔ اگر رسولؐ خدا کی حضرت علیؑ کی خلافت پر کوئی نص ہوتی تو وہ تو یہ نہ فرماتے (دعونی والتمسوا غیری۔ مجھے چھوڑو کسی اور کو ڈھونڈھو۔ اور یہ نہ فرماتے۔ ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم۔

پھر ابن ابی الحدید خود ہی لکھتے ہیں۔ امامیہ ان فقرول کے دوسرے معنی کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ سے بیعت کی درخواست کی تھی جو پہلے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کر چکے تھے۔ (یعنی یہ خطاب تمام [illegible] شیعوں سے نہ تھا [illegible]

امیرالمومنین [illegible] خلقہ وعرفاء [illegible] عرفہم وعرفوہ ولا یدخل النار الا من انکرھم و انکروہ (نہج)

ائمہ مخلوقات الٰہی پر اس کی طرف سے قیم و نگہبان ہیں جنت میں وہی جائے گا جسے وہ پہچانتے ہوں، اور وہ انھیں پہچانتا

خوشحالی میں ان کی مدد کی. عباسی خلفا کی مدح کی ان سے
صلہ پایا. دارالتشریفات میں کاتب کا منصب عطا ہوا.
پھر دیوان خلافت میں جگہ مل گئی. پھر بیمارستان بغداد
کے نگران مقرر ہو گئے. آخر میں بغداد کے کتب خانوں
کے مہتمم قرار پائے۔

معاشی مشاغل اور منصب کی مشغولیت کے باوجود
تالیف و تصنیف اور شعر و سخن سے گہرا تعلق رہا۔ شعر و سخن کے مختلف موضوعات
پر طبع آزمائی کی مدح، مرثیہ، حکمت، وصف و غزل میں طبع رسا نے گل فشانیاں کیں
دیوان شعر مرتب کیا مختلف موضوعات پر یادگار کتابیں لکھیں ۶۵۶ھ میں بغداد میں انتقال ہوا
(فوات الوفیات ابن شاکر) ذیل میں ان کے آثار لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ (۴۳۶ھ) نے الذریعہ فی علوم الشریعت
کتاب لکھی (اصول فقہ) یہ کتاب شیعہ نقطہ نظر کی عکاس ہے۔
شائع ہو گئی ہے ابن ابی الحدید نے ۳ جلدوں میں اس کی
شرح لکھی (روضات الجنات)

(۲) ابن نوبخت متکلم کی کتاب یاقوت کی شرح (کلام)
(روضات جنات)

(۳) شرح نہج البلاغہ ۲۰ جلد. متعدد ایرانی و مصری اڈیشن۔

(۴) الف کلمہ امیرالمومنین حضرت علیؑ (مطبوعہ بیروت)
(شرح نہج البلاغہ کے آخر میں)

(۵) قصائد سبع علویات. شارح علامہ سید محمد. صاحب
مدارک الاحکام شرح شرائع. قصائد فتح خیبر، فتح مکہ.
نعت رسولؐ، واقعہ جمل وغیرہ (مطبوعہ بیروت ۱۳۰۷ھ)

(۶) شرح مقالات ابوالحسین بصری (کلام) (روضات جنات)

(۷) شرح محصل فخرالدین رازی (ابن فوطی)

(۸) نقض المحصول فی علم الاصول فخرالدین رازی (روضات جنات
کشف الظنون چلپی) (اصول فقہ)

(۹) انتقاد المستصفی غزالی (ابن فوطی)

(۱۰) الوشاح الذہبی (ابن فوطی)

(۱۱) المستنصریات. مستنصر باللہ عباسی خلیفہ کے نام
معنون (نسخہ خطی نجف اشرف)

(۱۲) الفلک الدائر علی المثل السائر (مطبوعہ ہند ۱۳۰۹ھ)
تالیف ذی الحجہ ۶۳۳ھ ۲۵ دن میں کتاب کی تکمیل ہو گئی.

(۱۳) العبقری الحسان (کشکول تاریخ و اشعار وغیرہ)
(روضات جنات)

(۱۴) دیوان شعر (ابن شاکر کتبی)

(۱۵) حواشی کتاب مفصل (نحو) (ابن فوطی)

(مصادر سوانح ابن ابی الحدید. فوات الوفیات محمد بن
شاکر ج ۱. وافی و فیات صفدی. بدایہ ابن کثیر ج ۱۳. کشف الظنون
چلپی. معجم المولفین عمر رضا کحالہ ج ۵. سیر النبلاء ذہبی ج ۱۳

ابن ابی الحدید کے دینی نظریات

چونکہ ابن ابی الحدید نے نثر و نظم میں
حضرت علیؑ سے اپنی عقیدت کے اظہار میں بڑے جوش
سے کام لیا ہے اس لئے بعض تنگدل حضرات نے ان پر
بھی تشیع کا الزام لگایا ہے. اس بنا پر ہم نے ان کے عقائد
پر کچھ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے. تاکہ ان کے مذہب
کے بارے میں کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے. ان
نظریات کو بغیر کسی تنقید و تبصرہ کے یہاں درج کیا
جا رہا ہے. ایک مستقل مضمون میں ان کے نظریات کا ہم نے
جائزہ لیا ہے. یہاں صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ابن ابی الحدید
معتزلی تھے اور شیعہ نظریات کے مخالف تھے۔

نظریہ امامت

امام بنانا امت کا کام ہے

ابن ابی الحدید نے امیرالمومنینؑ کی اس
تقریر پر جو خوارج کے (لا حکم الا للہ) کے نعرہ کے جواب میں فرمائی
تھی امامت کی بحث چھیڑی ہے. آخر میں لکھتے ہیں: معتزلہ

۳ و ۴۔ نظریہ عدل میں لفظاً دونوں متفق ہیں لیکن تشریح میں الگ ہو جاتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں انسان خود اپنے افعال کا فاعل ہے۔ لیکن وہ تفویض کی حد تک چلے گئے یعنی انسان کو تو مختار قرار دیا اور نتیجے میں اللہ کو عاجز و مجبور ٹھہرالیا (اربعین غزالی)

امامیہ عدل کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ ان کے ایمان کا ایک ممتاز رکن ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا ذمہ دار اور موجد تو ہے مگر اس کے افعال کے مبادی و مقدمات (ادراک و قدرت و شوق وغیرہ) کا تعلق فعل الٰہی سے ہے۔ بیشک انسان اپنے افعال کے فعل و ترک پر قادر ہے لیکن اس پر قدرت اور اس کے تمام مبادی مخلوق الٰہی ہیں۔ امام جعفر صادقؑ کی مشہور حدیث (لا جبر و لا تفویض و لکن امر بین امرین) سے یہی وسط مراد ہے۔

۴۔ وعد و وعید۔ وعدے کے بارے میں دونوں فرقے متحد ہیں کہ خدا نے جو وعدے کئے ہیں وہ حتمی وفا ہوں گے۔ لیکن وعید کے بارے میں دونوں میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں شرک کے سوا خدا نے جن جرائم کی سزا کی دھمکی ہے انھیں وہ اپنے تفضل سے معاف بھی کر سکتا ہے (ان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمہم)

۵۔ امر معروف و نہی منکر۔ شیعہ کہتے ہیں امر معروف و نہی منکر کا وجوب نص قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اور معتزلہ مدعی ہیں کہ ان کا وجوب صرف عقل سے ثابت ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ان لوگوں کے لئے تشیع و اعتزال کے فرق کے لیے یہ جملے کافی ہوں گے جو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تشیع کو اعتزال کا مقلد سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں۔

ابن ابی الحدید کا تعارف

عزالدین ابوحامد عبدالحمید بن ہبۃ اللہ مدائنی معتزلی شافعی (ولادت ۵۸۶ھ - ۱۱۹۰ء، وفات ۶۵۵ھ - ۱۲۵۷ء)

ابن ابی الحدید ایک جلیل القدر فقیہ و متکلم و مورخ و ادیب و شاعر تھے۔ اسلامی فرقوں کی تاریخ پر حاوی تھے۔ عہد جاہلی اور اسلام کی تاریخ پر عبور تھا۔ اسلامی فرقوں کے اصول و فروع پر وسیع نظر تھی۔ یہ آخری معتزلی ہیں جنھوں نے فلسفہ اعتزال کا مجتہدانہ مطالعہ کیا اور اس کی دلیرانہ وکالت کی۔ ابن ابی الحدید کو علماء فرقہ معتزلہ کا "خاتم علماء المعتزلہ" کہا جا سکتا ہے۔ ان کے بعد اعتزال کا چراغ بجھ گیا پھر کوئی اس کا وکیل پیدا نہ ہوا۔

چھٹی صدی کے آخر میں بعض ممتاز مشائخ معتزلہ موجود تھے۔ لیکن ساتویں صدی کے وسط تک ابن ابی الحدید دنیائے اعتزال میں ایک منفرد شخص رہ گئے تھے۔ انھوں نے اعتزال کی اشاعت و حمایت و وکالت کے لئے متعدد مواقع نکالے اور اپنے قلم سے اعتزال کے مختلف موضوعات پر اتنا لکھا کہ اگر اسے ایک جگہ کسی کتاب میں مرتب کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

ابن ابی الحدید کا علم حاضر اور فکر فیاض اور ذہن رسا تھا۔ تفسیر و حدیث و درایت و اصول و فقہ و فلسفہ کلام تاریخ و ادب و لغت پر نظر حاوی تھی۔

ابن ابی الحدید یکم ذی الحجہ ۵۸۶ھ میں مدائن میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما ہوئی۔ وہاں کے شیوخ و علما سے استفادہ کیا۔ جوانی میں دار الخلافہ بغداد آ گئے۔ بغداد اس وقت علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ کتب خانوں کی کثرت نے شہر کو مدینۃ الحکمت بنا دیا تھا۔ یہاں مختلف فرقوں کے ماہر موجود تھے۔ ابن ابی الحدید کی سخن طرازی

ابان بن تغلب۔ فضل بن شاذان وغیرہ ایک طرف الحاد کے محاذ پر جنگ کر رہے تھے دوسری طرف معاصر مسلم مکاتب خیال کے نظریات کا جائزہ لے رہے تھے۔ معتزلہ کے افراط اور اشعریت اور سواد اعظم کے محدثین کے جمود و تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ کی رہنمائی کر رہے تھے۔ جس میں عقل و شرع دونوں کو ایک دوسرے کا حریف قرار دینے کے بجائے دونوں کو ایک دوسرے کے شارح و مؤید کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے۔

اشاعرہ جمود کی وکالت کر رہے تھے۔ اس لئے وہ معتزلہ کے حملوں کا قابل قبول جواب نہیں دے سکتے تھے۔ شیعہ ہی معتزلہ کے غرور عقل کا محاسبہ کر رہے تھے۔ صفات الٰہی حسن و قبح عقلی، نظریات لطف و اصلح۔ عصمت انبیاءؑ ائمہ۔ خلقت جنت و دوزخ۔ حبط اعمال و مسئلہ شفاعت میں شیعوں نے معتزلہ سے خوب ٹکر لی عقل کے احترام اور توحید کے بعض مسائل میں شیعہ و معتزلہ کے جزئی اتحاد و مشابہت کی وجہ سے بعض قدیم مصنفین فرق اور معاصر علماء نے سخت دھوکا کھایا ہے اور بے بنیاد رائے قائم کی ہے کہ تشیع اعتزال کی ہی ایک شکل ہے اور شیعوں نے معتزلہ کی تقلید کی ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے ان ناموز شیعہ علماء کو معتزلی لکھ دیا گیا جن کی زندگی کا بڑا حصہ معتزلہ کے افکار کی نذر ہوا۔

دوسری تیسری صدی میں اعتزال نے ایک مسلک کی حیثیت حاصل کی۔ اس سے بہت پہلے تشیع کے حدود اور مسائل متعین ہو چکے تھے۔ تیسری اور چوتھی صدی میں شیعہ اور معتزلہ سے نظریات کی جنگ کا شباب تھا۔ معتزلہ اور اشاعرہ اور سواد اعظم کے محدثین میں جب ایک دوسرے دست و گریباں تھے۔ شیعہ اعتدال اور مفاہمت کی تلقین کر رہے تھے۔ امالی شریف مرتضیٰ (دیکھئے) میں توحید و عدل پر ائمہ اہل بیت کے ارشادات پڑھے جا سکتے ہیں۔ شیخ مفید، شریف مرتضیٰ اور شیخ طوسی نے معتزلہ و اشاعرہ کے نظریات کی تنقید کی اور ایک بین بین راستہ پر بلایا۔ معتزلہ سے دو ایک مسئلہ میں موافقت کے معنی اتباع و تقلید نہیں ہو سکتے بعض مسائل میں اشاعرہ سے بھی شیعوں کا اتحاد ہے اس جزئی اتحاد کی بناء پر کیا کوئی کہہ سکتا ہے دونوں میں سے کسی ایک نے اپنا وجود دوسرے کی تقلید پر قائم کیا ہے۔

شیعوں نے معتزلہ کی طرح صرف عقل پر مدار نہیں رکھا۔ اور شرع کو دوسرا درجہ نہیں دیا اور نہ جمہور کے محدثین کی طرح منقولات کی تشریح کے لیے عقل کی طرف بڑھنا بھی ممنوع قرار دیا۔ شیعوں نے عقل سے وہیں کام لیا جہاں نص نہ تھی۔ یا شرع کے ظاہری معنی عقل کے منافی تھے اور شرع کے کلی و اساسی مقاصد کے خلاف تھے اس وقت بھی نص کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ اس کی معقول تاویل کی۔ عقل و نصوص کے اتحاد و امتزاج کا انکشاف شیعوں کا بڑا علمی و دینی کارنامہ ہے۔

اگر وہ مسائل زیر بحث نہ لائے جائیں جو معتزلہ و امامیہ میں معرکہ آرا رہے ہیں اور جن کی فہرست لمبی ہے صرف معتزلہ کے اصول خمسہ (توحید و عدل، وعدہ وعید اور منزلۃ بین المنزلتین۔ اور امر معروف و نہی منکر) میں دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا دونوں ان مسائل کی تفصیل میں بھی کلی اتفاق نہیں ہے۔

۱۔ توحید اسلام اور مسلمانوں کی اصل اول ہے معتزلہ اور امامیہ میں کچھ دور تک اس میں اتحاد ہے لیکن زیادہ تفصیلات میں ایک دوسرے سے دور جا پڑتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے اور بُرا کرے معتزلہ کا۔ یہ توحید چاہتے تھے الحاد میں مبتلا ہو گئے۔ تشبیہ کا انکار چاہتے تھے لیکن اس کا اثبات کرنے لگے (کنز الفوائد ابوالفتح کراجکی ص...)

وتشیع و اعتزال کوئی مذہب موجود نہ تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ تمام مذاہب اس زمانے میں پیدا ہوئے۔

آنحضرت صلعم کے زمانے میں اسلام ایک نہایت اجمالی سادہ چیز تھی۔ عقائد میں کلمۂ توحید اور اعمال میں فرائض۔ عقائد کی سادگی آنحضرت کے بعد بھی کچھ زمانہ تک قائم رہی۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد روم و فارس کی مہمات شروع ہو گئیں، اور عرب کی دماغی و علمی قوت کا سارا زور مہمات ملکی میں صرف ہو گیا۔

ان معرکہ آرائیوں میں مسئلہ توحید کا اجمالی مسئلہ تو ہمیشہ تازہ رہا۔ یہ تفصیل و باریک بینی کہ اللہ ہے تو کیا ہے۔ اور اس کے صفات کیا ہیں۔ اُس کی قدرت کے حدود کیا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اس وقت نہیں پیدا ہوئی تھیں۔

تاہم صحابہ میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو علمی اشتغال میں مصروف تھا۔ اور جن کو مہماتِ جنگی سے بہت کم تعلق تھا۔ اس لئے عقائد میں کسی قدر بحث و تدقیق شروع ہو گئی۔ اور مختلف فرقوں کی گویا بنیاد قائم ہوئی۔

اعتزال کے ابتدائی آثار بھی خود آنحضرت صلعم اور صحابہ کے زمانے میں موجود تھے۔ صحابہ میں اگرچہ بہت سے ایسے تھے جو مذہبی مسائل کے متعلق کچھ غور کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یا عقل کو دخل دینا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایسے بھی تھے جو ہر مسئلہ کو عقل کے معیار سے جانچتے۔ یا کم سے کم عقل کو معاملات شرعیہ میں بیکار نہیں خیال کرتے تھے۔ یہی اعتزال کی اصل بنیاد تھی۔ جس پر آگے چل کر بڑی بڑی عمارتیں قائم ہوئیں۔ معتزلہ یہ کہتے تھے کہ انسان کے اعمال خدا نہیں کراتا۔ اس لئے اس فرقہ کو قدریہ بھی کہا گیا۔ وہ خود اپنا لقب عدلیہ رکھتے تھے۔ کیونکہ خدا کو عادل مانتے تھے۔ خدا کو عادل ماننا اس پر موقوف ہے کہ انسان کو اپنے اعمال میں مختار مانا جائے۔

اس مسئلے کو سب سے پہلے معبد جہنی نے شائع کیا۔ اس کو عبدالملک نے اُن کو قتل کر دیا (مقریزی ج ۲) معبد کے بعد غیلان دمشقی نے اس مسئلہ کی ترویج کی۔ اس کے ساتھ چند اور مسائل بھی مذہب اعتزال میں شامل کر لئے جن میں ایک امر معروف و نہی منکر بھی تھا۔ یہ حکومت کے لئے ایک پُر خطر مسئلہ تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے اسے بھی پھانسی دیدی۔ اتنے عرصہ میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے یہ مذہب قبول کر لیا۔

عمرو بن عبید اور واصل بن عطا نے اس مذہب کو زیادہ رونق دی۔ یہ دونوں حسن بصری کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ جو بصرہ کی مسجد میں قائم تھا۔ مرتکب کبیرہ کے بارے میں ان دونوں کو حسن بصری کی رائے سے سخت اختلاف ہوا۔ واصل و عبید دونوں ان کے پاس سے چلے آئے۔ اور اسی مسجد میں اپنا ایک الگ حلقۂ درس قائم کر لیا۔ حسن بصری سے علیحدگی کی بنا پر ان کو معتزلہ کہا جانے لگا۔ ان دونوں نے مذہب اعتزال کی بہت خدمت کی۔

عباسی عہد میں اعتزال کو ترقی کا موقع ملا۔ دوسری زبانوں سے حکمت و فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ ملک میں فلسفیانہ خیالات کی گرم بازاری ہو گئی۔ ساتھ ہی اسلامی مسائل پر دوسری قوموں میں نکتہ چینیاں بھی شروع ہو گئیں۔ منصور عباسی نے تلوار کے زور سے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلکہ بحث کی عام اجازت دیدی۔ غیر مذہب والوں کے مقابلے میں محدثین و فقہا اپنی روایات لیکر آئے۔ لیکن وہاں منقولات سے کیا کام چلتا۔ آخر معتزلہ میدان میں آئے۔ انھوں نے اکثر مسائل میں غیر مذاہب والوں کو شکست دی۔ اس سے ملک کے ممتاز لوگوں کو اعتزال کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ اور سیکڑوں ہزاروں آدمی معتزلی بن گئے۔ اعتزال کا قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

جب مامون نے مذہب اعتزال قبول کیا۔ بڑے بڑے معتزلی علما دربار میں باریاب ہوئے۔

مامون کو ابو الہذیل علاف اور نظام کا بہت ادب و احترام کرنا تھا۔ علاف و نظام دونوں فلسفے کے بڑے اُستاد تھے۔

کی کوشش کی۔

فقیہ و متکلم، فلسفی و صوفی، ادیب و نقاد اس کے شارحین کی صف میں شامل ہوئے۔

معتزلہ، اشاعرہ، اور شیعوں نے شرح نگاری میں اپنی اپنی جگہ بنائی۔

اس فہرست میں فخر الدین رازی ایسا متکلم و سماش و اشعری۔ قاضی عبدالجبار و ابن ابی الحدید ایسا متکلم و ادیب معتزلی بھی شامل ہے۔ قطب الدین راوندی و کمال الدین میثم ایسے فقیہ اور نعمۃ اللہ جزائری ایسے ہمہ صفت عالم بھی ملیں گے۔ اس میں شیخ محمد عبدہ ایسا مفتی و ادیب و وسیع الخیال دانشمند بھی ملے گا۔

لیکن یہ کہنا پڑے گا اگر فرقہ وارانہ تعصب کی چند مثالوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو ابن ابی الحدید کی شرح تمام شرحوں کی تاجور قرار پائے گی۔

ابن ابی الحدید نے پہلے ایک مختصر شرح لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مشکل الفاظ کی توضیح اور عبارت کی تشریح کی جاتی۔ بعد میں یہ محسوس ہوا کہ اس سے امیر المومنین کے ادبی عجائبات کی تشکیل نہ ہو گی۔

موجودہ شرح میں الفاظ کے معنی اور عبارت کا مفہوم بیان کرنے کے علاوہ معانی و بیان و بلاغت کی مدد سے اس کے لفظی و معنوی محاسن پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ اعراب و صرف کے مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے۔ امام کے ارشادات کی بھرپور توضیح کی گئی ہے۔ اسکے نظائر و اشباہ بھی لکھے گئے ہیں۔ تاریخی واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ علم توحید و عدل وغیرہ کو اعتزال کے نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے۔ موقع موقع سے انساب و امثال و مواعظ و حکم و اخلاق و مسائل فقہ بیان ہوتے رہے ہیں۔ شارح نہج البلاغہ کے پیش نظر شرح کے موقع پر قطب الدین راوندی شیعہ فقیہ کی شرح تھی۔ اس کے علاوہ اور بے شمار کتابیں مطالعہ میں تھیں۔ بعض یہ کتابیں بھی اس کا ماخذ تھیں۔

تاریخ طبری۔ مقاتل الطالبین ابوالفرج اصبہانی۔
کتاب الحیوان و بیان و تبیین و رسائل جاحظیہ حافظ معتزلی۔
حلیۃ الاولیا ابونعیم اصبہانی۔ کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔
کامل مبرد۔ اوائل ابو ہلال عسکری۔ نسب قریش زبیر بن بکار۔
منتظم ابن جوزی۔ صحاح جوہری۔ وغیرہ کتب عقائد و تاریخ و ادب۔

اعتزال آغاز سے ابن ابی الحدید معتزلی کے زمانے تک

ابن ابی الحدید معتزلی شافعی چونکہ فرقہ معتزلہ کے آخری جانباز و وسیع النظر وکیل تھے۔ اور موصوف نے اپنی شرح میں ابتدا سے آخر تک امیر المومنین کے ارشادات و مکتوبات کو اپنے مسلک کی سند میں پیش کیا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ یہاں مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے مقالۂ معتزلہ و اعتزال کے بعض اقتباسات درج کئے جائیں۔

مولانا نے لکھا ہے۔ اسلام کے بہت سے فرقوں میں سے صرف چار فرقے ہیں جن کو زیادہ تر کامیابی ہوئی ہے۔ اور جو عرصہ تک موجود رہے۔ سنی، شیعہ، معتزلہ، باطنیہ۔ ان میں سے آج معتزلہ و باطنیہ معدوم ہیں۔

ایک زمانے میں معتزلہ کا بڑا عروج تھا۔ ان میں بڑے بڑے نامور مصنف پیدا ہوئے۔ مشہور خلفا و سلاطین نے بھی فخریہ یہ مذہب اختیار کیا۔ معتزلہ اگرچہ دنیا میں نہیں ہیں لیکن مذہب و علم میں اب بھی ان کی بہت یادگاریں ہیں۔ آئندہ بھی زمانہ ان کو مٹا نہیں سکتا۔

اعتزال اگرچہ مشہور مذاہب کی طرح صحابہ کے اخیر زمانہ میں پیدا ہوا لیکن اس کے ابتدائی آثار عہد رسول میں موجود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذاہب میں سے کسی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فلاں زمانے میں پیدا ہوا نادانی ہے۔ یا تو یہ کہنا چاہیئے کہ رسول اللہ اور صحابہ کے زمانے میں

فقہا نے بعض غیر قوموں کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ مذہب اسلام عقل کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا ۔ بدگمانی یہاں تک پہونچی کہ غیر مذہب والوں میں یہ خیالِ خام پیدا ہو گیا کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور سے پھیلا مامون نے ایک مجلس قائم کی ۔ اطراف ملک سے ہر مذہب و ملت کے پیشوا طلب کیے گئے ۔ سب کو آزادانہ بحث و مناظرہ کی اجازت دی گئی ۔ ان مجالس میں ہر جگہ معتزلہ ہی ممتاز نظر آئے ۔ درحقیقت ان کی وجہ سے اسلام بڑے صدمے سے محفوظ رہ گیا ۔

ابو الہذیل و نظام نے اعتزال میں چند نئے اصول کا اضافہ کیا ۔ مامون کے بعد معتصم و واثق معتزلی تھے ۔ ان کی وجہ سے اعتزال کو زیادہ قوت حاصل ہوئی ۔ واثق کے بعد اگرچہ متوکل نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہر قسم کی عقلی ترقی روک دی لیکن تمام اسلامی ممالک میں یہ مذہب جڑ پکڑ چکا تھا ۔ اور متوکل کے مٹانے سے نہ مٹ سکتا تھا ۔

چوتھی صدی تک اعتزال کو پوری قوت حاصل رہی ۔ اور بڑے بڑے متکلم و مفسر و ادیب پیدا ہوئے ۔ جن کے تصانیف اب تک بڑے پیمانے کے خیال کیے جاتے ہیں ۔ سب سے اخیر میں ابو علی جبائی (م ۳۰۳ھ) تھا ۔ اس کے بعد کوئی اس درجہ کا امام الاعتزال نہیں پیدا ہوا ۔ اسلامی ممالک میں آپس میں فلسفہ و عقلیات کو عوام نہایت ناپسند کرتے تھے ۔

اگر کوئی فلسفہ کے نام سے منسوب ہوتا تو بازاروں میں اس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ۔ شام میں بھی فلسفہ و عقلیات کو کبھی ترقی نہیں ہوئی ۔"

اعتزال و تشیع

غلط فہمی یا تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے بعض مشہور و معروف شیعہ علما کو معتزلی کہہ دیا گیا ہے یا سوادِ اعظم کے ائمہ پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے صرف اس لئے کہ وہ اپنے عقائد کے تحفظ کے ساتھ حضرت علی اور ائمہ اہلبیت سے عقیدت و ارادت رکھتے تھے امام شافعی شکایت کرتے تھے کہ محبت اہلبیت کی وجہ سے مجھ پر رفض کا اتہام کیا جاتا ہے ۔ دمشق کے نواصب نے امام نسائی ایسے محدث جلیل کو محبت علی کے جرم میں ہلاک کر دیا ۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ اور قصائد سبع علویات میں حضرت علی کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ اس لئے بعض کوتاہ اندیشوں نے ان پر بھی تشیع کا اتہام لگایا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر تشیع و اعتزال کے فرق کو واضح کر دیا جائے اور ابن ابی الحدید کے نظریات پر کسی قدر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تاکہ کسی بدگمانی کی گنجائش باقی نہ رہے ۔

معتزلہ کے وجود کے بہت پہلے حضرت علی اور ائمہ اہلبیت عقل و دین کے متوازن اتحاد کا اعلان کر رہے تھے توحید و تنزیہ پر حضرت علی نے خصوصی توجہ رکھی آپ کے خطبوں میں صفات الٰہی اور توحید کا بیان نہایت صاف اور مکمل ملتا ہے (توحید صدوق ص۳۵) امام زین العابدین کا صحیفہ کاملہ توحید و تنزیہ کے اسرار سے بھرا ہوا ہے ۔

شیعہ امیر المومنین اور ائمہ اہلبیت کی قیادت میں ابتدا ہی سے غور و فکر اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے تھے ۔ جس زمانے میں عباسی حکومت کی تائید سے اعتزال تیغ برہنہ بنا ہوا تھا ائمہ اہلبیت کے افاضل تلامذہ[1] حکمت و فلسفہ عقل و شرع کے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا رہے تھے ۔ اور معتزلہ کے عقل کے استعمال میں افراط کے سیلاب پر بند باندھ رہے تھے ۔ شیعوں نے عقائد و اصول و فروع میں جو کچھ پایا وہ قرآن و سنت اور ائمہ اہلبیت سے پایا ۔

[1] ہشام بن حکم ۔ مومن طاق ۔ محمد بن مسلم ۔ یونس بن عبدالرحمٰن ۔

استاد فواد افرام بستانی مسیحی رئیس جامعہ لبنانیہ نے ۱۹۲۷ء میں علی بن ابی طالب' نہج البلاغہ۔ دروس انتخاب' کے نام سے ایک رسالہ شایع کیا تھا اس میں موصوف نے امیرالمومنینؑ کو اسلام کا پہلا مفکر لکھا ہے اس رسالہ کا پانچواں اڈیشن ۱۹۶۲ء میں شایع ہوا۔ اس میں موصوف نے لکھا ہے۔

علی بن ابی طالبؑ کی شخصیت بے حد پرکشش ہے۔ راویوں اور مورخوں کے قلم ان کے گرد و پیش حرکت میں رہے ہیں۔ ان کی سیرت سے بہت سے زاہدوں اور سالکوں نے رہنمائی پائی ہے۔ ان کے جھنڈے کے نیچے بیشمار ادیب سرگرم سفر رہے ہیں۔

نہج البلاغہ حضرت علیؑ کا زندہ کارنامہ ہے

پہلی صدی ہجری ہی سے حضرت علیؑ کے افکار و آراء کے جمع، حفظ و تدوین کا کام شروع ہو گیا۔

بے شمار انسانوں نے حضرت کے سرمایۂ علم و ادب سے اپنے ذوق کو سیراب کیا۔ خطیبوں، انشا پردازوں، امثال نگاروں، سیاستدانوں، مورخوں، لغت نگاروں، معانی و بیان و بلاغت کے ماہروں، فلسفیوں، اخلاقیات کے نکتہ دانوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے آپ کے مکتوبات و ملفوظات کو مرتب کیا۔ اپنی تصانیف کو ان سے آراستہ کیا۔ مسلمانوں کے ہر حلقے نے یہ خدمت انجام دی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ عراقیوں۔ ایرانیوں۔ شامیوں۔ مصریوں۔ ترکیوں۔ ہندستانیوں اور امریکہ و یورپ کے مستشرقوں نے بھی جمع و انتخاب کا شرف حاصل کیا۔

—— لیکن —— جاحظ کا مرتبہ مأۃ کلمہ ہو۔ یا ابوالفضل احمد بن محمد میدانی کی طرفۃ الامثال (مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۰۶ء) ہو یا عبدالواحد بن محمد کی غرر الحکم ہو' یا قاضی ابو عبداللہ قطاعی کی دستور معالم الحکم ہو۔ یا ابن ابی الحدید کی الف کلمہ ہو۔ یا ابن نخلہ مسیحی کی کتاب المأۃ ہو' یا نجفی فاضل ہادی کاشف الغطا کی مستدرک نہج البلاغہ ہو' یا دوسرے ادیبوں کے انتخابات ہوں کسی کو بھی نہج البلاغہ مرتبہ شریف رضی قدس اللہ سرہ کے بقاء دوام کا اعزاز حاصل نہ ہو سکا۔

نہج البلاغہ کے معاصر مصری حاشیہ نویس استاد محمد محی الدین عبدالحمید لکچرر کلیۂ لغت عربیہ ازہر یونیورسٹی نے مختصر عبارت میں نہج البلاغہ کے مطالب پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی ضرورت کسی انشا پرداز یا خطیب کو ہوتی ہے۔ اس میں مدح بھی ہے۔ ادبی تنقید بھی ہے' فضائل کو ترغیب ہے رذائل سے متنفر کیا ہے۔ اس میں سیاست بھی ہے' عدالت کے فیصلے بھی ہیں۔ اس میں حکومت و عوام کے حقوق و فرائض بھی ہیں۔ اس میں شہریت کے اصول بھی ہیں۔ اس میں شخصی نصیحتیں بھی ہیں' عدالت کے قوانین بھی ہیں۔ —— مختصر یہ ہے کہ جس کو جو ضرورت پیش آئے گی اسے اس میں اس کا حل ملے گا۔ دل میں جس آرزو کا ظہور ہوگا وہ اس میں بدرجہ اکمل مل جائے گی۔

میں کہتا ہوں اس میں مابعد الطبیعات اور طبیعیات کے مسائل کو دل آویز انداز اور نادر و عدیم المثال اسلوب میں پیش کیا گیا۔ اخلاق و تمدن و معاشرت کے قوانین صلح و جنگ کے آئین' مثالی حکومت کا دستور' عمال حکومت کا محاسبہ' مردہ ضمیر علماء و فقہا کا کردار' ادبی خطوط' ضرب الامثال کا خزانہ ملے گا۔

اسلام کے معلم ثانی کے اقوال و افکار تمام مسلمانوں کا سرمایہ تھے۔ اس لئے ہر مکتب خیال کے ماہرین نے اس کی شرح کی اور اسے اپنے مسلک کی صحت کی سند بنانے

کہتے تھے۔ لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

۲۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما منہا حرف الا لہ ظہر و بطن۔ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے ہر حرف کا ظاہر و باطن ہے علیؑ کو ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔ و ان علی بن ابی طالب عندہ علم الظاہر والباطن (حلیۃ الاولیا ابونعیم اصفہانی)

۳۔ ابن عباس۔ (الف) واللہ لقد اعطی علی بن ابی طالب تسعة اعشار العلم۔ وایم اللہ لقد شارککم فی العشر العاشر۔ علیؑ کو علم کا ۹ حصہ دیا گیا وہ باقی دسویں حصے میں بھی تمھارے شریک ہیں۔

(ب) کان علی واللہ قد ملی علما و حلما۔ علیؑ علم و علم سے بھرے ہوئے ہیں۔

(ج) کنا اذا اتانا الثبت عن علی لم نعدل بہ۔ اگر کوئی معتبر حدیث ہمیں علیؑ سے مل جاتی تو پھر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرتے۔

۴۔ حضرت عائشہ۔ انہ اعلم الناس بالسنة۔ وہ سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

۵۔ خزیمہ بن ثابت۔ جب حضرت علیؑ کی بہ حیثیت خلیفہ کے بیعت کی گئی تو اس وقت خزیمہ بن ثابت نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھے۔

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا ؞ ابوحسن مما نخاف من الفتن
وجدناہ اولی الناس بالناس انہ ؞ اطب قریش بالکتاب وبالسنن

جب ہم نے علیؑ کی بیعت کر لی تو ہمیں کسی فتنہ کا ڈر نہیں، وہ سب سے بہتر انسان ہیں اور قریش میں کتاب و سنت کے سب سے بڑے ماہر ہیں۔

۶۔ عبد اللہ بن عیاش ابن ابی ربیعہ نے کہا۔ ان علیا کان لہ ما شئت من ضرس قاطع فی العلم۔ کان لہ البسطة فی العشیرة۔ والقدم فی الاسلام۔ والصھر لرسول اللہ۔ والفقہ فی السنة۔ والنجدة فی الحرب والجود فی الماعون (ابن عبد البر۔ استیعاب)

علیؑ کو علم میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ ان کا بڑا خاندان تھا اسلام میں تقدم حاصل تھا۔ رسولؐ ان کے داماد تھے۔ سنت کے ماہر تھے جنگ آزما تھے سخی تھے۔

۷۔ معاویہ۔ جب حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر اُن کو پہونچی تو بیساختہ کہا۔

ذھب الفقہ والعلم بموت ابن ابی طالب
ابن ابی طالب کی موت سے فقہ و علم بھی ختم ہو گیا۔

۹۔ ابوالطفیل کا بیان ہے۔ حضرت علیؑ تقریر کرتے ہوئے تھے میں نے انھیں کہتے ہوئے سُنا۔

سلونی۔ فو اللہ لا تسألونی عن شئ یکون الی یوم القیامة الا اخبرتکم بہ۔ و سلونی عن کتاب اللہ۔ اللہ ما فو اللہ ما من آیة الا و انا اعلم بلیل نزلت ام بنہار ام سھل ام جبل۔ (ص ۳۳ فتح الملک العلی) (تاریخ مکہ ازرقی)

مجھ سے پوچھو۔ قیامت کے بارے میں مجھ سے جو کچھ پوچھوگے بتاؤں گا۔ قرآن کی ہر آیت سے میں واقف ہوں رات کو اُتری یا دن کو آبادی میں یا پہاڑی مقامات پر۔

حضرت علیؑ کے انتہاء علم کے متعلق سرور انبیاؐ کا جامع ترین ارشاد محققین و علماء کو حضرت علیؑ کے علم کے نئے گوشوں کی تلاش پر ہمیشہ آمادہ کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔ آنحضرتؐ کے صحبت نشین حضرت علیؑ کی علمی وسعت پر حیران تھے۔ گزشتہ صدیوں نے کتنا و فلاسفہ و مفکرین کو حضرت علیؑ کے آستانِ علم پر جبین سائی کرتے ہوئے دیکھا۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر حضرت علیؑ کی دنیائے علم کے طول و عرض کی وسعت سے مبہوت نظر آتے ہیں۔ غیر مسلم حکماء و ادباء ہر عہد میں آپ کی بارگاہ علم و ادب میں عقیدت و ارادت کا خراج پیش کرتے رہے ہیں۔

اس سند کے کل رجال عدول و ضابط ہیں (ص۵)

موصوف نے اس حدیث کے شواہد و متابعات میں بہت سی حدیثیں درج کی ہیں جن میں سے چند بہ حذف سند لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ عبد اللہ بن عباس نے روایت کی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ علی عیبۃ علمی (ب) کنا نتحدث ان النبی عہد الی علی سبعین عہدا لم یعہدها الی غیرہ (معجم صغیر طبرانی) علی میرے علم کا ظرف ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ رسول خدا نے ستر باتیں علیؑ کو ایسی بتائیں جو کسی دوسرے کو نہیں بتائیں۔

۲۔ ابو ذر غفاری روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔

علیؑ باب علمی و مبین لامتی ما ارسلت بہ من بعدی۔ (مسند الفردوس دیلمی) علیؑ میرے علم کا دروازہ ہیں۔ مجھے جو شریعت دی گئی ہے میرے بعد علیؑ اس کی تشریح کریں گے۔

۳۔ خود حضرت علیؑ نے روایت کی۔ آنحضرت نے فرمایا:

(۱) انا مدینۃ العلم و انت بابها۔ یا علی کذب من زعم انہ یدخلها من غیر بابها۔

میں علم کا شہر ہوں اور تم اس کا دروازہ ہو۔ جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ شہر میں بغیر اس کے دروازہ کے داخل ہو جائے گا وہ جھوٹا ہے۔

(۲) یا علی امرنی اللہ ان ادنیک و اعلمک لتعی۔

اے علیؑ مجھے اللہ نے مامور کیا ہے کہ میں تمہیں قریب کروں اور تمہیں تعلیم دوں تاکہ تم سے محفوظ رکھو۔

(۳) لیہنک العلم ابا الحسن لقد شربت العلم شربا و نهلتہ نهلا۔

اے ابو الحسن تمہیں علم مبارک ہو۔ تم علم سے بھرپور سیراب ہوئے۔

(۴) علمنی رسول اللہ الف باب کل باب یفتح الف باب (ابو نعیم معجم اسماعیلی)

مجھے آنحضرتؐ نے ہزار باب کی تعلیم دی۔ ہر باب سے ہزار ہزار باب کھلتے ہیں۔

(۵) رسول خدا نے فرمایا۔ انا دار الحکمۃ و علی بابها (ترمذی سنن) میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

۳۔ اسما بنت عمیس روایت کرتی ہیں۔ آنحضرت نے جناب سیدہؑ سے فرمایا۔

زوجتک اقدمهم سلما۔ و اعظمهم حلما و اکثرهم علما

میں تمہاری شادی سب سے مقدم مسلمان سب سے بڑے حلیم اور سب سے زیادہ صاحب علم سے کی ہے۔

۴۔ علقمہ عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ میں آنحضرت کے پاس تھا۔ علیؑ کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا قسمت الحکمۃ عشرۃ اجزاء۔ فاعطی علی تسعۃ اجزاء و الناس جزء واحدا۔

حکمت کے دس حصے کیے گئے۔ علی بن ابی طالبؑ کو ۹ دیئے گئے اور سب کو صرف ایک حصہ دیا گیا۔

۵۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے آنحضرتؐ فرمایا۔ اقضی امتی علی ابن ابی طالب (معجم صغیر) میری امت کے سب سے بڑے قاضی علیؑ ہیں۔

۶۔ سلمان فارسی۔ آنحضرت نے فرمایا۔ اعلم امتی من بعدی علی ابن ابی طالب (مسند الفردوس دیلمی) میرے بعد میری امت میں سب سے بڑے عالم علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

حضرات صحابہ کا اعتراف

۱۔ ابن عباس کی روایت ہے حضرت عمر نے علیؑ اقضانا (تفسیر سورۂ بقر صحیح بخاری)۔ علیؑ سب سے زیادہ علم قضا سے واقف ہیں۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے۔ حضرت عمر کہا کرتے اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لها ابو الحسن۔ میں پناہ مانگتا ہوں اس پیچیدگی سے جس کے حل کے لئے ابو الحسن نہ ہوں

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی شافعی کی شخصیت
اور
حضرت امیر المومنینؑ سے بے پناہ عقیدت

اسلام کا معلمِ ثانی } وحی الٰہی نے خاتم المرسلین حبیب الٰہی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے دل و دماغ پر اسرار کائنات کے تمام دروازے کھول دیئے۔ عنایت ربانی نے زندگی کے ماضی و حال و مستقبل کے حقائق و معارف کا آپ کو امین بنایا۔ قرآن مجید علم کائنات اور علم انسان اور دنیا و آخرت کے علوم کی کنجی ہے۔ سنت رسولؐ قرآن مجید کا تشریحی ضمیمہ ہے۔

شریعت مصطفوی سے تاریخ میں ایک نئے اور آخری دور کا آغاز ہوا۔ جب تک زندگی سرگرم سفر ہوگی شریعت محمدیؐ سے اسے روشنی ملتی رہے گی۔

جناب رسولؐ خدا نے حکم الٰہی سے اپنے بعد قرآن و سنت کی کامل و قطعی تشریح کے لیے اپنے علوم کا واحد وارث اپنی عترت پاک کو بنایا۔ عترت پیغمبرؐ کے رئیس و سردار حضرت امیر المومنینؑ تھے۔ آپ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کے علم و معارف کردار کی صحیح اشاعت ہوئی۔

فخر المحدثین علامہ معاصر احمد بن محمد بن صدیق حسنی مالکی مغربی نزیل قاہرہ مصر نے اپنی کتاب فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی میں لکھا ہے۔

عن مجاهد عن ابن عباس. قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انا مدینة العلم وعلی بابها. فمن اراد العلم فلیات الباب [۵]

مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی۔ کہا آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ جو علم چاہتا ہو وہ دروازہ سے آئے۔

اس حدیث کو درج کرنے کے بعد موصوف نے لکھا ہے کسی حدیث کی صحت کا مدار اس کے ضبط و عدالت پر ہے اور

ع ۵ مدینۃ العلم کی سند اور اس کی دلالت پر علامہ حامد حسین صاحب کنتوری لکھنوی کی ضخیم و محققانہ کتاب کا علم تو کم از کم برصغیر کے ہر عالم کو ہے ۱۳۵۴ھ میں مطبع اسلامیہ ازہر سے اس موضوع پر متوسط تقطیع پر ایک مختصر (ص ۱۰۲) مگر تحقیق و تتبع کے لحاظ سے نہایت وقیع رسالہ۔ قاہرہ میں تحقیق کے سلسلے میں میرے قیام کے زمانے میں مجھے ملا تھا۔ سواد اعظم کے نقطۂ نظر سے آج بھی مغرب اقصیٰ میں علم حدیث میں بڑا انہماک ہے۔ علامہ معاصر محدث جلیل مولانا احمد بن محمد مالکی مغربی میرے زمانہ قیام میں قاہرہ میں مقیم تھے۔ اہل علم کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ فضلا خصوصاً علم حدیث کے طلباء بڑی عظمت و احترام سے ان کا ذکر کرتے تھے۔ بڑے خلیق و متواضع تھے۔ اس کتاب کے متعدد نسخے میں نے خرید لئے تھے۔ خاص خاص مقام پر علماء کے مطالعہ کے لئے محفوظ کرا دیئے تھے۔

مسائل

ساتویں صدی کے ایک آزاد خیال مفکر معتزلی و شافعی کی نظر میں حضرت علیؑ کا مقام

اسلام کا معلم ثانی، نہج البلاغہ زندہ شاہکار۔ اعتزال آغاز سے ابن ابی الحدید کے زمانے تک۔ اعتزال و تشیع ابن ابی الحدید کا تعارف۔ ابن ابی الحدید دینی نظریات۔ تشیع کے اساسی عقائد سے اختلاف۔ ابن ابی الحدید معتزلی و شافعی اور ایک آزاد خیال مفکر۔ نظریۂ نص و عصمت۔ وراثت و وصایت و ولادت مہدی سے انکار۔ عقیدہ تفضیل کی حمایت۔ فروع دین، قیاس کی حمایت، — معاصر محمود ملاح کی ابن ابی الحدید پر تشیع کی تہمت تراشی۔

(۱) ابن ابی الحدید کی نظر میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب۔ حضرت علیؑ منبع فضائل۔ مرکز علوم فرق اسلامی۔ علم الہٰی کا سرچشمہ اعتزال۔ اشعریت۔ امامیہ و زیدیہ و فقہ مذاہب خمسہ (حنفی مالکی و شافعی و حنبلی و اثناء عشری) کی حضرت علیؑ سے نسبت فقہار صحابہ و حضرت علیؑ۔ علم تفسیر و تصوف و نحو اور حضرت علیؑ۔

(۲) فضائل جسمانی و اخلاقی و دینی و قومی۔ شجاعت۔ سخاوت۔ علم و درگزر۔ صفین و جمل۔ جہاد۔ فصاحت و بلاغت خوش اخلاقی و بشاشت و انکسار و تواضع و خاکساری۔ زہد۔ عبادت۔ تلاوت قرآن۔ خوش تدبیری و حسن رائے سیاست۔ اہل ذمہ و فلاسفہ و شاہان عالم کی عقیدت۔ فتوت۔ حسب و نسب۔ قصائد سبع علویات کے چند والہانہ اشعار۔

چند مصادر فتح الملک العلی بصحۃ حدیث انا مدینۃ العلم وعلی از علامہ احمد بن محمد مالکی مغربی نزیل مصر۔ مقالات مولانا شبلی نعمانی بحث معتزلہ الشیعہ بین الاشاعرۃ والمعتزلہ از ہاشم معروف حسنی مطبوعہ بیروت ۱۹۶۴ء۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲۰ جلدیں نیا ایڈیشن قدیم ایڈیشن ۴ جلدیں۔ مطبوعہ مصر تشریح نہج البلاغہ از محمود ملاح۔ مطبوعہ عراق ۱۹۵۲ء فوات الوفیات ابن شاکر۔ تاریخ فخری ابن طقطقی۔ سیر النبلاء ذہبی۔ قصائد سبع علویات و شرح علامہ سید محمد صاحب مدارک مطبوعہ بیروت وغیرہ وغیرہ۔

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید

کی

حضرت علیؑ سے بے پناہ عقیدت



از محقق اعظم حجۃ الاسلام حضرت علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری مجتہد العصر
صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پچیس فیصدی اور سو روپیہ سے زائد کے خریدار کو تیس فیصدی اور دو سو روپیہ یا اس سے زائد کے خریدار کو ۳۳ فی صدی کمیشن دیا جائے گا کمیشن صرف یکمشت خریدار کو ملے گا۔ مکمل سٹ کی قیمت ۸۔۷۵ صرفہ ڈاک ۱۔۹۵ جملہ ۱۰۔۷۰ کا وی۔پی ہوگا یا اگر ۱۰۔۴۵ کا منی آرڈر بھیج دیں تو بذریعہ رجسٹری کتابیں روانہ ہوں گی۔ آرڈر کی تعمیل ایک چوتھائی رقم روانہ کرنے پر ہوگی۔

تفصیل نصاب

درجۂ اطفال۔ امامیہ دینیات ۲۰/-	اُردو قاعدہ ۳۰/-	عربی قاعدہ ۵۰/-
درجۂ اول۔ امامیہ دینیات ۱ ۳۰/-	امامیہ ریڈر ۱ ۳۰/-	قواعد تجوید ۱۲/-
درجۂ دوم۔ امامیہ دینیات ۲ ۵۰/-	امامیہ ریڈر ۲ ۶۰/-	اردو قواعد ۲۰/-
درجۂ سوم۔ امامیہ دینیات ۳ ۷۵/-	امامیہ ریڈر ۳ ۶۰/-	
درجۂ چہارم۔ امامیہ دینیات ۴ ۱/-	امامیہ ریڈر ۴ ۸۰/-	
درجۂ پنجم۔ امامیہ دینیات ۵ ۱/۲۵	امامیہ ریڈر ۵ ۱/۲۵	

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر ذیل کے پتہ پر کیجئے

سید غلام عسکری، سکریٹری تنظیم مکاتب امامیہ بجنور ضلع لکھنؤ

خوشخبری — فائدہ اٹھائیے — خوشخبری

شیعہ بچوں کی مذہبی تعلیم کا مکمل کورس شایع ہوگیا

تنظیم مکاتب امامیہ کی طرف سے بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے مکمل نصاب شایع کیا گیا ہے۔ اگر اس کو آپ اپنے بچوں کو پڑھا دیں تو آپ کا بچہ شیعہ عقائد، احکام، تاریخ، اخلاقیات کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرے گا۔ آپ اپنے فرض تعلیم دین سے عہدہ برآ ہو جائیں گے۔ تنظیم مکاتب امامیہ کے مکاتب میں ہزاروں بچے اسی نصاب کو پڑھ رہے ہیں۔ آج ہی آپ بھی اپنے بچہ کے لئے خرید لیں اور بچہ کو مذہبی تعلیم دلاکر اپنا فرض ادا کریں اور دین اہل بیت علیہم السلام کی سچی مدد کریں۔

پچیس روپیہ تک کی کتابوں کے خریدار کو ۱۵ فیصدی۔ سو روپیہ تک کے خریدار کو

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان		مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۱۰۳	عالیجناب محترمہ سردار فاطمہ صاحبہ	سرائے میر	بارہ بنکی	۸۵ر	
۱۰۴	” مرزا ابو الفضل صاحب		حیدرآباد	۵۰ر	
۱۰۵	” غلام حسین صاحب	پوٹن	کرگل	۵۰ر	
۱۰۶	” محمد حسین صاحب	”	”	۵۰ر	
۱۰۷	” محمد ابراہیم صاحب		”	۵۰ر	
۱۰۸	” فیاض حسین ناتھا بھائی		اندور	۵۰ر	
۱۰۹	” سید محمد جابر صاحب باقری جوراسی		بارہ بنکی	عہ/	
۱۱۰	” ایک بندۂ خدا		لکھنؤ	عہ/	
۱۱۱	” محترمہ بے بی سلمہا		نیپال گنج	عہ/	
۱۱۲	” سید صابر رضا سلمہ		”	عہ/	
۱۱۳	” سید محمد حسن صاحب	حسن پورہ	سادن	عہ/	
۱۱۴	” سید لیاقت علی صاحب رضوی		سیتاپور	عہ/	
۱۱۵	” سید شاہد حسین صاحب رضوی حیدری ڈپٹی کلکٹر		الہ آباد	عہ/	
۱۱۶	” ضامن عباس صاحب		لکھنؤ	۵۰ء	
۱۱۷	” سید محمد عاقل صاحب		اناؤ	۵۰ء	
۱۱۸	” سید محمد عسکری صاحب		”	۵۰ء	
۱۱۹	” والدہ افتخار علی سلمہ		”	۵۰ء	
۱۲۰	” بندو صاحب		لکھنؤ	۳۰ء	
۱۲۱	” ایک بندۂ خدا		”	۳۰ء	
۱۲۲	” ” ”		”	۳۰ء	
۱۲۳	” سید اعظم علی صاحب نقوی		پرتاب گڑھ	۱۴ر	

میزان : مالعہ ۱۴ر ۲۷۶-۱۴

میزان سابق : مالعہ ۴۲ر ۱۹۲-۴۲

جملہ رقم موصولہ : امامہ ۸۶ر ۴۶۸-۸۶

سے استدعا ہے کہ وہ اپنے عطایا جلد از جلد ارسال فرما کر ماجور ہوں۔

الداعی الی الخیر۔ سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنؤ ۳

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۷۹	عالیجناب محترمہ خانم فاطمہ عذرا صاحبہ	ناگ پور	مار	
۸۰	" مرزا محمد حسن صاحب دولت آباد	سری نگر	عسہ/	
۸۱	" سید وقار حسین صاحب فتح گڑھ	فرخ آباد	عسہ/	
۸۲	" مجید حسن خاں صاحب اعظمی	تھانہ	صعہ/	
۸۳	" سید عترت حسین صاحب	سارن	عسہ/	
۸۴	" حکیم غلام رسول صاحب	سری نگر	عسہ/	
۸۵	" نور الحسن صاحب کلکٹریٹ	فیض آباد	سے/	
۸۶	" علی رضا ایم عثمان صاحب	ستارہ سٹی	سے/	
۸۷	" افتخار علی صاحب ادرا	پرولیا	صہ/	
۸۸	" محترمہ اہلیہ علی حمزہ صاحب، بجنور	لکھنؤ	صہ/	
۸۹	" سید محمد مرتضیٰ صاحب بلگرامی، امجھور	شاہ آباد	صہ/	
۹۰	" سید جواد حسین صاحب	علی گڑھ	صہ/	
۹۱	" محمد تقی خاں صاحب	سارن	صہ/	
۹۲	" محمد شفیع صاحب ٹاک	کرگل	صہ/	
۹۳	" علی رضا ایم عثمان صاحب پاگوال	ستارہ سٹی	للعہ	
۹۴	" نواب علی بابا صاحب	سری نگر	للعہ/	
۹۵	" ماسٹر سید حسن اختر صاحب ٹہری	گڑھوال	للعہ/	
۹۶	" مومنین بلوڑ	الہ آباد	۲۵؍	
۹۷	" محترمہ بیگم سید محمد رضا صاحب	اناؤ	ع/	
۹۸	" سید محمود صاحب زیدی	سری نگر	ع/	
۹۹	" ماسٹر سید فصیح الحسن صاحب جمگاوال	بارہ بنکی	ع/	
۱۰۰	" منشی غلام حسین صاحب	کرگل	ع/	
۱۰۱	" سید کرار حسین صاحب سنگروسی	اناؤ	ع/	
۱۰۲	" سید حسن خاں صاحب	جونپور	ع/	

حسینی فنڈ سنہ ۱۳۹۲ھ

(قسط پنجم)

برادران ملت! سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ "حسینی فنڈ" سنہ ۱۳۹۲ھ کی یہ پانچویں قسط پیش کی جا رہی ہے۔ ہم درگاہ احدیت میں دست بدعا ہیں کہ وہ منعم حقیقی ان تمام عاشقان حسین مظلومؑ کو اس دینی نصرت اور عملی اعانت کا اجر بے حساب بحق آل طٰہٰ ویٰسین علیہم السلام جمیع شہدائے کربلا (ارواحنا لہم الفداء) دنیا و آخرت میں دونوں جگہ مرحمت فرمائے اور دیگر افراد دینی کو بھی اس اہم دینی مقصد کی طرف توجہ کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

اس عرصہ میں جن ممبران ورفقائے کار نے عطایا وصول کر کے ارسال فرمائے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

(۱)	عالیجناب مولانا حسین علی صاحب قبلہ	پرولیا	۱۵۰ روپے
(۲)	" محمد شفیع صاحب ٹاک	کرگل	۱۵۰ روپے
(۳)	" مرزا محمد حسن صاحب	سری نگر	سے/
(۴)	" سید علی صفدر صاحب	لکھنؤ	صہ/
(۵)	" سید اشتیاق حسین صاحب	الہ آباد	۱۲۵ روپے
(۶)	" الحاج سید وصی الحسن صاحب زیدی ایڈوکیٹ	اناؤ	سے/
(۷)	" سید محمد رياض حیدر صاحب نیوتنی	"	سے/
(۸)	" سید جعفر رضا صاحب	نیپال گنج	عہ/
(۹)	" محمد تقی مرزا صاحب اسجاد (مع دفتر مشن)	لکھنؤ	۱۹۰

برادران دینی! آئندہ محرم کے لئے "حسینی لٹریچر" کی تیاری کا کام بحمد اللہ جاری ہے۔ کاپیاں صحت ہو ہو کر پلیٹوں پر جم رہی ہیں۔ اب کاغذ کی خریداری کا مسئلہ ہے۔ کم از کم پانچ ہزار روپیہ کا کاغذ جلد از جلد خرید لینا ہے تاکہ رمضان المبارک کے بعد سے معطیان کی خدمت میں رسائل کی روانگی شروع کی جا سکے۔

اس وقت جنتری وکیلنڈر سنہ ۱۹۷۲ء اور اعمال ماہ مبارک سنہ ۱۳۹۱ھ زیر طبع ہیں۔ سردست مالی مشکلات کے سبب تھوڑی تھوڑی تعداد میں یہ دینی ضروریات طبع ہو رہے ہیں، آمدنی ہونے پر مزید کاغذ خرید کر طباعت ہو سکے گی۔ ان تبرکات کو شعبان المعظم کے اندر ہی تمام ممبران و معطیان حسینی فنڈ کو پہونچا دینا ہوتا ہے اور یہ تبرکات "حسینی فنڈ" ہی سے طبع ہوتے ہیں۔ لہذا تمام افراد دینی

مجاہدۂ کربلا

بحمد اللہ یہ کتاب اب زیر طباعت ہے اور کوشش یہ ہے کہ اس کو ماہ ستمبر ۷۱ء میں ضرور شایع کر دیا جائے مگر یہ جب ہی ممکن ہے کہ افراد دینی اسی طرح برابر توجہ فرماتے رہیں اور مطلوبہ سرمایہ جلد از جلد فراہم کر دیں۔ اس کتاب کو ۳۱ پونڈ کے سفید اور دبیز کاغذ پر طبع کرنا مقصود ہے اور صوری حیثیت سے بھی اس کو معیاری شایع کرنا ہے۔ جزو بندی کے ساتھ ساتھ ڈائی سے سنہری نام کی ڈائی سے نام طبع ہو گا۔

ممبران مشن اور دیگر افراد دینی سے استدعا ہے کہ وہ دس دس روپیہ بطور عطیہ جلد از جلد مرحمت فرمادیں۔ جن ممبران نے اپنا عطیہ ابھی نہیں ارسال کیا ہے وہ فوری توجہ فرمائیں۔ کتاب شایع ہوتے ہی بذریعہ رجسٹری ان کی خدمت میں ارسال کر دی جائے گی۔

ممبران مشن کو یہ کتاب نصف قیمت پر باضافہ صرفۂ ڈاک ارسال ہو گی لہذا وہ اس کی ایک جلد کے لئے پانچ روپیہ ارسال فرما دیں۔ ممبران عمومی بھی جن کا زر چندہ سال رواں تک بیباق ہے وہ بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سردست اس کتاب کو اردو میں شایع کیا جا رہا ہے اور جلد ہی اس کے انگریزی اور ہندی تراجم بھی بیش کرنا مقصود ہیں تاکہ اس کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں دیگر اقوام وملل کے ہاتھوں تک پہونچا کر ان کو بھی کربلا کی عظیم قربانیوں اور اس کے پس منظر سے باخبر بنا کر اسلام حقیقی سے متعارف بنایا جائے۔

جو حضرات ممبر نہ ہوں اور صرف اسی جلد کو حاصل کرنا چاہیں وہ آٹھ روپیہ (چھ روپیہ قیمت اور ڈیڑھ روپیہ صرفہ ڈاک) بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں۔ "مجاہدۂ کربلا" کی ایک جلد شایع ہوتے ہی فوراً بذریعہ رجسٹری ارسال خدمت کر دی جائے گی۔

الداعی الی الخیر: سید ابن حسین نقوی عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳

آپ کے رتبے کو سب عرش نشیں مانتے ہیں	آپ کے علم کو جبریلِ امیں مانتے ہیں
سب کو جانے دو خدا آپ کا ہے رتبہ شناس
یا علیؑ آپ کی ہر بات کا ہے اُس کو پاس
آپ جو کچھ ہیں حقیقت میں ہیں اُس سے بھی سوا	آپ کو اپنا ہر اک وصف خدا نے بخشا
ہیں کہیں آپ ید اللہ، کہیں شیر خدا	آپ کے نام میں اللہ نے یہ وصف دیا
لب پہ جس شخص کے بھی آپ کا نام آتا ہے
اُس کا بگڑا ہوا ہر کام سنور جاتا ہے
آپ کے قدموں کا یہ فیض ہے یا شاہِ نجف	آپ کے در کا ہر اک ذرہ ہے خورشید بہ کف
کہہ رہا ہوں علی الاعلان یہ از روئے حلف	پائے بوسی سے بڑھا مُہرِ نبوّت کا شرف
ماسوا آپ کے یہ اوج کسی نے پایا
ہے کوئی اور بھی بندہ جو خدا کہلایا

قطعات

(حکیم محمد کاظم بنارسی)

نظم ریاضِ شاہِ مدینہ بدل گیا	ظاہر میں اک ذرا سا قرینہ بدل گیا
سمجھو نہ جانشینیٔ حیدرؑ سے اور کچھ	انگشتری وہی ہے نگینہ بدل گیا

مجھ کو محبتِ آلِ نبیؐ ملی	نعمت جو چاہتے تھے خدا سے وہی ملی
کاظمؔ خدا گواہ دعائے رسولؐ سے	قرآں کے ساتھ ساتھ ولائے علیؑ ملی

آپ کو دی جو ولایت تو نبوت انھیں دی   تھا حقیقت میں تقاضائے عدالت بھی یہی

گر رسولِ عربی قوم کے سردار ہوئے
آپ اسلام کے لشکر کے علم دار ہوئے

گر محمدؐ مہِ کامل ہیں تو آپ اُس کا نور   گر وہ ہیں قدرتِ معبود تو آپ اُس کا ظہور
لوحِ محفوظ اگر وہ ہیں تو آپ اُس کی سطور   مثلِ جاں آپ تنِ پاکِ نبیؐ میں مستور

آپ یوں سیدِ لولاک سے وابستہ ہیں
جس طرح پھولوں میں رعنائیاں پیوستہ ہیں

ہے اگر ذاتِ محمدؐ کی مجیب الدعوات   یا علیؑ آپ بھی بر لاتے ہیں سب کی حاجات
گر وہ ہیں چشمۂ الطاف و فیوض و برکات   آپ بھی ہیں بخدا دافعِ رنج و آفات

در پہ گر اُن کے ہر اک غم کی دوا ملتی ہے
آپ کے ذکر سے خالق کی رضا ملتی ہے

چاند دو ٹکڑے گر انگشتِ محمدؐ سے ہوا   آپ کے واسطے بھی ڈوب کے سورج پلٹا
آپ بھی مثلِ محمدؐ کے ہیں اعجاز نما   اس میں اک ذرہ برابر بھی نہیں شک بخدا

فرق کیوں دونوں میں ہو نورِ خدا ہیں دونوں
ایک ہی شمعِ فروزاں کی ضیا ہیں دونوں

گر وہ ہیں بانیٔ دیں آپ ہیں بنیادِ یقیں   آپ بھی منصف و عادل ہیں اگر وہ ہیں امیں
آپ کو قرب نہ ہو اُن سے یہ ممکن ہی نہیں   جسم ہوتا ہے جہاں جان بھی ہوتی ہے وہیں

کیسے ممکن ہے کہ خورشید تو ہو نور نہ ہو
کوئی قادر تو ہو لیکن اُسے مقدور نہ ہو

گر وہ ہیں شہرِ علوم - آپ درِ شہرِ علوم   آپ قرآن کی آیات کا واضح مفہوم
نام بھی آپ کا ہے نامِ خدا سے موسوم   آپ کے وصف ہیں قرآن کے اندر مرقوم

گر خدا نے کہا اُن کے لئے لولاک لما
آپ کی شان میں بھی انا فتحنا آیا

بندگی آپ کی ہے عین عبادت اُس کی   آپ کی ہے جو مشیت وہ مشیت اُس کی
دشمنی آپ کی ہے صاف عداوت اُس کی   ہے نہاں آپ کی اُلفت میں محبت اُس کی

مرتبہ دے کے ولایت کا سرافراز کیا
انبیاء سے بھی سوا آپ کو ممتاز کیا

آپ کی بات کو سب اہلِ یقیں مانتے ہیں   ہیں جو حق آشنا وہ قبلۂ دیں مانتے ہیں

منقبت

در شانِ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب علیہ السلام

(جناب سید توفیق الحسن صاحب توفیق وکیل کوٹھی نواب محسن الملک۔ اٹاوہ)

شاہِ مرداں مدد ے، ضیغمِ یزداں مدد ے   فخرِ آدم مدد ے، فخرِ سلیماں مدد ے
شاہِ ذیشاں مدد ے، صاحبِ عرفاں مدد ے   حرزِ جاں، دافعِ غم، نورِ غریباں مدد ے
دُور تجھ سے مرے اعمال کی زشتی ہو جائے
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے

کم نہیں آپ کا بھی احمدِ مرسل سے مقام   گر وہ پیغمبرِ دوراں ہیں تو ہیں آپ امامؑ
گر وہ ہیں خیرِ اُمم، آپ بھی ہیں خیرِ انام   اُن کا گھر دارِ اماں، آپ کا گھر دارِ سلام
گر مباہاتِ محمدؐ پہ خدا کرتا ہے
ساتھ میں آپ کی بھی حمد و ثنا کرتا ہے

اُن کو قرآن دیا، آپ کو دی اُس نے حسام   اُن پہ خالق کا درود، آپ پہ خالق کا سلام
اُن کو محبوب کہا، آپ کو اپنا ہمنام   دونوں ہیں چشمۂ عرفانِ خواص اور عوام
گر لقب سیدِ والا کا ہے شاہِ مشرقین
آپ کی ذاتِ گرامی ہے امامِ حسنین

ہیں اگر سیدِ ابرار شفیعِ محشر   آپ بھی ہیں بخدا مالکِ حوضِ کوثر
ہے اگر اُن کا لقب بادشہِ جن و بشر   ہے خطاب آپ کا بھی فاتحِ بابِ خیبر
وہ سرِ عرش اگر صاحبِ معراج ہوئے
بر سرِ دوشِ نبیؐ آپ بھی سرتاج ہوئے

گر وہ ہیں عرش نشیں، آپ ہیں کعبہ کے مکیں   گر وہ ہیں حبلِ متیں، آپ بھی ہیں مرکزِ دیں
در پہ جھکتی ہے اگر اُن کے فرشتوں کی جبیں   یا علیؑ آپ کے شاگرد بھی ہیں روحِ امیں
شمعِ اسلام محمدؐ ہیں تو آپ اُس کی ضیا
وجہِ تخلیقِ جہاں وہ ہیں تو آپ اُس کی بقا

گر وہ ہیں واقفِ اسرارِ خفی اور جلی   آپ سے بھی تو کوئی چیز نہیں ہے مخفی

ضربتِ ذوالفقار کے تازہ ہیں آج بھی نشاں — گونج رہا ہے آج تک نعرۂ فتحِ خیبری
ذات ہے بوترابؑ کی، جزوِ حیاتِ احمدی — ختمِ رسل سے پوچھئے، وصف و کمالِ حیدری
ایک سے بڑھ کے ایک تھے، گرچہ جہان میں قوی — تو نے ملایا خاک میں سب کا غرورِ خودسری
عقدے کشائے دو جہاں، مظہرِ فیضِ کبریا — تجھ کو خدا نے سونپ دی، دونوں جہاں کی سروری

گلشنِ خلد سے صبا آئی صدائے مرحبا
سوئے نجف جو لے چلا، شوقِ وصالِ حیدری

مئے واجب

(از ضیاء عارف رضوی)

خمخانۂ ولا میں یہ کیسا ہے اہتمام — سنتے ہیں آج صبح سے چلتا ہے دورِ جام
کس نے سبو سے دستِ مبارک چھوا دیا — مے ہے کہ ختم ہونے کا لیتی نہیں ہے نام

قطعہ

گردش میں ہے وہ بادۂ رنگینِ معرفت — جس کی طلب میں بن گئے سیراب تشنہ کام
ہاں جس کے پینے والے ہیں سلطانِ انبیاء — میکش پہ جس شراب کا لازم ہے احترام
وہ مے کہ جو ہے باعثِ ایجادِ کائنات — جس کا سرور عرشِ معلیٰ کا ہے قیام
جس کا خمار موجبِ ایمان و آگہی — وہ مے جو میکشوں پہ جہنم کرے حرام
وہ مے جو قدسیوں کو بھی دل سے پسند ہے — فردوس میں ہے جس کے پلانے کا انتظام
یعنی مئے مودتِ سردارِ اوصیا — یعنی مئے ولائے امامِ فلک مقام
چھایا ہے بزمِ اہلِ عقیدت پہ کیفِ جام — عارف یہی ہے مطلعِ پُرنور کا مقام

مطلع

یہ کہہ رہا ہے تیرہ رجب کا مہِ تمام — آمد ہے اس کی عرش پہ لکھا ہے جس کا نام
وسعت حرم کی دامنِ پُرشوق بن گئی — بہرِ ولادتِ شہِ والا یہ اہتمام
اے بدر تجھ کو اپنی تجلی کا واسطہ — بنتِ اسد کے چاند کو پہنچا دے اک پیام
کہہ دے امامِ دیں سے یہی بعد تہنیت — لاکھوں سلام تجھ پہ شہنشاہِ نیک نام
لاریب تو نگاہِ فضیلت میں انتخاب — تو مظہرِ صفاتِ الٰہی ہے لاکلام
تبلیغِ دینِ حق تری احسان مند ہے — تو نے درست کر دیا اسلام کا نظام
پائی ہیں تجھ سے نطق نے شیریں بیانیاں — ہے بحرِ بیکرانِ فصاحت ترا کلام
اب تک نجف ہی مرکزِ تحصیلِ علم ہے — اے بابِ علمِ دیں ترا جاری ہے فیضِ عام
قبضے میں ترے کوثر و تسنیم و سلسبیل — رضوان تیرے در کا اک ادنیٰ سا ہے غلام
ہے وردِ تیرے نام کا وجہِ سکونِ دل — مشکل کشائے کون و مکاں سیدِ انام
کرے قبول اگرچہ یہ شایاں نہیں ترے — مدحِ خلوص ہے جو قصیدہ برائے نام

قصیدہ در مدح حضرت علی علیہ السلام

از
صبا نقوی
بی کام
مظفرپوری

مجھ کو عطا ہو ساقیا جامِ ولائے حیدری ۔ تشنۂ مدحتِ علیؑ ہے مرا ذوقِ شاعری
طاقِ حرم میں آج ہے جامِ شرابِ کوثری ۔ نازاں ہے جس پہ ساقیا دامنِ زہد کی تری
شاعرِ بوتراب ہوں جامِ شرابِ فضل دے ۔ طبعِ رسا کو آج ہے، حوصلۂ سخنوری
چھائی ہوئی بہار ہے، رندِ ازل نثار ہے ۔ دیدۂ پُرخمار ہے، دُردکشِ جامِ کوثری
لاکھ بناوٹیں لئے ایک جمالِ دل نشیں ۔ لاکھ لگاوٹیں لئے ایک ادائے دلبری
جلوۂ حُور اک طرف، شعلۂ طور اک طرف ۔ شیشۂ دل میں اک طرف عکسِ جمالِ حیدری

مطلع تو پڑھوں صبا کیوں نہ بنامِ مرتضیٰ
جامِ ولا سے دُھل گیا داغِ فراقِ حیدری

اے گلِ باغِ ہاشمی، حاملِ حُسنِ برتری ۔ تیرا لقب ہے مرتضیٰ، تیرا شرف غضنفری
خانۂ ربِ دوجہاں میں ہے علیؑ ترا ورود ۔ آج کی شب ہے دیدنی، حیرتِ چرخِ چنبری
صلِّ علیٰ کا شور ہے فرش سے لے کے عرش تک ۔ آج خدا کے گھر میں ہے، جشنِ ولائے حیدری
اے دلِ بے قرار دیکھ، دیدۂ اعتبار دیکھ ۔ عشق کی بارگاہ میں، حُسن کی جلوہ گستری
شاعرِ پنجتن کو آج فرصتِ یک نفس نہیں ۔ وردِ زبان شوق ہے، مدح و ثنائے حیدری
گلشنِ روزگار میں ذکر سے تیرے بہتری ۔ عرصۂ کارزار میں نام سے تیرے تھرتھری
تیرا عدو ہے دوزخی، تیرا محب ہے جنتی ۔ رونقِ پہلوئے نبیؐ، قوتِ دستِ جعفری
بعدِ نبی جہان میں ہیں اپنے امام مرتضیٰؑ ۔ اپنے نبیؐ پہ ختم ہے سلسلۂ پیمبری
حاملِ جلوۂ الٰہ، عکسِ جمالِ مصطفیٰؐ ۔ واقفِ شرحِ لافتیٰ، نورِ جبینِ سروری
پوچھئے علیؑ کا مرتبہ، بعدِ خدا فقط نبیؐ ۔ اُن کو خدا نے کی عطا، شوکت و شانِ صفدری
گلشن و کوہ و دشت میں فیضِ رسائیٔ علیؑ ۔ مہر و مہ و نجوم میں پرتوِ حُسنِ حیدری
شیرِ خدا کے معجزات، مردے کو بخش دیں حیاتؑ ۔ نطقِ علیؑ کے سامنے جھوٹ ہے سحرِ سامری
ہے وہ نبیؐ کا در، جہاں سر بسجود ہیں مَلک ۔ ہے وہ علیؑ کا آستاں، جس سے خجل سکندری
خالقِ ذوالجلال کی شانِ عطا تو دیکھئے ۔ سینۂ شیرِ کردگار، جذبۂ بندہ پروری
عبدِ خدائے لم یلد، حاملِ عزمِ محمدی ۔ تیرا مزاج بت شکن، تیرا شکوہ سروری
جن و بشر سے پوچھئے، شمس و قمر سے پوچھئے ۔ سائلِ در سے پوچھئے، جود و سخائے حیدری

اپنے موضوع پر بالکل اچھوتی، نادر، نایاب اور عظیم کتاب

ملیکۃ العرب

ملک کے نامور خطیب رئیس الواعظین جناب مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے حقیقت نگار و معجز نما قلم نے مادرِ اسلام شہزادیٔ عرب جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی سوانح حیات لکھی ہے۔ مورخین نے آجتک شہزادیٔ عرب کے حالات و واقعات کو چھپانے کی کوشش کی، ان کی طرف سے بے اعتنائی برتی۔ پہلی مرتبہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کے سچے حالات کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ مولانا سید کرار حسین صاحب واعظ کے معرفت شناس قلم نے تاریخ کے بحرِ ذخار کی شناوری کی ہے اس کا سینہ چاک کرکے حقائق و معارف کے موتی چن لئے ہیں ــــ ہم بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ اس شاہکار کتاب کی کتابت شروع ہو چکی ہے۔ شائقین حضرات سے گزارش ہے کہ ابھی سے اپنے لئے ایک ایک جلد ریزرو کرالیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔

ملنے کا پتہ

احباب پبلشرز، اقبال منزل مقبرۂ عالیہ گولہ گنج، لکھنؤ

سخی آج پیرِ مغاں ہوگیا

(جناب سید کوثر عباس صاحب کوثر کنتوری)

یہ دینِ نبی جب جواں ہوگیا — تو پھر کفر نذرِ خزاں ہوگیا
ہوا کس کی آمد کا فیض و کرم — یہ سارا جہاں بوستاں ہوگیا
جو احمد کے گلشن کا ہے باغباں — وہ نظروں میں سب کی عیاں ہوگیا
ذرا آکے دیکھیں کہاں ہیں کلیم — یہاں حق کا جلوہ عیاں ہوگیا
مکرم معزز ہے مولد ترا — عبادت گہہ مرداں ہوگیا
ندائیں فلک سے یہ آنے لگیں — معین رسولِ زماں ہوگیا
علیؑ نے بنایا نشانہ جسے — اسی کا عدو آسماں ہوگیا
ہوائیں مسرت کی چلنے لگیں — سخی آج پیرِ مغاں ہوگیا

مطلع ثانی

وہ کعبہ کا وارث عیاں ہوگیا — خدا جس کا خود میزباں ہوگیا
ہوئے مست رنداں حُبِّ علی — نصیبہ ہر اک کا جواں ہوگیا
کیا ٹکڑے اژدر کو آئی صدا — یہ بچہ ابھی سے جواں ہوگیا
رہا طور پر جو کہ جلوہ نہاں — وہ کعبہ میں آکر عیاں ہوگیا
محمدؐ کے گھر میں جب آئے علیؑ — ہر اک ذرہ جنت نشاں ہوگیا
یہ ہے معجزہ ایک ہی وقت کا — کہ چالیس جا میہماں ہوگیا
جو شمعِ رسالت کا پروانہ ہو — نبی نام وردِ زباں ہوگیا
اذان کی مشکل کشائی کا ہے — جو اسلام با عز و شاں ہوگیا
ہو نورِ خدا اور نفسِ رسولؐ — زمانے میں سب پر عیاں ہوگیا
ہوا ابرِ رحمت جو سایہ فگن — زمانے میں وہ زرفشاں ہوگیا
ملی جب کہ کوثر کو الفت کی مے — تو اُس وقت سے مدح خواں ہوگیا

قطعہ

علی حسنین و زہرہ کی بہاروں پر حکومت ہے — زمیں پر، آسماں پر، چاند تاروں پر حکومت ہے
مفسر ہیں یہ قرآں کے یہی تفسیرِ قرآں ہیں — انہیں کے علم کی قرآں کے پاروں پر حکومت ہے

ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ممانعت اور
ت کرتے رہنا۔ دوسروں سے حسن خلق اور فیاضی
پیش آنا اور دیکھو اگر میں جانبر نہ ہو سکوں تو
ے قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا کیونکہ عدل اسی
ہے اور ہرگز اسے مثلہ نہ کرنا کیونکہ پیغمبرؐ نے
کی ممانعت فرمائی ہے۔

ان گہر ریز کلمات میں اگر غور و خوض سے کام
جائے تو کردار سازی کا ایک ایسا نظام فکر نیز
اج و معاشرہ کی فلاح و بہبود کا ایسا طریقۂ کار
رتب کر کے پیش کیا گیا ہے کہ رسولؐ کے طرز اصلاح
ا ایک نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یعنی اولاً نفوس کو
پاک کرنے کے لئے خوف خدا اور معرفت الٰہی کی ترغیب
دی گئی اور پھر "حکمت کی تعلیم" دی گئی ہے۔

بیشک آج بھی جب علیؑ کی سیرت کے ابواب
نگاہوں کے سامنے آتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت
کی انتہا نہیں رہتی کہ

ے

نفس اتنا مضمحل ایمان اس درجہ قوی
نان جو توڑے نہ ٹوٹے باب خیبر توڑ دے
جب علیؑ سا ناخدا ہو اور خدا سا کارسانہ
چھوڑ دے دھارے پہ کشتی اور لنگر توڑ دے

حکمت کے لعل و گہر ——— ارشادات امیر المومنینؑ

۱۔ ہر انسان کی قیمت اس کا شاہکار ہو۔
۲۔ عقل مند کا سینہ اس کے رازوں کا صندوق ہوتا ہے، چہرے کی ساخت و شگفتگی دام محبت ہے قوت برداشت عیبوں کی قبر ہے۔
۳۔ جس قدر جو اہلِ ہمت ہوتا ہے اتنی ہی اس کی قدر ہوتی ہے جس میں جس قدر مروت ہوتی ہو اتنا ہی وہ سچا سمجھا جاتا ہے جس میں جس قدر غیرت ہوتی ہے اُسے اتنا ہی بہادر سمجھتے ہیں جس قدر جو شخص غیرت مند ہوگا اتنا ہی پاکدامن ہوگا۔
۴۔ جب تم پر نعمتوں کا آغاز ہونے لگے تو ناشکری کر کے تکمیل نعمت کو نہ روکو۔
۵۔ لوگوں سے اس طرح گھلے ملے رہو کہ اگر مر جاؤ تو تمہارے غم میں اشکبار ہو جائیں اور اگر زندہ رہو تو تم سے ملنے کے لیے بے چین رہیں۔
۶۔ بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مبتلائے مصیبت کی فریاد رسی کرو، غمزدہ و رنجور کی تکلیف دور کرو۔
۷۔ جو تمھیں بری بات کے انجام سے ڈراتا ہو وہ تمھیں اچھے مستقبل کی بشارت دیتا ہو۔
۸۔ غلطی معاف کرنے کا سزاوار سب سے زیادہ وہ ہو جسے سب سے زیادہ سزا دینے پر قدرت ہو (۹) جب قریب کے لوگ نہیں پوچھتے دور کے لوگ اسکے قدردان مل جاتے ہیں (۱۰) جاہل یا افراط سے کام لیتا ہو یا تفریط سے اعتدال و میانہ روی سے دور رہتا ہے۔

(پیش کردہ) سید ولی الحسن عابدی
مفتی محلہ مفتی ہاؤس۔ جونپور

ایہناس! موت سے کسی کو مفر نہیں۔ موت سے بھاگنا بھی عین موت کا سامنا کرنا ہے۔ خبردار ہو کہ موت ہر ایک کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ دیکھو مسئلہ قضا و قدر میں زیادہ پریشان و متفکر نہ ہو کیونکہ وہ خدا کے علم و اسرار میں ہے۔

میری مخصوص وصیت تم لوگوں سے بھی ہے کہ خدائے تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک جانو اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ سمجھو۔ سنت محمدیؐ کو ضایع نہ کرنا۔ ہمیشہ کتاب خدا اور سنت محمدیؐ پر کاربند رہنا ہمارے اہل بیتؑ اور حسینؑ سے کبھی غافل نہ رہنا۔ دیکھو راہ ہدایت کی دو شمعیں ہیں، ان کو روشن رکھنا۔ خدا نے ہر شخص کو بقدر اس کی طاقت کے تکلیف دی ہے۔ کم علم نادانوں سے خفیف مواخذہ ہوگا۔ آگاہ رہو کہ تمہارا پروردگار کریم ہے۔ رحیم، علیم اور دانا ہے۔

کل جو تمہارا امام و مصاحب تھا آج وہ تمہارے لئے عبرت گاہ ہے اور کل تمہارے درمیان سے رحلت کر جائے گا۔ اگر مجھے اس زخم سے شفا ہو جائے تو خدائے عزوجل کا شکر بجا لاؤں گا۔

(سوانح عمری حضرت علی ابن ابیطالبؑ مصنفہ فوق بلگرامی ص۲۲۳)

کیا کہنا امیر المومنینؑ کے کلام بلاغت نظام۔ شیکسپیر (Shakespeare) کے ڈراموں کی ساری جدت طرازیاں اور ملٹن (Milton) کے تھیوریز کی شعبدہ آمیزیاں بیک وقت اس پر نثار ہو جائیں۔

کلام علیؑ کا ایک ایک لفظ گوش ہوش سے سننے اور عقل سلیم کی انتہائی گہرائیوں سے سمجھنے کا مقتضی ہے۔ اس بے ثبات دنیا کی حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے ہمارے مولا فرماتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں میں نے کبھی اس دنیا میں دل نہ لگایا اور اس دار فانی میں اس طرح رہا جیسے کوئی مسافر کچھ دیر سکون لینے کے لیے درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ جائے (یعنی اسے اپنی منزل نہ سمجھے) اور وہ سایہ بہت جلد (غیر محسوس طور پر) اس کے سر سے دور ہو جائے یا کسی کے نزدیک ہوا سے خس و خاشاک جمع ہو جائیں اور پھر ہوا کا دوسرا جھونکا اسے اس طرح متفرق کر دے جس طرح پارۂ ابر کسی کے سر پر سایہ افگن ہو اور پھر وہ سایہ ایک دم سے رفع ہو جائے (ناگہانی موت کے لیے کیسی لطیف تشبیہ دی گئی ہے) میرا بدن چند روز کے لیے تمہارے ساتھ رہا مگر دل ہمیشہ اس کی (اللہ) مرضی کے تابع رہا۔ بہت جلد تم میرے بدن کو روح سے خالی پاؤ گے۔ اب نہ وہ بلیغ خطبے اس سے سنو گے نہ وہ علوم الٰہی اور معارف ربانی حاصل کرو گے۔ اب میں وداع کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ روز حشر تم سے ملاقات کروں اور اس وقت میری صحیح قدر و منزلت جو ابھی تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہے معلوم ہوگی۔

یاد رکھو۔ جب میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں گا اور ایک دوسرا شخص میری جگہ پر تمہارا امیر ہوگا تو مجھے یاد کرو گے۔ اب میں تمہارے لیے اور خود اپنے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ (ماخوذ از تہذیب المتین)

اس کے بعد امیر المومنینؑ وصیت فرماتے ہیں حسنین علیہم السلام سے جس میں بظاہر مخاطب یہی دونوں شہزادے ہیں لیکن بالواسطہ طور پر ترغیب اس وقت حاضرین مجمع کو دی گئی ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ کبھی فرض شناسی میں کوتاہی نہ کرنا، کبھی دنیا طلبی کی لالچ نہ کرنا اور جب کبھی کوئی کلام کرنا تو حق کے لئے۔ میں تم دونوں کو اور ان لوگوں کو بھی جن تک میری آواز پہنچ سکے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا خوف ہمیشہ کرنا۔ آپس میں نزاع نہ کرنا بلکہ شیرازہ کو مجتمع رکھنا۔ دیکھو یتیموں کی خبر گیری اور پڑوسیوں کے حقوق سے کبھی غافل نہ ہونا۔ جیسا کہ مجھ سے پہلے یہی وصیت پیغمبرؐ نے

امام اوّل کی آخری وصیتیں

(جناب سید قائم مہدی صاحب بارہ بنکوی ایم' اے)

کعبہ میں ولادت ہوتی ہو' مسجد میں شہادت ہوتی ہو
جو قابلِ عزت ہوتا ہو ہر حال میں عزت ہوتی ہو

دنیا کے عظیم ترین مفکروں کی دماغی وسعتوں کو محدود کر لینا آسان ہے' عالم کے بڑے بڑے مدبروں کے منتہائے فکر و نظر کو معلوم کر لینا سہل ہے' ہر فلسفی و حکیم کی حکیمانہ موشگافیوں کا نچوڑ نکال لینا بھی ممکن ہے لیکن اے حکیم اسلام تو شاہراہ حکمت کا وہ رہبر کامل ہے کہ تیرے پائے اقدس کی خاک چشم حکمت کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ تیرے ایک ایک نفس پہ کائنات کے مدبرین کی زندگیاں نثار ہوں۔

دنیا جانتی ہے کہ امیر المومنینؑ کی زندگی کن کن اسرار و رموزِ قدرت کی آئینہ دار تھی۔ یہ امام حقیقی جس طرح جیتے جی اُٹھتے بیٹھتے برابر اپنے خطبوں' نصیحتوں اور وعظوں میں تعلیمات اسلامی اور احکام ربانی اور اسی قسم کے بے شمار جواہر پارے ادا کیا کرتا تھا۔ آج بھی ایسے نازک وقت میں جبکہ...... ابن ملجم کی زہر آلود تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ سر کے زخم سے خون بہہ بہہ کر پیشانی پہ جم گیا ہے' سانسیں اُکھڑ رہی ہیں۔ نبضیں ڈوب رہی ہیں اور موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہے لیکن جتنی ساعتیں مل رہی ہیں اُس کا ایک ایک لمحہ اور ہر ہر دھڑکن یہ فخر سقراط اپنی منصبی ذمہ داری کے مصرف بجا لا رہا ہے۔

ایسے پُر ہول وقت اور جگر پاش ماحول کی کیفیت کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جس میں نفسیاتی پیچیدگیوں کے سمجھنے کی بصیرت موجود ہو۔ انسان نزع کے وقت اپنے سارے ہوش و حواس اور فہم و شعور کھو دیتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی اولاد سے اپنے گھریلو معاملات کے متعلق وصیتیں کرنے لگتا ہے۔

لیکن یاد رکھیئے! عام انسانوں کے مقابلے میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو یہی تو امتیاز حاصل ہے کہ کسی موقع پر بھی اُن سے اپنے خواہشات نفسانی کے تحت ایک لفظ بھی زبان آشنا نہیں ہوا اور نہ ہی اُن پر کبھی موت کی ہیبت طاری ہوئی۔ نمائندہ مشیت' اسلام کی عزت' دین کا وقار' غریبوں کا پاس دار' بیواؤں کا دستگیر' یتیموں کا خبر گیر' متقیوں کا امام' علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے جب زہر آلود تلوار لگتی ہے تو بے ساختہ کہتے ہیں: "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔" وقتِ آخر اس چھوٹے سے جملے میں علیؑ نے اپنی منصبی زندگی کی کامیابی پر بھرپور اطمینانِ قلب ظاہر کیا ہے۔ جب کہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وقت آخر انسان کی زبان نہیں اُس کا ضمیر بولتا ہے۔ اور پھر سانس کی آخری آمد و شد پر فخر سقراط نہایت اطمینانِ قلب کے ساتھ یوں گہر افشانی کر رہا ہے۔

تعریف کرتا ہوں اس خدائے بزرگ کی جو ایسی ہی حمد کا سزاوار ہے۔ اس کے احکام کا اس وقت تک مطیع ہوں اور اس کے واحد و یکتا ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔

ایک طویل قصیدہ کا ایک جزو

در مدح شیر نیستانِ نبوت حضرت علی علیہ السلام

جناب سید ارشاد حسین صاحب اظہر ایڈوکیٹ ، بریلی

یا علیؑ یا مطلع دیں کے منور ماہتاب
یا علیؑ یا مشرق نورِ خدا کے آفتاب

یا غرورِ ملتِ بیضا غرورِ کائنات
یا معین بیکساں مشکل کشا یا بوترابؑ

یا علیؑ یا بحرِ ذخارِ علوم باطنی
یا علیؑ یا کنزِ مخفی پارۂ ام الکتاب ۔

اے علیؑ اے مزرعہ ایماں کی امید حیات
اے علیؑ اے بارشِ رحمت کے گوہر زا سحاب

اے علیؑ اے گلشنِ فخر رسالت کی بہار
اے علیؑ اے نزہتِ فردوس وحدت کے گلاب

اے علیؑ اے حسرتِ بیداریٔ انسانیت
اے علیؑ اے ملتِ خوابیدہ کے تعبیر خواب

اے تمنائے دلِ قدرت کے پاکیزہ ثمر
اے علیؑ اے خواہشِ وحدت کے شائستہ جواب

اس کا ہم نور اس کا ہمنام آگیا کعبہ میں آج
کون کہہ سکتا ہے اب حسنِ ازل ہے لاجواب

کس کو حاصل ہے مشیت میں مجال دم زدن
حسنِ لاثانی نے خود پیدا کیا اپنا جواب

ایک شب پہلے ہی کامل ہو گیا ماہِ رجب
تیرھویں کو پا گیا حسنِ فلک اوجِ شباب

اے کہ تو بطل جلیل ہر زعیم ہر زماں
اے کہ تیری مدح میں رطب اللساں ام الکتاب

یکسر از آغوشِ مادر تا بہ آغوشِ لحد
خدمتِ انساں پہ قرباں طفلی و شیب و شباب

دی زمیں نے پاؤں کو قوت سہارا مل گیا
جب شکستِ ہمت دل نے کہا یا بوترابؑ

کیا عجب مغرب سے پلٹا یا جو ڈوبا آفتاب
جاں پلٹ آتی ہے مُردوں میں بحکم بوترابؑ

مدحتِ حیدرؑ میں دیوارِ حرم کے لب کھلے
ادخلی یا فاطمہؑ کہہ کر کیا در نے خطاب

آمدِ حیدر ہے کعبہ میں درِ حیدرؑ بنا
کھل گیا گویا حرم میں مستقل مدحت کا باب

ہمسرِ شانِ علیؑ شانِ ولادت در حرم
دائیاں قدرت نے خود بھیجی تھیں کر کے انتخاب

کیوں نہ چومے کامیابی پائے عزمِ حیدری
جب چلے مولا چلی فتح و ظفر بھی ہمرکاب

دید یا اپنے سے بہتر اپنے خادم کو لباس
اللہ اللہ نکتہ رس تھی کتنی فکرِ لاجواب

کیا تقابل وسعتِ محدود و لا محدود ہیں
بادشاہوں کی تراب اہلِ ولا کے بوتراب

ذہنِ انساں سے مٹایا نقشِ طبقاتی نظام
ہمسری شاہ و گدا کی تیرا لاثانی نصاب

دینِ اسلام انقلابِ نظم و اصلاحِ جہاں
تیری دنیا انقلابی تیرا نعرہ انقلاب

جس کو جو دیدے تری بخشش ترا جود و کرم
نام اظہر لکھ دے دنیا لے دلائے بوترابؑ

بخانۂ صمدی افتخارِ ابراہیم | بہ بسترِ نبوی ہمچو احمدِ مختار
ابوتراب بفرشِ زمینِ مسکینی | بوقتِ زرغۂ کفّار، حیدرِ کرّار
بہ تختِ دادرسی شاہِ معدلت گستر | بہ نزدِ خستۂ حرمان چارہ جو غمخوار
براہِ عشق نشاں دادۂ دیارِ حبیب | بخانقاہِ ورع متقیٔ زہد شعار
گہے بدوشِ نبوت برفعتِ معراج | گہے رسن بہ گلو اوجِ حلم را معیار
فلک شگاف گہے ہیبتِ ید اللّٰہی | گہے صفاتِ جمالی سکونِ قلبِ زار
نگاہِ جلوہ پرست آشنائے نورِ ازل | دلِ نقاب کشا پردہ دارِ جلوۂ یار
فصاحت ایں کہ فصاحت بوجد می آید | بلاغت آں کہ بلاغت نثار بر گفتار
شہے کہ نُطق بلرزد بذکرِ اوصافش | شہنشہے کہ خدیوانِ دہر را سردار
سحابِ فیض، فلک جاہ، بحرِ استغنا | بسیطِ جُود، قضا اقتدار، کوہ وقار
جہاں مُسخّر واژدر شکار و خیبر گیر | قوی و صفدر و جرّار و حیدر و کرار

شہید مدحِ شہِ دیں نمی تواں گنجد
بہ نظمِ شاعرِ معنی طراز و وصف نگار

قصیده در مدحِ حضرت علی علیه السلام

از

(شهید صفی پوری)

بیار باده که آمد شفیعِ روزِ شمار — نشاط دائره برکف شد و ولا میخوار

بهر دیار سعادت، بهر بلد عشرت — چمن چمن گل و لاله دمن دمن گلزار

چمن بجلوهٔ گل همچو نو عروس حسیں — دمن زبادِ معطّر چو طبلهٔ عطّار

شفق بروئے سحر صد ہزار گلشن رنگ — سحر زماہِ امامت ہزار مہر انوار

بخانهٔ احدیت ولیٔ حق آید — جہاں بگشت زافراطِ حسن یوسف زار

قضا یمین و مشیّت یسار حق بجلو — ظفر معین و شرف ہمرکاب و بخت نثار

بُتانِ کعبه ہراساں که بُت شکن آید — نفاق و کفر گریزاں که حق شود ضوبار

بصد جلال بیاید علیؑ ولیٔ خدا — علیؑ وصیٔ محمدؐ، علیؑ شہِ ابرار

امامِ فیض ستاں از کمالِ خُلقِ عظیم — ولیٔ نور پذیر از جمالِ طُورِ انوار

باعث ذلت ہے۔"

مندرجہ بالا بدعنوانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آپ نے مالک اشتر کو تاکید فرمائی تھی اور ایسے حالات کا سختی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہدایت بھی فرمائی تھی۔ "اگر ممانعت کرنے پر بھی کوئی ذخیرہ اندوزی (وغیرہ) کا مرتکب ہو تو اعتدال کے ساتھ اُسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔"

لیکن ایک حکمراں اپنے عوام کے حقوق کی بحالی کے لئے جدوجہد کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ خود اُس کا دامن بدعنوانیوں سے پاک نہ ہو۔ لہٰذا امام الاتقیاء امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو حکم تحریر فرمایا تھا کہ "دیکھو کسی ایسی چیز کو اپنے لئے خاص نہ کر لینا جس میں سب کا حق برابر کا ہے۔"

اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اگر ہم یہ ذہن نشین کر لیں کہ کائنات عالم میں جو کچھ ہے سب خدائے واحد کی ملکیت ہے اور تمام نعمتیں انسانوں کے لئے ہیں جو آپس میں بھائی بھائی ہیں اور جن کا حق آپس میں بالکل برابر برابر ہے۔

نہج البلاغہ

سلیس عام فہم ترجمہ جس میں ۲۳۸ خطبات، ۷۹ مکتوبات، ۴۸۹ ملفوظات نیز خطبہ معجزہ جس میں حضرت علیؑ نے حرف الف استعمال نہیں کیا ہے اور جس کے ترجمہ میں بھی حرف الف نہیں آیا ہے محققانہ حواشی کتابت، طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد، سنہری ڈائی، بہترین آفسٹ کاغذ، حفاظت کے لئے خوبصورت بکس سائز ۳۰×۲۰/۸ ۱۰۱۲ صفحات۔ قیمت -/۲۸ روپے صرف ڈاک -/۳ بتقریب ولادت حضرت علی علیہ السلام، خریداروں کو یہ بہترین کتاب صرف -/۲۸ روپے میں روانہ کی جائے گی۔ محصول ڈاک کا بار ادارہ خود برداشت کرے گا۔ -/۲۸ روپے آج ہی بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما دیجئے۔ پتہ نیچے درج ہے۔ خیال رہے کہ یہ رعایت صرف ۳۰ رجب تک رہے گی۔

دوسرا ایڈیشن قریب ختم ہے لہٰذا فوری آرڈر روانہ فرمائیے تاکہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

ملنے کا پتہ

احباب پبلشرز اقبال منزل مقبرہ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ ۱

یہ لوگ رعایا پر ظلم کریں گے، خود فائدہ اٹھائیں گے اور دنیا و آخرت میں مخلوقِ خدا کی بدگوئی تمہارے سر پڑے گی۔"

زمانۂ سوداگری (MERCANTILIST ERA) سے نئے زمانۂ سوداگری (NEO-MERCANTILIST ERA) تک اور جب سے آج کی آواز "تجارت امداد سے بہتر ہے" (TRADE IS BETTER THAN AID) کا تعاقب انسان کی جس ایک خواہش نے کیا ہے وہ ہے خوشحالی کی امید۔ یقیناً اس خوشحالی کا ایک بڑا حصہ تاجر اور صنعت گروں کے اقدامات پر مبنی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عالمی حکومتیں اس بات کی کوشاں رہتی ہیں کہ ترقی کرتے ہوئے ممالک کی تجارت میں روز بروز ترقی ہوتی رہے۔ بین الاقوامی کانفرنس برائے تجارت و ترقی (UNCTAD) کا وجود بھی اس نقطۂ خیال کا مرہونِ منت ہے۔ امیر المومنینؑ نے تحریر فرمایا تھا:۔

"طبقوں کی بقا کے لئے تاجر اور اہلِ صنعت و حرفت ضروری ہیں کہ بازار لگاتے ہیں اور سب کی ضرورتوں (کے سامان) مہیا کرتے ہیں۔ تجار اور اہلِ حرفت کا پورا خیال رکھنا۔ اُن کا بھی جو مقیم ہیں، اُن کا بھی جو پھیری لگاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ملک کی دولت بڑھاتے ہیں۔ دور دور سے سامان لاتے ہیں، خشکیوں، تریوں، میدانوں، ریگستانوں، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں کو پار کر کے ضروریاتِ زندگی مہیا کرتے ہیں۔ ایسی ایسی جگہوں سے مال ڈھولاتے ہیں جہاں اور لوگ نہیں پہنچتے بلکہ وہاں جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔"

فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا (ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی (خریدی ہوئی) چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح و درستی کے بعد فساد نہ کرتے پھرو۔

مندرجۂ بالا آیت کی رو سے ہر انسان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ تجارتی معیار کو مفادِ عامہ یعنی خدمت کے ذریعہ منافع (PROFIT THROUGH SERVICE) کو ہی اپنا مسلک بنائے۔ کم تولنے، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری کرنے اور خراب مال بیچنے سے باز آئے ورنہ رسولؐ کے ارشاد کے مطابق ایسا تاجر گنہگار ہے جب تک کہ وہ خرید و فروخت میں ایماندارانہ رویہ کا حامل نہ ہو۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی مالک اشتر کو تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"اجارہ داری کی قطعی ممانعت کر دینا کیونکہ رسول اللہ نے اسے منع فرمایا ہے لیکن ہاں خرید و فروخت خوشدلی سے ہو۔ وزن بھی ٹھیک رہیں، نرخ مقرر ہوں، نہ بیچنے والا گھاٹے میں رہے اور نہ مول لینے والا مونڈا جائے۔"

اس طرح موجودہ معاشی نظام کو سدھارنے کی غرض سے قیمتوں پر کنٹرول (PRICE CONTROL) اجارہ داری کے خلاف قانون وغیرہ کی ضرورت کی وجہ واضح طور پر سمجھی جا سکتی ہیں۔

"تاجر اور اہلِ صنعت و حرفت امن پسند لوگ ہوتے ہیں۔ ان سے شورش و بغاوت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی ضروری ہے کہ پایۂ تخت میں بھی اور اطرافِ ملک میں بھی اُن پر نگاہ رکھی جائے کیونکہ اُن میں سے اکثر بڑے تنگ دل بڑے بخیل ہوتے ہیں منافع کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور مال کی کمی کر کے چور بازاری کرتے ہیں۔ اس طرح کی صورت مفادِ عامہ کو نقصان پہنچاتی ہے اور حکمراں کے لئے بدنامی کا

لست کا نشہ تمھیں ان بیچاروں (ادنیٰ طبقے کے لوگوں) سے غافل نہ کردے۔ اگر تم نے اس بارے میں اہم اور اکثر کو پورا کردیا تو بھی اس وجہ سے تمھاری معمولی سی غفلت بھی معاف نہ کی جائے گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا اور اپنی توجہ سے اُنھیں محروم نہ کرنا، اُن میں سے ایسے بھی ہوں گے جو تمھارے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ انھیں نگاہیں ٹھکراتی ہیں اور لوگ ان سے گِھن کھاتے ہیں۔ ان کی خبر گیری بھی تمھارا کام ہے۔ ان کے لئے بھروسے کے آدمیوں کی خدمات حاصل کردینا۔ مگر یہ لوگ ایسے ہوں جو خوفِ خدا رکھتے ہوں اور دل سے خاکسار ہوں۔ یہ لوگ ان بے کسوں کے معاملات تمھارے پاس لایا کریں اور تم وہ کرنا کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تمھیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ یاد رکھو رعایا میں ان غریبوں سے زیادہ انصاف کا مستحق کوئی نہیں ہے۔"

مندرجۂ بالا کے ساتھ ساتھ امیر المومنینؑ نے کمسن یتیموں اور بوڑھے اپاہجوں کے سلسلے میں خاص ہدایت کی تھی کہ ان کا خیال رکھا جائے کیونکہ "ان کا کوئی سہارا باقی نہیں (ہوتا) اور یہ بھیک مانگنے کے بھی لائق نہیں ہوتے۔" لہٰذا اگر وہ حکومت تک نہیں پہنچ سکتے تو "حکومت (کے صاحبِ اقتدار لوگوں) کو چاہیئے کہ وہ ان تک پہنچیں" یعنی اُن کی خبر گیری کرتے رہیں۔ اس لائحۂ عمل پر زور دیتے ہوئے حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو پیغمبرِ اسلام کا قول یاد دلایا تھا۔ "میں نے رسول اللہؐ کو بار بار فرماتے سُنا ہے کہ اس قوم کی بھلائی نہیں ہوسکتی جس میں کمزوروں کو طاقت وروں سے پورا حق نہیں دلایا جاتا۔"

آخری سطور کی رو سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عوام الناس کی بھلائی کے لئے جن میں سے اکثر لوگ کمزور اور مفلوک الحال ہوتے ہیں، ضروری ہے کہ وہ حضرات جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے اُنھیں مجبور کیا جائے کہ وہ غربا و مساکین کے حقوق کا پاس رکھیں۔ موجودہ عالمی حکومتیں آج فلاحِ عامہ اور دولت کے بٹوارے کی نیت سے امیروں اور بڑے تاجروں پر ٹیکس نافذ کرتی ہیں تاکہ اس طرح معاشرے کے پست طبقوں کی بھلائی کے کام انجام دیئے جاسکیں۔ یہ نقطۂ نظر جمہوری نظام کی حکومتوں (DEMOCRATIC GOVTS) کے لئے اور بھی ضروری ہوگیا ہے کیونکہ ان حکومتوں کا انعقاد رائے شماری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ان اقدامات کی کسوٹی کیا ہو؟ یہ مسئلہ اکثر پارلیمانی حکومتوں کے زیرِ بحث رہا کرتا ہے۔ مثلاً کون سا ٹیکس نافذ کیا جائے؟ کون سی روزمرہ کے استعمال کی اشیاء پر محصول بڑھایا جائے؟ اس کا فیصلہ امیر المومنینؑ کی اس حکیمانہ تحریر کی رُو سے کیا جاسکتا ہے کہ "تمھیں سب سے زیادہ پسندیدہ راہ ہونا چاہیئے جو حق کے لحاظ سے سب سے زیادہ درمیانی، انصاف کی رو سے سب سے زیادہ عام اور رعایا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والی ہو۔" مالک اشتر کے لئے دستورِ حکومت مرتب کرتے وقت آپ نے تحریر کیا تھا۔ "یہ بھی یاد رکھو کہ عوام کی ناراضگی خواص (VIPS) کی رضامندی کو بہا لیجاتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے گوارا کرلی جاتی ہے۔"

اس طرح امیر المومنینؑ نے ایک تقسیم پرداز حکومت (DISTRIBUTIVE STATE) کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیجا دادودہش، اجارہ داری اور دولت اور دوسرے پیداواری ذرائع (FACTORS OF PRODUCTION) کا چند نفوس کے پاس جمع ہوکر رہ جانا، عوام میں ہراس اور بددلی پھیلاتا ہے اور معیشت (ECONOMY) مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امیر المومنینؑ نے اس حقیقت کی طرف یہ تحریر کرکے اشارہ فرمایا کہ "خبردار کسی مصاحب یا رشتہ دار کو جاگیر نہ دینا۔ ایسا کروگے

کے لئے جیسا کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں طبقاتی تصورات کے غلط طور سے عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے صرف بلحاظ کارپرداز (FUNCTIONAL) مندرجہ ذیل طبقات وضع کئے تھے:۔

۱۔ خدا کی فوج جو راہِ خدا میں جہاد کرتی ہے۔

۲۔ عوام و خواص کا تحریری کام کرنے والا طبقہ جو احکام جاری کرتا ہے اور اُن کی رُو سے عمل پیرا ہوتا ہے۔

۳۔ انصاف کرنے والے قاضی جو امن و امان کے عمّال ہوتے ہیں۔

۴۔ افسر جو ملک میں امن و امان برقرار رکھتے ہیں اور ملک کی خوشحالی کے ضامن ہوتے ہیں۔

۵۔ عوام جو خراج دیتے ہیں۔

۶۔ سوداگر اور اہلِ صنعت و حرفت۔

۷۔ غریبوں اور مسکینوں کا نچلا طبقہ۔

مندرجہ بالا طبقات بلحاظ کارپردازی (FUNCTIONAL) میں سے ہر ایک کے لئے امیرالمومنینؑ نے احکام درج کئے تھے۔ غریبوں، محروم لوگوں (HAVE - NOTS) اور مجبور اور اپاہج "طبقے کی امداد و اعانت از بس ضروری ہے۔"

"... یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں، فقیر و مسکین، محتاج، قلاش، اپاہج، ان میں ایسے بھی ہیں جو ہاتھ نہیں پھیلاتے مگر خود صورت سوال ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جو فرض خدا نے تمہیں سونپا ہے اس پر نگاہ رکھنا اسے تلف نہ ہونے دینا۔" یہی نہیں حضرت علی علیہ السلام نے ان ذرائع اور طریقوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن کی وجہ سے ان نادار لوگوں کی امداد حکومت وقت کر سکتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ "بیت المال میں سے ایک حصہ ان کے لئے خاص کر دینا اور حکومت کی زمینوں پر پیدا ہونے والی اجناس میں سے اُن کا بھی حصہ رکھنا۔ ان میں سے کون دور ہے اور کون نزدیک؟ یہ نہ دیکھنا (کیونکہ) دور و نزدیک سب کا حق برابر ہے اور ہر ایک کے حق کی ذمہ داری تمہارے (حکومت کے) سر ڈال دی گئی ہے۔"

موجودہ فلاحی حکومتوں (WELFARE STATE) کے ترقیاتی پروگرام مندرجہ بالا کے لحاظ سے وضع کئے جاتے ہیں۔ بے شک اس طرح کے افراد کی ذمہ داری صرف خوشحال لوگوں ہی پر نہیں ہے بلکہ حکومتوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اس طرح کے فلاحی اور بہبودی اُمور میں بھی دلچسپی لیں۔

لنڈن اسکول برائے معاشیات (LONDON SCHOOL OF ECONOMICS) کے ای۔ ایف۔ ایم۔ ڈربن نے موجودہ صدی ہجری میں لکھا تھا کہ "سماجی برابری ہماری زندگی کی خوشیوں کو یقیناً دوبالا کر دیتی ہے۔ (کیونکہ) اس کی وجہ سے دولت (سے پیدا ہونے) والا احساس جرم (Sense of guilt) جو اس وجہ سے پنپتا ہے کہ کتنے ہی لوگوں کا حصہ محرومیاں اس وجہ سے ہیں کہ وہ غریب ہیں اور اُنھیں اس طرح کی خوشی دینے والے ذرائع نصیب نہیں ہیں جو ہمارا حصہ ہیں، کو بھی ختم کر دے گا جو ان میں موجودہ سماجی نظام کے تحت آرام و آسائش سے زندگی گزارنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے (یقیناً) ہمارے معاشرے میں خوشحالی کے لئے انصاف کا جذبہ اشد ضروری ہے ملاحظہ ہو (THE POLICIES OF DEMOCRATIC SOCIALISM P.330,

اس طرح ایک مستحکم حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مختلف النوع ذمہ داریوں کو نبھاتی رہیں۔" دیکھو

"کاشتکار ہی ہمارا اصل خزانہ ہیں۔ ان سے جو رعائت بھی کروگے اُس سے ملک کی فلاح ہوگی۔ حکومت کی رونق بڑھے گی۔ نیز تم رعایا سے مال کے خراج کے ساتھ تعریف کا خراج بھی وصول کروگے"۔

ابھی حال ہی میں ہمارے ملک میں بینکوں کے قومیائے جانے (NATIONALISE) کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ بینک اپنی ساکھ کا بہت کم حصہ کاشتکاروں کو فراہم کررہے تھے۔ اس طرح وہ معیشت (Economy) کے ایک اہم حلقے کی ساری ذمہ داریاں پوری نہیں کررہے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان کہ کاشتکاروں کا خاص خیال رکھا جائے واضح طور پر آج کی تسلیم شدہ حقیقت کا پیش رو انکشاف تھا۔

آج کے اخراجات کے تصورات
(CONCEPT OF EXPENDITURE)

کے تحت یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ایک اچھی حکومت کو زیادہ سے زیادہ رقم فلاح و بہبود کی مدوں پر خرچ کرنا چاہیئے کیونکہ براہ راست یا اس کے علاوہ جو بھی رقم سرکار کے ذریعے خرچ کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی فرد یا طبقے کی آمدنی بن جاتی ہے۔ مال کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں آنے جانے کو بدن میں لہو کی روانی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ جس طرح خون رگ و پے میں دوڑتا ہے، پیسہ بھی ملک کے گوشے گوشے اور گھر گھر میں رواں دواں ہوکر معیشت (Economy) کے کاروباری حلقوں میں ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیٰمۃ وللہ میراث السمٰوٰت والارض۔

"اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دیا ہے بخل کرتے ہیں (وہ یہ سوچتے ہیں کہ) یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا۔ یہ اُن کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا وہ) بخل کرتے ہیں قیامت کے دن یہ طوق بن کر گلے میں پہنایا جائے گا۔ بے شک سارے زمین و آسمان کی میراث خدا ہی کی ہے۔"

امیرالمومنینؑ نے مالک اشتر کو لکھا تھا کہ "اپنے مشورے میں بخیل کو شریک نہ کرنا کیونکہ وہ تمہیں احسان کرنے سے روکے گا اور فقر سے ڈرائے گا۔ ظلم کی راہ سے دولت سمیٹنے کی ترغیب دے گا۔"

یوں تو ہمیشہ سے مگر صنعتی انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) کے بع
سے خاص کر طبقاتی کشمکش (CLASS CONFLICT
کو ایک نعرہ کی حیثیت حاصل ہے۔ آپسی بے اعتبا
اور علیحدگی کے رجحانات نے امیروں اور غریبوں
درمیان ایک خلیج سی پیدا کردی ہے۔ یقیناً یہی تا
ستائش نہیں ہے کہ افراد و ممالک (میں سے غریب
و امیر، تباہ حال و خوشحال) صرف ایک دوسرے
کے ساتھ ساتھ سانس لیں بلکہ اُن میں انسانی مسائل
معاملات میں میل جول اور ہم آہنگی بھی ہونی چا
حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو ہدایت فر
تھی کہ "دیکھو رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں۔ یہ
ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں اور آپس میں
بے نیاز نہیں ہوسکتے کیونکہ اُن کی خوشحالی اور
داماں ایک دوسرے پر منحصر ہوتی ہے۔" اس ط
عالم رنگ و بو میں صلح و آشتی سے رہنے کے لئے
ضروری ہے کہ طبقاتی تقسیم کو امن و اماں کے ف
سے باہمی تعلقات و معاملات کو سلجھانے کی غ
کارآمد طور پر استعمال کیا جائے نہ کہ آپسی تنا

اپیل کے لئے ایک اپیل کی عدالت (APPEAL COURT) کا انعقاد فرمایا تھا جس کے افسران حضرت خود ہی مقرر فرماتے تھے۔

شعبۂ مالیاتِ عامہ (DEPTT. OF PUBLIC FINANCE) کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا:۔

(۱) شعبۂ وصولیابی (آمدنی)

(۲) شعبۂ اخراجات

حضرت علی علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے مالیاتی وصولیابی و ادائیگی کے لئے طریقۂ بجٹ (BUDGETORY SYSTEM) اپنایا تھا۔ زمینوں پر ٹیکس کی غرض سے زرخیزی (FERTILITY) ہی کو بنیاد مانا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ذہناً توقعاً ہونے والی فصلوں اور ٹیکس ادا کرنے والوں کی استعداد کو بھی مدِنظر رکھا جاتا تھا۔ زمینوں پر ٹیکس کی شرح مندرجہ ذیل تھی:۔

۱۔ اول درجہ کی (سب سے زرخیز) زمین ۱½ درہم فی جریب
۲۔ دوئم درجہ کی زرخیز زمین ۱ " "
۳۔ سوئم درجہ کی زمین ½ " " "
۴۔ باغات اور کھجور کے باغات ۱۰ " " "

(نوٹ: ایک جریب = اندازاً ۲۲۶۸ مربع گز)

ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ زمینوں پر وصول شدہ خراج کو صوبہ جاتی آمدنی (PROVINCIAL INCOME) سمجھا جاتا تھا جو علاقہ کی ترقی، وقار اور دوسری ضرورتوں پر مرکزی حکومت کے احکام کے مطابق خرچ ہوتی تھی۔

اس طرح اگر نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سے معاشی حقائق جنھیں آج نیا تصور کیا جاتا ہے، ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ مثال کے طور پر حضرت مالک اشتر کو حضرت نے مصر کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تو مندرجۂ ذیل معیشت (Economy) سے تعلق رکھنے والے احکام اپنے ایک مکتوب میں بھیجے تھے۔ (ملاحظہ ہو نہج البلاغہ (مع اُردو ترجمہ) سید انصار حسین مالک احباب پبلشرز لکھنؤ)

"دیکھو محکمۂ خراج کی نگرانی میں کوتاہی نہ ہو خراج کے ٹھیک رہنے ہی میں سب کی بھلائی و خوشحالی ہے سب کے رزق کا مدار خراج پر ہے اور خراج کے تحصیلدار و۔ پر لیکن خراج سے زیادہ ملک کی آبادی پر توجہ رہنی چاہیئے کیونکہ خراج بھی تو خوشحالی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو حاکم آبادکاری کے بغیر خراج چاہتا ہے اُس کی حکومت یقیناً چند روزہ ثابت ہوگی۔"

اسی خط میں فلسفیٔ اسلام و واقفِ اسرارِ لدنی نے خراج کو حالات کے تحت لانے کی ہدایت فرماتے ہوئے تحریر کیا تھا۔ "اگر کاشتکار خراج کی زیادتی کی، کسی آسمانی آفت کی، آبپاشی میں خلل پڑ جانے کی، رطوبت میں قلت کی، سیلاب یا خشکی کے سبب فصلوں کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو ان کی سُننا اور خراج کو کم کر دینا۔"

موجودہ زمانے کی فلاحی سرکاریں (WELFARE STATES) بھی آفاتِ ناگہانی کے مدِنظر اس طرح کے اقدامات کرتی ہیں اور خراج میں کمی کے احکام اس وجہ سے جاری کرتی ہیں کہ کاشتکاروں کا بوجھ کم ہو جائے اور ملک کے لئے ضروری غذا اور کچا مال پیدا کرنے میں کوئی کمی نہ واقع ہو بلکہ ان اقدامات کی وجہ سے اُن میں وہی جوش و ولولہ باقی رہے کہ جو تعلق حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسی طرح کی بات آج سے چودہ سو سال سے بھی زائد پہلے بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:۔



نہج البلاغہ کے معاشی عناصر

(جناب شاہ محمد وسیم صاحب ایم کام لیکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

نہج البلاغہ مولائے کائنات، واقف اسرار خداوندی باب مدینۃ العلم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات، احکام اور ارشادات کا مجموعہ ہے جسے علامہ سید رضی نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا تھا۔ علامہ علاء الدین قوشجی نے "شرح تجرید" میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب سے صرف قرآن ہی سبقت لے جا سکتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ عالم امکان کے سب ہی مدبرین جو کچھ سوچ سکتے ہیں وہ سب نہج البلاغہ میں کسی نہ کسی انداز میں ہمارے سامنے ہے جسے پیغمبر اسلام خود "باب مدینۃ العلم" کہہ کر دنیا کے سامنے پیش کریں اس شخصیت کے تمام اعمال واقوال عین روح اسلامی کے مطابق ہوں گے۔

امیر المومنین نے ملک کے تحفظ، بدعنوانیوں کو روکنے اور رشوت کو ختم کرنے، امن وامان برقرار رکھنے دیانت دار افسران کی تقرری کرنے، ایک بہترین فوج کے انتظام کرنے، عوام میں سے ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق بیت المال سے تقسیم کرنے، صرف جنگ کرنے کے خیال سے فوجوں کی بھرتی کو روکنے، تجارت کو فروغ دینے اور مسلم و غیر مسلم کی خبر گیری برابری سے کرنے کے علاوہ اور بہت سے دوسرے کامیاب اصلاحی اقدامات کئے۔

امیر المومنین کی رائے سے ایک غیر منقولہ جائداد کی پیمائش (CADAST SURVEY) کی بنیاد ڈالی گئی تھی خراج کی تحصیل کے نئے طریقے اپنائے گئے تھے۔ کسانوں پر خراج کے بوجھ کو کم کر دیا گیا تھا اور انھیں ان کی زمینیں مستحکم طور پر دے دی گئی تھیں۔ بڑے زمینداروں پر شاہان فارس کی جانب سے لگائے گئے ٹیکسوں میں ترمیمات کی گئی تھیں۔ آب پاشی کی غرض سے نہروں کا ایک مکمل جال سا بچھا دیا گیا تھا اور کسانوں کو ان کی ضروریات کے مطابق ساکھ بہم پہنچانے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ مقامی کسانوں کو ان کی (مقبوضہ) زمینوں سے محروم نہ کر دیا جائے اسی غرض سے زمینوں کا بیع کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا (ملاحظہ ہو A. STORY OF THE SARACENS by SYED AMEER ALI) Page 30.

ذوقِ نظر

از تکمیلؔ رضوی لکھنوی

ذوقِ نظر مجبور نہیں ہے
کعبہ کوہِ طور نہیں ہے

جلوہ نظر سے دور ہے لیکن
دیدۂ دل سے دور نہیں ہے

یومِ ولادت ہے مولاؑ کا
کون ہے جو مسرور نہیں ہے

نادِ علیؑ ہے لب پہ نبیؐ کے
فاتحِ خیبر دور نہیں ہے

عشقِ علیؑ میں جیسے میثم
ایسا کوئی منصور نہیں ہے

مرضیٔ مولاؑ از ہمہ اولیٰ
کون کہے منظور نہیں ہے

قصۂ خیبر قصۂ اژدر
دہر میں کیا مشہور نہیں ہے

ہم کو بھی بخشیں اپنی غلامی
اُن کے کرم سے دور نہیں ہے

باغ میں آکے دیکھے دنیا
یہ ہے علیؑ مزدور نہیں ہے

کہہ لیں خدا حیدر کو نصیری
ہم کو یہ منظور نہیں ہے

تکمیلؔ اپنا ایک ہے جادہ
منزلِ مقصد دور نہیں ہے

یہاں تک کہ آپ کے غلام بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ فرائض کی کوتاہی پر علیؑ ہم سے تعرض نہ کریں گے اور ہمیں یہ احساس بھی نہ ہونے دیں گے کہ ہم غلام ہیں۔

حضرتؑ نے ایک مرتبہ اپنے ایک غلام کو پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ دوبارہ سہ بارہ پکارا پھر بھی جواب نہ ملا تو آپ نے اٹھ کر فرمایا اے لڑکے کیا تو نے آواز نہیں سنی؟ اس نے کہا سنی تھی، فرمایا جواب کیوں نہ دیا؟ اس نے جواب دیا چونکہ میں آپ کی سزا سے بے خوف تھا لہذا کاہلی کر گیا۔ بجائے اس کے کہ آپ تصور زمانہ کے لحاظ سے اسے کچھ تادیبی سزا دیتے آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ یہ صرف ایک غلام کو آزاد ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ تمام آقاؤں کو یہ سبق دے رہے تھے کہ غلام کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔ حکمران عوام کی نگاہوں میں سرخ رو ہو جاتے، سربراہان حکومت کے نام ہمیشہ زندہ و تابندہ رہتے۔ بادشاہ رعایا کا دل جیت لیتے، اگر وہ ان علیؑ ابن ابیطالبؑ کے نقش قدم کو اپنا راہبر سمجھ کر چلتے جنہوں نے جنگ میں ہارے ہوئے دشمن کو بھی معاف کر دیا جس نے پناہ مانگی اس کو پناہ ملی اور جس نے راہ فرار اختیار کی اسے جانے دیا، وہ موقع بھی سامنے آتا ہے کہ جب تک گھاٹ دشمنوں کے قبضہ میں رہا اس نے آپ پر پانی بند رکھا لیکن جب گھاٹ آپ کے قبضہ میں آگیا تو ہر ایک کو پانی پینے کی اجازت دے دی گئی۔ اور آپ نے انتقام نہیں لیا۔ ہر طرف جنگ کے شعلے دلوں میں نفرت کی چنگاریاں، سروں میں خودی کا سودا، مال و دولت کی ہوس، پالنے والے سے بیزاری اور اس کے نتیجہ میں تباہی بار بار دنیا کو یہ بتا رہی ہے کہ ہمیں کتنی اشد ضرورت ہے علوی نظام حکومت کی ورنہ نسل آدم تباہ تو ہو سکتی ہے لیکن امن نہیں قائم کر سکتی۔

دیکھو! دیکھو!! علیؑ کا انداز حکومت! جب آپ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد خطبے کے لئے منبر پر جاتے ہیں تو مجمع آپ کو بوسیدہ عمامہ اور پیوند لگا ہوا دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔ ایک شخص اٹھ کر سوال کر دیتا ہے کہ آپ خلیفہ وقت ہو کر ایسا لباس کیوں پہنے ہوئے ہیں؟ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لباس میں نے اس لئے پہنا ہے کہ غریب اور محتاج اس کو دیکھ کر احساس کمتری میں نہ مبتلا ہوں اور امراء و اغنیاء اس سے سبق حاصل کریں۔ کاش حاکم و محکوم امیر المومنینؑ کے طرز عمل سے درس لیتے۔

مولائے کائنات کے وہ جملے جو آپ نے مالک ابن حارث اشتر کو مصر کا گورنر بناتے وقت ارشاد فرمائے تھے آج بھی فضائے عالم میں لازوال پیغام بن کر گونج رہے ہیں۔ اور آج کی بے چین اور مضطرب حکومتوں کو دعوت عمل دے رہے ہیں کہ کوئی ایسا معاہدہ نہ کرو جس میں تاویل کر کے توڑ دینے کی گنجائش ہو! اور ناحق و ناجائز خونریزیوں سے بچو، کیونکہ کوئی امر اس سے زیادہ عذاب لانے والا، اس سے بڑھ کر وبال کا باعث نعمت کو زائل کرنے والا اور مدت حکومت ختم کر دینے والا نہیں ہے۔

اگر رعیت کو تمہاری طرف سے ظلم کا سوئے ظن پیدا ہو جائے تو تم اپنا عذر اس کے سامنے ظاہر کرو اور اس کے شبہات دور کرو! اپنے عذر ظلم سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی اور رعیت پر مہربانی اور شفقت

ع علیؑ سے سیکھ ہم سیکھو اپنا جہاں بانی

جو مفادِ عامہ کے لئے ضروری ہوتا۔ کبھی حضرت کے پاس پھل لائے جاتے تو وہ جتنے بھی ہوں تقسیم کر دیتے۔ شہد اور روغن زیتون اور اسی قسم کی دیگر اشیاء بھی تقسیم فرما دیتے۔ ایک دن سوئی دھاگہ تک آپ نے تقسیم کر دیا۔ ایک بار اصفہان سے کچھ مال آیا۔ اس کے آپ نے سات حصے کئے ایک روٹی تھی۔ اس کے بھی آپ نے سات کر کے مستحقین تک پہونچا دیے۔

ہمیں وہ قابل تاسی موقع بھی ملتا ہے کہ بیت المال کا حساب و کتاب ہو رہا ہے۔ ابن عباس ملنے کے لئے آتے ہیں تو آپ چراغ اس لئے گل کر دیتے ہیں کہ دوران گفتگو میں بیت المال کا تیل خرچ نہ ہو۔ ظاہری خلافت سنبھالنے کے بعد جب ایک شخص مدینہ سے کوفہ بغرض ملاقات پہونچتا ہے، اور دار الامارہ کے قریب سرد ترین رات میں آپ کو ایک ہلکی چادر میں ٹھٹھرتے ہوئے کھڑا پاتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔ جب وجہ پوچھتا ہے تو ولی خدا اور وصی نبی یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مدینہ سے میں یہی صرف ایک چادر لے کے چلا تھا۔ یاد رکھو بیت المال سے میں نے کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ کیا دنیا عدل و انصاف کی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟

ہم نے بالعموم مشاہدہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص عہدہ و اقتدار کی کرسی سنبھالتا ہے تو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اگر کوئی کام کرتا بھی ہے تو اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ اور خاندان کے افراد کو ہر ممکن فائدہ پہنچاتا ہے۔ مگر علیؑ ابن ابیطالبؑ خلیفۂ وقت ہیں، بیت المال قبضہ میں ہے۔ سگے بھائی عقیل ابن ابیطالب معاشی پریشانیوں سے تنگ آکر اپنے حصہ سے زیادہ کے طالب ہوتے ہیں۔ حضرت ان کو سمجھاتے ہیں لیکن اصرار بڑھتا جاتا ہے تو آپ اپنے ایک غلام سے لوہے کی سلاخ گرم کروا کر منگاتے ہیں۔ اور جناب عقیل سے کہتے ہیں اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ عقیل جواب دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا آپ میرا ہاتھ جلا دیں گے؟ امیرالمومنین فرماتے ہیں۔ کیوں عقیل تم اتنی گرمی بھی برداشت نہیں کر سکتے؟ اور میرے لئے چاہتے ہو کہ مال مسلمین میں تصرف کر کے جہنم کی آگ میں جلوں۔

خلیفۂ وقت کی حیثیت سے یہ آپ کا فرض تھا جو آپ نے اس انداز سے عطا کیا کہ جناب عقیل کو سبق بھی مل جائے لیکن اس کے بعد کیا علیؑ کا دل بھائی کی پریشانی دیکھ کر بے چین نہ ہوتا؟ نہیں نہیں علیؑ تو کسی فرد کی بھی پریشانی نہ دیکھ سکتے تھے۔ آپ نے اس کے بعد یہ طریقہ اختیار کیا خود کم سے کم مال پر اکتفا کرتے اور اپنے حصے میں سے عقیل کو بھی بھیج دیتے۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ کے طالب ہوئے تو یہ کہکر آپ نے سوال مسترد کر دیا "اگر میرا مال ہوتا تو بھی میں تم کو برابر ہی دیتا اور یہ تو ہے ہی اللہ کا مال (اور اللہ کے نزدیک سب مسلمان برابر ہیں)۔ خدا جانتا ہے مملکتیں بن سکتی ہیں حکومتوں پر عوام اعتبار کر سکتے ہیں اور سلطنتیں حقیقی استحکام پا سکتی ہیں۔ اگر علوی طرز حکومت اختیار کر لیا جائے۔ وہ علیؑ ہی تھے جنھوں نے حریت پسندوں کو آزادی کا تصور بخشا ہے۔ جب ہی تو ایک عیسائی محقق "جارج جرداق" متاثر ہو کر لکھتا ہے "سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علیؑ نے اپنے عہد کے خطرناک ترین مواقع پر بھی ان کی آزادی کا پورا پورا لحاظ رکھا کیونکہ علیؑ اس آزادی کو وجود انسانی کے لئے انتہائی لازمی چیز سمجھتے تھے کسی عالم میں بھی آپ نے اس سے تخلف جائز نہیں سمجھا۔"



حکومتیں آج بھی
علوی نظام
کی محتاج ہیں

(جناب مولانا سید محمد جابر باقری صاحب جورا سی)

اِسْتَعْمِلِ الْعَدْلَ وَاحْذَرِ الْعَسْفَ وَالْحَيْفَ فَاِنَّ الْعَسْفَ يَعُوْدُ بِالْجَلَاءِ وَالْحَيْفَ يَدْعُوْا اِلَى السَّيْفِ (عدل کو اختیار کرو اور ظلم و ستم سے بیزار ہو کیونکہ سختیاں ملک کو تباہ کر دیتی ہیں اور ظلم جنگ کی دعوت دیتا ہے)

مولائے کائنات کے یہ وہ حقیقت آگیں زمانہ ساز اور پر تاثیر الفاظ ہیں جو آپ نے اپنے ایک گورنر کو عہدہ سپرد کرتے ہوئے بطور نصیحت ارشاد فرمائے تھے۔

میں نے جتنی حکومتوں کا جائزہ لیا، ان میں بہت سی کم ایسی نکلیں جن میں سربراہان حکومت نے حاکمیت کے جذبے کا سہارا لیے بغیر حکومت کی ہو۔ لیکن جب میں نے امیر المومنین علیؑ ابن ابطالبؑ کا طرز حکومت دیکھا تو آپ کا کوئی عمل کبھی ایسا نہ ملا جو حاکم و محکوم میں غیر عادلانہ رویہ کی غمازی کرتا ہو۔ برعکس اس کے آپ نے اپنے جائز حقوق کو بھی عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے قربان کر دینے میں دریغ نہ کیا۔ آسانی سے سمجھنے کے

لیے عوامی سطح سے ہٹ کر اگر آپ کے گھریلو ما
پر نظر ڈالی جائے تو وہ موقع بھی سامنے آتا ہے
دو لباس خریدے گئے ہیں۔ ایک کی قیمت ز
ہے اور دوسرے کی کم تو حضرت کم قیمت لباس
لیے منتخب فرمانے کے بعد بیش قیمت لباس اپنے
قنبر کو یہ کہکر دے دیتے ہیں کہ یہ لباس جوان
لیے زیادہ مناسب ہے۔ آپ نے یہ انداز
لیے اختیار کیا کہ قنبر کا دل غلامی کے تصور سے
ہوئے بغیر یہ لباس قبول کر لے۔

یہیں آپ کا یہ معمول بھی نظر آتا ہے کہ رات
تاریکی میں روٹیوں اور خرموں کی جھولی لے کر
کے ہر یتیم و مسکین اور بیوہ کے گھر جا کر تقسیم کر
ہیں اور منہ چھپائے ہوئے ہیں تاکہ کوئی بھی
غیرت محسوس نہ کرے۔ یہ تو آپ کا ایثار تھا
ہی بحیثیت خلیفۂ وقت اپنی ذمہ داری کے پیش
کو اس کا حق پہونچانے میں اتنی تعجیل فرماتے کہ
یہ ذخیرہ ہی بن گیا تھا کہ بیت المال میں جو کچھ آ
اسے فوراً تقسیم کر دیتے اور صرف اتنا رکھ

جانب دیگر انبیاؑ و مرسلین کے صفات و خصائل کا حامل بھی قرار دیا گیا۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں بذیل آیہ مباہلہ، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۳ میں، علامہ محب طبری نے ریاض النضرہ جلد ۲ باب ۴ فصل ۷ میں، نورالدین مالکی نے فصول المہمہ کے صفحہ ۱۲۱ پر بحوالہ بیہقی ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۴۴۹ میں، حافظ ابوبکر فقیہ شافعی احمد بن الحسین بیہقی نے مناقب میں، محی الدین عربی نے کتاب یواقیت و جواہر کے مبحث ۳۲ صفحہ ۱۷۲ میں، شیخ سلمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۴۰ کی ابتدا میں مسند احمد، صحیح بیہقی، اور شرح المواقف و الطریقۃ المحمدیہ کے حوالے سے، اور محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل صفحہ ۲۲ میں الفاظ و عبارات کی مختصر سی کمی و بیشی کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا "جو شخص چاہتا ہے کہ آدمؑ کو ان کے علم میں، نوحؑ کو ان کے تقویٰ یا حکمت میں، ابراہیمؑ کو ان کی خلقت یا حلم میں، موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں اور عیسیٰؑ کو ان کی عبادت میں دیکھے تو وہ علی ابن ابی طالب پر نظر کرے۔"

میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت ہشتم میں یہ حدیث چند اضافوں کے ساتھ جناب جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "در حقیقت خدا نے علیؑ کے اندر ابرار کی نوے خصلتیں جمع کی ہیں جو کسی دوسرے کو نہیں دیں۔"

جناب امیرؑ کی شان میں احادیث و روایات کا ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جس کا عشر عشیر بھی اس مختصر مضمون میں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اشارے کے طور پر چند احادیث و روایات پیش کر دی گئی ہیں۔ انھیں مذکورہ بالا احادیث و روایات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی پیکر رسالتؐ کی ایک مکمل اور جامع تصویر تھے۔ اور ابتدا سے لے کر وفات پیغمبرؐ تک کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ علیؑ ابن ابی طالب کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے اپنی ساری زندگی کو کردار پیغمبرؐ کا آئینہ بنا دیا۔ لہٰذا امیرالمومنینؑ کے بجائے کسی دوسرے شخص کو منصب رسولؐ کا حقدار سمجھنا بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ کیونکہ کسی فلسفی کا جانشین فلسفی اور کسی سائنس داں کا جانشین سائنس داں ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی عربی یا اسکول کے مدرس کی جگہ پر ایک انگریزی زبان کے عالم کو مقرر کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ مدرسے کا سارا نظام تعلیم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

اگر کسی انگوٹھی کا نگینہ بدلا جائے تو دوسرا نگینہ اس سائز اور ناپ کا لگ سکتا ہے جس ناپ کا پہلے والا تھا۔ ورنہ اگر ذرا بھی فرق ہو جائے تو نتیجہ ظاہر ہے۔

اب بعد رسولؐ منصب الٰہی اور صاحب منصب کو اس معیار پر پرکھا جائے تو اصل و نقل کا فرق خود بخود واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ مسند نبوت کی زینت اسی جانشین سے قائم رہے گی جو بظاہر و باطن، قول و فعل اور فضائل و خصائل میں آنحضرت سے پوری مطابقت رکھتا ہو۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

سمجھو نہ جانشینی حیدرؑ کو اور کچھ
انگشتری وہی ہے نگینہ بدل گیا

سینہ سپر رہے۔ شب ہجرت اپنی جان ہلاکت میں ڈال کر رسولؐ کی جان بچائی، جنگوں میں سب سے آگے رہتے تھے اور صرف آپ ہی کے دم سے اسلام کی جنگیں فتح ہوئیں،۔ آیۃ (یوقون بالنذر) کے بارے میں احسن الانتخاب، ریاض النضرہ، اور مطالب السؤل وغیرہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ مع اہل بیتؑ کے تین روز تک مسلسل اپنی روٹیاں سائل کو دیدیں۔ اور خود روزے پر روزہ رکھا جسکے بعد مذکورۂ بالا آیت نازل ہوئی۔

رسولؐ جیسا علم بھی حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ملا۔ چنانچہ ترمذی شریف، ص۳۴۵، ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۹۳ اور ینابیع المودۃ ص۷۳ پر لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں"۔ کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۶ میں حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ علم والے علیؑ ہیں"۔ رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

چنانچہ ریاض النضرہ جلد ۲ ص۱۹۸ پر انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ "میری امت میں سب سے بڑے قاضی علی ابن ابی طالبؑ ہیں"۔ نیز طبقات ابن سعد و ریاض النضرہ میں حضرت عمر کا قول ہے کہ ہم میں سب سے بڑے قاضی علی ابن ابی طالب ہیں۔

جب خلفائے ثلاثہ کے زمانۂ حکومت میں کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تھا۔ تو لوگ حضرت علیؑ کی جانب رجوع کرتے تھے۔ اور ینابیع المودۃ، ریاض النضرہ اور ارجح المطالب، مستدرک حاکم، نیز دیگر کتب معتبرہ میں درج ہے کہ حضرت عمر اکثر کہا کرتے تھے۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

پیغمبرؐ کی طرح حضرت علیؑ کو معجزات بھی عطا ہوئے تھے۔ چنانچہ شواہد النبوۃ میں مرقوم ہے کہ خدا نے امیرالمومنینؑ کی دعا سے دو مرتبہ آفتاب کو غروب ہونے کے بعد واپس کیا۔ ایک دفعہ رسولؐ خدا کی حیات میں جنگ خیبر کے بعد منزل صہبا پہ اور دوسری دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔

راحت القلوب مصنفۂ شیخ فرید گنج شکر میں مسطور ہے کہ ایک روز چند یہودیوں نے ازراہ تمسخر ایک فقیر کو امیرالمومنینؑ کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ شاہ مردان شیر یزداں آرہا ہے جا کر کچھ سوال کر۔ اس محتاج نے آکر اپنے فقر و فاقہ کا حال عرض کیا۔ جناب امیرؑ نے ہر چند تلاش کیا مگر اپنے پاس کچھ نہ پایا۔ پس علم غیب سے ان یہودیوں کے بدارادے سے واقف ہوگئے اور سائل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر دس مرتبہ درود پڑھ کر دم کیا اور فرمایا مٹھی بند کر۔ اس نے مٹھی بند کرلی اور حضرت کے حکم کے مطابق یہودیوں کے پاس گیا۔ انھوں نے یہ پوچھا شاہ مرداں نے تجھے کیا دیا؟ وہ بولا کچھ نہیں لیکن دس مرتبہ درود پڑھ کر دم کیا اور فرمایا مٹھی بند کرلے۔ ان یہودیوں نے ہنس کر کہا اچھا مٹھی کھول۔ جب اس نے ہاتھ کھولا تو اس میں دس دینار سرخ تھے۔ یہ عجیب و غریب معجزہ دیکھ کر اس قدر یہودی مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا شمار نہیں۔

احسن الکبار میں حارث سے منقول ہے کہ ایک روز امیرالمومنینؑ بنی اسد کے قبرستان میں کھڑے تھے۔ ناگاہ ایک شیر آپ کی طرف آیا۔ حاضرین اس کی ہیبت سے خوفزدہ ہوئے تو جناب امیرؑ نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ شیر نے آکر امیرؑ کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور تضرع و زاری شروع کی۔ امیرالمومنینؑ نے اسکی پیٹھ پہ ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ "تو خدا کے حکم سے واپس چلا جا۔ اب اس کے بعد اس طرف نہ آنا۔ اور یہ بات میری جانب سے تمام درندوں کو پہونچا دینا"۔ شیر بہت منت و زاری کے بعد واپس چلا گیا۔

علمائے اہل سنت کی معتبر و ثوق کتابوں سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اگر جناب امیرؑ کی حیات طیبہ کو ایک طرف پیغمبر ختمی المرتبت کی سیرت کا آئینہ بنایا گیا تو دوسری

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں نے اس آسمان کے نیچے علی مرتضیٰ سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں دیکھا۔

امام ثعلبی اپنی تفسیر میں اور عالم فاضل سید شہاب الدین کتاب توضیح الدلائل علیٰ ترجیح الفضائل میں لکھتے ہیں۔ بغرض اختصار صرف ترجمے ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔" یہ مطلب پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے کہ ہمارے مولا امیرالمومنین علیؑ بہت سی باتوں بلکہ زیادہ تر اچھی خصلتوں، پاکیزہ افعال عادات، عبادات، اور اعلیٰ حالات میں رسول اللہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ یہ بات اخبار صحیحہ اور آثار صریحہ کے ذریعے پایۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس کے لئے الگ سے کوئی دلیل و برہان قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ توضیح حجت اور بیان کی احتیاج ہے۔ بعض علماء نے امیرالمومنینؑ کے ان خصائل میں سے چند کو شمار کیا ہے۔ جن میں آپ پیغمبرؐ خاتم کی نظیر تھے۔"

ریاض النضرۃ کی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ پر انس ابن مالک سے مروی ہے کہ " آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کی نظیر اس کی امت میں ہوتا رہی ہے اور میری نظیر علی ہیں۔"

آپ کی قناعت اور ترک لذات کے سلسلے میں ذخیرۃ الملوک مصنفہ میر سید علی ہمدانی میں ابن عباس سے منقول ہے کہ۔ "امیرالمومنینؑ ہفتے میں ایک صاع جو کا آٹا پسوا کر کدو میں بھر لیتے۔ اور اس کے منہ پر مہر لگا دیتے۔ پھر کبھی اس میں سے ایک روٹی نکال کر افطار کرتے اور کبھی ایک مٹھی آٹے ہی پر قناعت کرتے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یا امیرالمومنینؑ! آپ اس پر مہر کیوں لگاتے ہیں؟ فرمایا۔ اس وجہ سے کہ کہیں حسنینؑ اس میں کچھ گیہوں کا آٹا نہ ملا دیں۔

حبیب السیر جلد دوم میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنینؑ کرم اللہ وجہہ نے کبھی تین روز پے در پے شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور اکثر اوقات جو کی روٹی کے ساتھ سالن کی طرف بھی رغبت نہیں فرماتے تھے۔ جب آپ سے اہل بیتؑ کھانا تناول فرمانے کو کہتے۔ تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے تھے کہ میرے لئے اسی قدر کھانا کافی ہے۔ جو میری پشت کو قائم رکھے اور مجھ کو میرے پروردگار کی عبادت سے نہ روکے۔

تفسیر حافظی و فخر رازی، ترجمۃ الخواص، صحائف، ہدایت السعداء، اور ذخیرۃ الملوک وغیرہ میں مرقوم ہے کہ امیرالمومنینؑ جمعہ کے روز نہایت بلاغت اور کمال فصاحت کے ساتھ منبر پر خطبہ فرماتے تھے۔ پرانا لباس جو پیوندوں سے بھرا ہوا تھا زیب تن کئے اور ایک تلوار جس میں لیف خرما کا بند تھا دست مبارک میں لئے ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن عباس کے دل میں خیال آیا کہ یہ حالت امیرالمومنینؑ کے شایان و سزاوار نہیں۔ آنحضرتؑ کرم اللہ وجہہ بہ علم ولایت ان کے دلی خیال سے آگاہ ہوگئے۔ اور فرمایا کہ میں نے اس قدر پیوند پر پیوند لگائے کہ پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی۔ علیؑ کو زینت دنیا۔ اور آرائش سے کیا سروکار جس کا پھول کانٹا اور جس کا زمین زہر آلود ڈنک ہے۔ میں کیونکر اس لذت سے خوش ہوں جو تھوڑی دیر میں ختم اور فنا ہو جائے گی۔ میں کس طرح پیٹ بھر کر کھاؤں۔ جبکہ ملک حجاز میں بہت سے خالی پیٹ اور بھوکے ہوں گے۔ اور بھوک کی زیادتی سے پیچ و تاب کھاتے ہوں گے۔ میں کیونکر اس بات سے خوش ہوں کہ مجھ کو لوگ امیرالمومنینؑ کہیں۔ مسلمان اپنا مقتدا و پیشوا جانیں اور میں سختیوں اور مشکلوں میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں اور بھوک نیز تنگی معاش و احتیاج میں ان کے ساتھ موافقت نہ کروں۔

روضۃ الشہداء میں مرقوم ہے کہ ایک روز امیرالمومنینؑ کرم اللہ وجہہ اپنا ضروری سامان خرید کر خود اٹھائے لئے جا رہے تھے کہ آپ کے ایک خادم نے آکر عرض کی کہ یہ بوجھ مجھ کو دیدیجئے۔ آپ نے فرمایا صاحب عیال اپنے اہل و عیال کا بوجھ اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

آپؑ کی خدمت دین کے سلسلے میں جملہ مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ ہمیشہ پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ اور [illegible]

بیداری کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد سو گئے ہیں (چونکہ) صبح ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ نماز صبح کے لئے حضرت کو بیدار کر دوں۔ لیکن جب میں آپ کے سرہانے پہونچا تو دیکھا تو آپ خاک پر پڑے ہیں اور جسم مثل خشک لکڑی کے سخت ہو گیا ہے۔ میں نے ہر چند جنبش دی مگر آپ کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ اس وقت میں نے ایک آہ سرد بھری اور کلمۂ (انا للہ وانا الیہ راجعون) زبان پر جاری کیا۔ اس کے بعد میں جناب فاطمہؑ زہرا کے دردولت پہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ امیر المومنینؑ نے انتقال فرمایا۔ جناب فاطمہؑ یہ خبر سنکر بہت محزون و مغموم ہوئیں۔ اور وفات کا سبب دریافت کیا۔ ابو درداؑ کہتے ہیں کہ میں نے جناب سیدہؑ سے مفصل واقعہ بیان کیا۔ مخدومہ عالم نے سارا حال سن کر ارشاد فرمایا کہ ابو الحسن کا اسا اہا سالؑ خوف خدا میں یہی حال ہو جاتا ہے۔ ابو درداؑ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں چند انصار کے ہمراہ پھر واپس صحرا میں پہنچا۔ اور جناب امیرؑ کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ اس وقت مجھ پر گریہ طاری تھا۔ اور میرے ہوش و حواس جواب دے چکے تھے۔ (الغرض کچھ دیر میں) آپ کو ہوش آگیا۔

پیغمبرؐ عربی کے بارے میں جملہ مورخین اسلام کا اتفاق ہے کہ آپ پیوند دار لباس زیب تن فرماتے، سوکھی جو کی روٹی استعمال کرتے، ہر شخص کے ساتھ بہت ہی حلم و بردباری اور اخلاق سے پیش آتے۔ ہمیشہ سچ بولتے، اپنے ہاتھ سے اپنا کام انجام دیتے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہ فرماتے اور خود بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرتے اور دوسروں کے مسائل نہایت حسن وخوبی سے حل فرماتے تھے۔

اب اس کے بعد مولائے کائنات علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام کی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

محمد ابن طلحۃ الشافعی کتاب مطالب السؤل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو اسحٰق سبیعی کا بیان ہے کہ "میں نے چالیس صحابۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے زیادہ سخی کون تھا؟ سب نے کہا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام"۔

امام شافعی ذکر کرتے ہیں کہ امیر المومنینؑ علیہ السلام تمام لوگوں کے مقابلہ میں ایسے سخی ترین تھے۔ کہ آپ نے کبھی کسی سائل کے لئے اپنی زبان سے انکار نہیں فرمایا۔ آپ اپنے ہاتھ سے یہود مدینہ کے نخلستان کو سیراب فرماتے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ پھر اجرت کے پیسے خیرات کر دیتے اور خود بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹؐ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

امام محمد ابن یوسف گنجی شافعی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے خالد ابن معمر سے پوچھا کہ تم کس بات پر علی مرتضیٰؑ کو دوست رکھتے ہو؟ وہ کہنے لگے تین باتوں پر۔ ایک تو ان کے حلم پر، جب ان کو غصہ آتا ہے۔ دوسرے ان کی صداقت پر جب وہ تقریر فرماتے ہیں۔ اور تیسرے ان کے عدل پر جب وہ کوئی فیصلہ فرماتے ہیں۔

صاحب ارجح المطالب صـ۱۴۲ پر بروایت دیلمی و طبرانی تحریر کرتے ہیں کہ سلمان فارسی و ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم صدیق اکبر ہو۔ نیز شرح مصابیح، صواعق محرقہ، اور مناقب مرتضوی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا "امتوں کے صدیق تین ہیں۔ اوّل حبیب نجار، مومن آل یٰسین، دوم حزقیل مومن آل فرعون۔ سوم علیؑ ابن ابی طالب، اور یہ تمام صدیقوں سے افضل ہیں"۔

سبط ابن جوزی خواص الائمہ کے صـ۹۳ پر باسناد احمد ابن حنبل تحریر فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ ہم اس امت میں آنحضرتؐ کے بعد حضرت علی سے زیادہ زاہد کسی کو نہیں پاتے۔ نیز روضۃ الشہداء میں جابر ابن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں خدائے یگانہ کی وحدت

ترک نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ کثرت عبادت سے حضرت کی پنڈلیاں اینٹھنے لگیں۔ اور پائے مبارک پر ورم آگیا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی کہ آپؐ اپنی جان پر اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ جبکہ آپؐ کے گناہان گزشتہ و آئندہ سب کے سب معاف ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں خدا شکرگزار بندہ نہ کہا جاؤں؟"

عبادت الٰہی میں گریہ وزاری اور کثرت سے اشکباری آپؐ کی خاص عادت تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن شخیر بیان کرتے ہیں "کہ ایک بار میں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ آپ نماز میں مصروف ہیں اور آنکھوں سے مسلسل اشک جاری ہیں۔ یہاں تک کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔"

غرضیکہ جب بھی آنحضرتؐ پر خوف خدا کا زیادہ غلبہ ہوتا تھا تو آپ کی یہی کیفیت ہو جاتی تھی ادھر ادھر آپ کے نقش قدم پر چلنے والے یعنی علیؑ ابن ابیطالب کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ ارجح المطالب صفحہ ۱۶۴ اور مناقب مرتضوی مولفہ شیخ محمد صالح کشفی الحنفی، نیز ذخیرۃ الملوک، مصنفہ میر سید علی ہمدانی وغیرہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا حضرت علی نہایت مضطرب ہوتے اور رنگ مبارک متغیر ہو جاتا تھا۔ جب حاضرین عرض کرتے کہ یا حضرت! آپ کو کیا صدمہ پہونچا جو اس قدر اضطراب اور بے چینی لاحق ہے؟ تو آپ جواب دیتے کہ "اس امانت کی ادائیگی کا وقت آپہنچا جس کے بوجھ کو آسمان و زمین اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔"

حضرت علیؑ کے بارے میں جناب ابودردا نے جن کا شمار صحابہ کبار میں ہوتا تھا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جسکو کمترین نے مولانا مفتی میر محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ کی مشہور و معروف مثنوی من و سلوی سے نقل کیا ہے۔

"مثنوی کے لفظ بہ لفظ ترجمے کے بجائے بعض مقامات پر صرف مفہوم ہی پر اکتفا کی گئی ہے۔ اور بخوف طوالت روایت آخری حصہ حذف کر دیا ہے۔"

ابودردا صحابئ رسولؐ ناقل ہیں کہ میں ایک رات صحرا کی طرف گیا۔ ناگاہ میرے کان میں ایک بہت دردناک آواز آئی۔ جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کوئی شخص بالحاح وزاری خدا کی بارگاہ میں دعا کر رہا تھا۔ "خداوندا! میں اپنے گناہوں کے سبب سے بہت دل تنگ ہوں۔ حالانکہ میرا نامۂ اعمال جرم و خطا سے بھر چکا ہے لیکن تجھ سے بخشش و عطا کا خواستگار ہوں اور لطف و مہربانی کی آرزو رکھتا ہوں۔"

ابودردا آواز کی جانب روانہ ہوئے، جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ امیرالمومنینؑ علی ابن ابیطالب علیہ السلام مصروف عبادت الٰہی ہیں۔ آپ نے پہلے چند رکعت نماز پڑھی اس کے بعد خدا کی بارگاہ میں بہت ہی عجز و فروتنی کے ساتھ یہ دعا فرمانے لگے۔

"اے میرے مولا و آقا! اور اے میرے مونس و ہمدم خدا! جب میں تیری بخشش و کرم پر نظر کرتا ہوں تو میرے گناہوں کا پہاڑ مثل خشک گھاس کی پتیوں کے دکھائی دیتا ہے۔ اور جب تیرے عدل و جزا کو دیکھتا ہوں تو تیرے قہر و غضب کی آگ یاد آجاتی ہے۔ آہ! آہ! اے معبود! تیرے حساب و عذاب کے روز وہ جرم و خطا جو دل سے محو ہو گئے تھے اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ رہا ہوں۔ آہ! تو جب کہے گا کہ اس کو جرم عصیاں کی پاداش میں گرفتار کریں تو گروہ مردم ہیں۔ اس کو ذلیل خوار کریں گے۔ وائے ہو غریب و مضطر اور بے مونس و یاور پر، اس وقت نہ کوئی ساتھی مدد کو پہنچے گا اور نہ کوئی اپنا شخص فریادرس ہوگا۔ آہ! اس وقت اس کو نظر سے گرا دیں گے اور تیرے غضب سے اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔"

اس کے بعد حضرت نے ایک پر درد آہ کھینچی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ بالآخر وہ صدائے نالہ و آہ موقوف ہو گئی۔ ابودردا کہتے ہیں کہ مجھ کو خیال ہوا کہ شاید آپ اسقدر

انصاری نے اور مسند ابوالعلی، مسند بزاز، صواعق محرقہ، اور استیعاب میں سعد وقاص سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا اور جو شخص علیؑ کو دوست رکھے وہ بیشک مجھ کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو دشمن رکھے وہ بیشک مجھ کو دشمن رکھتا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو اذیت دے وہ بیشک مجھکو اذیت دیتا ہے اور جو شخص مجھ کو ایذا پہنچاتا ہے وہ بیشک خدائے عزّ وجل کو ایذا دیتا ہے۔"

جناب امیرؑ کی شان میں احادیث پیغمبرؐ کا ایک خزانہ ہے جس میں سے مشتے نمونہ از خروارے بھی یہاں پیش کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اب مذکورہ بالا احادیث کے بعد امیرالمومنینؑ کی دنیاوی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ (اسلام اور حیات انسانی کا پہلا اور عظیم مقصد عبادت واطاعت الٰہی ہے۔ لہٰذا اولاً پیغمبرؐ کی اور اس کے بعد جناب امیرؑ کی عبادت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) جب نماز پڑھتے تھے تو کفار قریش آپ کو طرح طرح سے اذیتیں دیتے تھے۔ لہٰذا آپ نماز کے وقت پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں میں چلے جاتے اور چھپ کر عبادت الٰہی بجالاتے تھے۔ لیکن آپ کے ہمراہ علی ابن ابی طالب بھی ضرور رہتے تھے۔ چنانچہ کتاب صفوۃ الزلال میں خود جناب امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ "میں نے رسولؐ خدا کے ہمراہ سات برس نماز پڑھی۔ قبل اسکے کہ کوئی دوسرا شخص ایمان لائے اور نماز پڑھے" اور صحیح ترمذی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ "سب سے پہلے جس شخص نے پیغمبرؐ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔" الغرض پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار سے پوشیدہ عبادت الٰہی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی مشرکین مکہ اپنی شقاوت وبے رحمی کی بنا پر آپ کی تلاش وجستجو میں رہتے تھے ایک بار طاعت الٰہی میں مشغول پاکر گلوئے مبارک میں چادر لپیٹ کر بل پر بل دینے لگے یہانتک کہ حضرت کا دم گھٹنے لگا۔

لیکن ذوق وجذبہ طاعت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے انہماک واستغراق عبادت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

اب امیرالمومنینؑ علیہ السلام کے استغراق عبادت کا مشہور ومعروف واقعہ ملاحظہ ہو۔

ملا عبدالرحمٰن جامی نے تحفۃ الاحرار میں بصورت نظم تحریر فرمایا ہے۔ نیز مناقب مرتضوی اور تفسیر حسینی میں منقول ہے کہ حضرت علیؑ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ہر رات آپ کے خلوت خانے سے ایک ہزار تکبیرۃ الاحرام کی آوازیں سنی جاتی تھیں۔ نماز میں استغراق اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جنگ احد میں جب فوج مخالف کا تیر آپ کے پائے مبارک میں لگا اور اس کی پیکان اس طرح گڑ گئی کہ اس کا نکالنا سخت مشکل ہوگیا۔ یہانتک کہ امیرالمومنین علیہ السلام خود بھی زبردستی کھینچے جانے کی تکلیف کو برداشت نہ کرسکے تو جناب رسالتمآب (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب علیؑ نماز میں مصروف ہوں تو زور سے پکڑ کر نکال لینا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے خود ہی ایسا فرمایا۔

الغرض جب نماز کے وقت تیر پائے مبارک سے کھینچا گیا تو سارا مصلیٰ خون سے تر ہوگیا لیکن جناب امیرؑ کو ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔

رسولؐ اسلام باوجودیکہ من المہد الی اللحد معصوم تھے اور اشرف المرسلین، خاتم النبیینؐ نیز حبیب خدا کے القاب سے ملقب تھے۔ لیکن قلب مبارک پر خوف الٰہی کا یہ اثر تھا کہ روایت عین الحیاۃ کے مطابق جب آپ نماز کے لئے استادہ ہوتے تھے تو چہرہ مبارک کا رنگ زرد ہوجاتا تھا اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ معلوم نہیں مجھ پر کیا گزرے گی؟"

ملا باقر مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب کے صفحہ ۱۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔ در حدیث معتبر میں امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میرے ماں باپ فدا ہوں حضرت رسولؐ خدا پر کہ باوجود ان کرامتوں کے جو آپ کو عطا کی گئی تھیں آپ نے کبھی عبادت الٰہی میں اہتمام خاص اور سعی بلیغ

جائے تو سارے آئینوں میں اس کا عکس اتر جائے گا۔ اگر کسی آئینے میں شمع کا جلوہ دھندلا نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب خطا شمع کی نہیں بلکہ آئینے کی ہے۔ کوئی آئینہ اگر زنگ آلود ہے تو اس میں شمع کا کیا قصور؟ یا اگر آئینے کی پشت شمع کی جانب کر دی جائے تو قیامت تک اس میں شمع کا پرتو نظر نہیں آ سکتا۔ اگر شمع کی نور آفرینی دیکھنا ہے اور آئینے کو با مقصد بنانا ہے تو اس کا رخ شمع کی طرف کرنا پڑے گا۔

آئینے میں شمع کا عکس دیکھا تو ضرور جا سکتا ہے لیکن اسی وقت تک جب تک کہ وہ ضیا پاشی کرتی رہے۔ شاید یہی سبب تھا کہ بزم عالم سے شمع رسالتؐ کے اٹھتے ہی بغیر کسی فصل و توقف کے فوراً اس کی جگہ شمع امامت رکھ دی گئی۔ تاکہ ظلمت کا تسلط نہ ہونے پائے۔ اور حدیث پیغمبرؐ نے بڑھ کے اعلان کر دیا۔ اولنا محمدؐ و اوسطنا محمدؐ و اخرنا محمدؐ وکلنا محمدؐ (ہمارا اول بھی محمدؐ ہے، درمیان میں بھی محمدؐ ہے آخری بھی محمدؐ ہے اور ہم کل کے کل محمدؐ ہیں) اس حدیث کی ترجمانی ایک شاعر نے کیا خوب کی ہے ؎

امام جتنے ہیں اک نور سے ہے سب کا خمیر
ہیں ان میں سارے محمدؐ صغیر ہوں کہ کبیر۔
خیال ہے کہ نظر بندیٔ مصوّر نے
پلٹ پلٹ کے دکھائی نہ ہو وہی تصویر

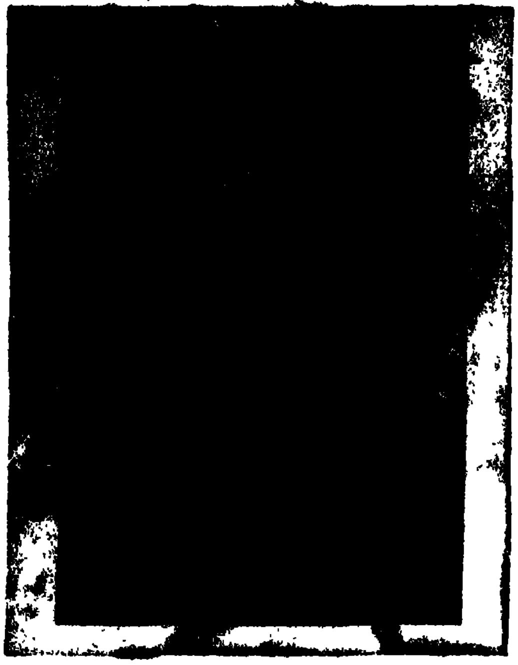
پیغمبرؐ کے نور کو قرآن مجید میں سراج منیر یعنی روشن چراغ کہا گیا ہے۔ لہٰذا اب شمع رسالت کے پروانوں کو مثل آئینوں کے سمجھئے۔ جو آئینہ جس قدر شفاف تھا اس میں اتنا ہی واضح عکس اترا۔ جن لوگوں نے اپنے ظاہر کو تو بزم رسولؐ سے وابستہ رکھا لیکن باطن کے رخ کو دنیا کے عارضی جمال سے منحرف نہ کر سکے۔ ان کو اس شمع سے کوئی فیض حاصل نہ ہو سکا۔ دوسرے افراد امت تو اس بات کے محتاج تھے کہ ان کے سامنے ایک نہ ایک چراغ ہدایت روشن رہے۔ تاکہ شمع رسالتؐ کا نور ان کے فانوس دل سے محو نہ ہونے پائے۔ لیکن معصوم کی صلاحیت چونکہ ہم سے کہیں زیادہ بہتر و برتر ہوتی ہے۔ لہٰذا علیؑ ابن ابی طالب کی ذات اقدس میں کردار پیغمبرؐ کا جو عکس اترا تھا وہ ایک لافانی نقش بن کر رہ گیا۔ اس موقع پر میں اپنے دعوے کی شہادت میں تاریخ اسلام کے چند اوراق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسولخدا اور حضرت امیرالمومنینؑ کی ابتدائے خلقت پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ تاکہ اول سے آخر تک جناب امیرؑ اور حضور سرور کائناتؐ میں مماثلت و مطابقت کا ثبوت مل سکے۔

ابوالحکارم الحسن الدامغانی کی کتاب اربعین، مناقب خطیب خوارزم، کتاب نزل السائرین مصنفہ شرف الدین ورزنینی شافعی، مودات میر سید علی ہمدانی مسند امام احمد ابن حنبل اور بحرالانساب جعفر وغیرہ میں جناب سلمان فارسی سے مروی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا: "میں اور علیؑ ایک نور تھے اور وہ نور آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پیشتر خدائے عزوجل کی بارگاہ میں طاعت و تقدیس کرتا تھا۔ جب قدرت نے آدمؑ کو پیدا کیا تو اس نور کو صلب آدمؑ میں رکھا اور برابر ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کو صلب عبدالمطلب میں قرار دیا۔ پھر اس نور کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ میرے حصے کو عبداللہ کی پشت میں قائم کیا اور علیؑ کے حصے کو ابوطالب کے صلب میں۔ پس علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔"

اسی طرح کی ایک دوسری روایت دستور الحقائق اور ہدایت السعدا وغیرہ میں مرقوم ہے۔ کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ "تیرا خون میرا خون ہے"۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ تیرا دل میرا دل ہے، تیرا نفس میرا نفس ہے۔ اور تیری روح میری روح ہے۔"

نیز صحیح بخاری اور ہدایت السعدا میں جابر ابن عبداللہ



کردارِ علیؑ کے آئینے میں

سیرتِ نبیؐ کا مرقع

(سید غلام السیدین باقری، جوراسی)

تاریخ وجود کی ورق گردانی اور کتاب ہستی کے گہرے مطالعے کے بعد یہ ٹھوس حقیقت پردے میں نہیں رہتی۔ کہ سارے اجزائے عالم باہم لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور نظام کائنات کی مشین اس وقت تک ناکارہ ہے جب تک اس کا ایک پرزہ دوسرے کی اعانت و امداد کے لئے آمادہ نہ ہو۔ اور کلک مشیت اس کے لئے ایک دستور العمل مرتب نہ کر دے۔

کسی چیز کے عینی مشاہدے کے لئے صرف انسان کا موجود ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ دیکھنے کے لئے آنکھ کی ضرورت ہے۔ اور آنکھ اس وقت تک ناکارہ ہے جب تک اس میں دیدہ نہ ہو۔ اور دیدہ بھی بیکار ہے۔ جبتک اس کے اندر پتلی نہ ہو۔ اور پتلی بھی غیر مفید ہے۔ جب تک اس میں جلا نہ ہو۔ اور پتلی کی جلا بھی اپنا کام انجام دینے کے لئے قوت باصرہ کی محتاج ہے۔ ادھر قوت باصرہ بھی بغیر آنکھ کے کچھ نہیں کر سکتی۔ الغرض اسی طرح دنیا کی تمام مخلوقات کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ انسان اگر اپنے چہرہ کا عکس دیکھنا چاہے تو اس کے لئے کسی شفاف چیز کی حاجت ہوگی۔ اگر وہ کسی زنگ آلودہ لوہے میں عکس تلاش کرے تو مایوسی ہوگی۔ لیکن اسی لوہے پر اگر جلا کر دی جائے تو ہلکا سا پرتو بھی ابھر آئے گا۔

آدمی گندے پانی میں اپنی تصویر ڈھونڈے تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ لیکن صاف و شفاف پانی میں سارے خد و خال بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ پانی جس قدر شفاف ہوگا۔ اسی قدر واضح نقشہ پیش کرے گا۔ لیکن یہ بھی رنگ و روپ کی اتنی صحیح عکاسی نہیں کر سکتا۔ جتنی ایک آئینہ کر دکھلائے گا۔ درانحالیکہ اس کے لئے بھی صفائی شرط ہے اگر آئینہ گندہ ہے تو اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ جس قدر اس کی صفائی زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔ اگر آئینے کی جلا مکمل ہے تو چہرے کے باریک سے باریک خطوط کا بہ آسانی مطالعہ ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی بغیر روشنی کے بیکار ہے۔ کیونکہ تاریکی میں وہ اپنا کام چھوڑ دیتا ہے۔ روشنی اور نور میں جتنی جتنی زیادتی ہوتی جائے گی آئینہ اسی قدر زیادہ کار آمد ہوتا جائے گا۔

اگر پردۂ ظلمت میں ہزاروں آئینے رکھ دیئے جائیں تب بھی ان سے کوئی مطلب حل نہیں ہوگا۔ لیکن موقع پر آئینوں کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ دراصل خطا تاریکی و ظلمت کی ہے۔ البتہ اگر آئینوں کے درمیان ایک شمع روشن کر کے رکھ دی

معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں عقیدہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔

خلافت باطلہ کے گرتے ہوئے قصر کو گرنے سے بچانے کے لئے ترمذی مطبوعہ احمدی میرٹھ کی جلد ۲ صفحہ ۵۰ پر جو حدیث لکھی ہے وہ بھی اس کی ایک کڑی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ۔

"۳۰ برس تک خلافت رہے گی۔ اور پھر حکومت ہو جائے گی۔"

یہ گنجائش اس لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ ۱۲ کی مقررہ تعداد سے جو زائد خلفاء ہیں وہ بادشاہت کے تحت باقی رہیں۔ مگر یہ تاویل بیجا ہی کہی جائے گی۔

مذکورہ متعدد احادیث رسول میں دینی اور دنیاوی دونوں حکومتیں ۱۲ میں حصر کی گئی ہیں۔ نیز ان کی مدت آغاز قیامت تک ہے۔ لہذا قول رسولؐ کے مقابلہ میں کسی عالم کی رائے کوئی وزن نہیں رکھتی۔

تیس برس جو مقرر کئے گئے ہیں وہ حدیث ماثورہ کی روشنی میں تو غلط ہیں ہی۔ نیز پوری طرح عہد خلافت سے منضبط بھی نہیں ہوتے۔

مظاہر حق مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳۲۲ میں جامع الاصول سے نقل کیا ہے کہ۔

"حضرت ابوبکر کی خلافت دو برس چار مہینے، حضرت عمر کی خلافت دس برس چھ مہینے حضرت عثمان کی خلافت بارہ برس چند روز کم اور خلافت مولا علیؑ ۴ برس ۹ مہینے۔ اس حساب سے کل ۲۹ برس ۷ مہینے ہوتے ہیں۔ ۵ مہینہ کی کمی پڑتی ہے اس لئے بعضوں نے امام حسنؑ کے عہد کے مہینے اسی ۳۰ برس میں شامل کر لئے ہیں یہ امور اس کی صحت میں اشکال واقعی پیدا کرتے ہیں۔"

مختصر یہ کہ احادیث پیغمبرؐ کی روشنی میں اسلامی خلفاء کی تعداد، میعاد خلافت صفات مقررہ کے حدود میں نیز قرشیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ برخلاف اس کے پیغمبر کے بارہ نائب ہمارے عقیدے کے بموجب معصوم ہیں جن پر نص قرآنی موجود اور ان کی بقا بھی تا بہ قیامت ہے۔ اور قریش کی افضل ترین فرد ہیں۔

لہذا حدیث الائمۃ من قریش کی روشنی میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام تا قائمؑ آل محمد ہمارے جملہ ائمہ اثنا عشر صفات ضروریہ کے حامل ہیں اور بقاء امامت تا بہ روز قیامت ہے۔ جو مفاد حدیث کے مطابق ہے۔ لہذا حقیقی امامت الائمۃ من قریش کی روشنی میں ہمارے ائمہ اثنا عشر ہیں۔

حضرت علیؑ کا خط ایک عہدہ دار کے نام

(حساب پیش کرو)

مجھے ایک خبر ملی ہے، اگر سچی ہے تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا ہے۔ اپنے امام کی نافرمانی کی ہے اپنی امانت گنوا دی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ملک اجاڑ دیا ہے جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے تھا اسے ہتھیا لیا ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ میں تھا اسے ہڑپ کر گئے ہو۔ لہذا اپنا حساب میرے پاس بھیجو اور یقین کرو خدا کا حساب آدمیوں کے حساب سے خوفناک ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حدیث کی بنا پر خلافت ہتھیالی گئی اس قول نے خود خلافت ہتھیالی گئی اس قول نے خود خلافت کی حقیقت واضح کر دی. معتبر مورخین و محققین کے خیالات بطور ثبوت اوائل بیان میں پیش کر چکا ہوں کہ صرف قصئی کی اولاد قریش میں داخل ہے. لہذا بنی تیم و بنی عدی کا قریش میں آتے ہی نہیں کیونکہ تیم ایک پشت قبل اور عدی دو پشت قبل گزر چکے اور قریش پہلے پہل قصئی کو کہا گیا. پس حسب قول پیغمبرؐ یہ مستحق خلافت ہو ہی نہیں سکتے. لہذا اصول کی بنا پر اول دو خلافتوں کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے. اور ان کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور بنیاد ہی غلط ہو گئی تو پوری جدار خلافت کا ہی اللہ حافظ ہے.

ان مورخین کے قول کو اگر مان بھی لیا جائے تو یہ کہتے ہیں کہ فہر کی پوری اولاد قریش ہے. تو اگرچہ ان کا حرف غلط سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا پھر بھی بالفرض اگر ان کا دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے تو عصمت شرط ضروری قرار دی جا چکی ہے. لہذا حسب شرط قول پیغمبر بنی تیم اور بنی عدی کی خلافت باطل ہو جاتی ہے.

علیؑ مرتضیٰ کے علاوہ مابعد کی خلافتیں بھی عدم عصمت کی بنا پر قابل توجہ نہیں رہتی عدم عصمت کی تصدیق کے لئے تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۲۸) دلیل واضح ہے ملاحظہ ہو.

ترجمہ :. پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد اور ابتدائی انعقاد خلافت کے وقت پہلا خطبہ جو حضرت ابو بکر صدیق نے پڑھا وہ یہی تھا کہ اے یاران رسولؐ میں پیغمبر کا خلیفہ ہوں. لیکن دو چیزیں جو پیغمبر کی خصوصیت میں تھی وہ مجھ سے نہ چاہنا. اول وحی دوسرے عصمت شیطان سے. نیز آخر خطبہ میں حسب ذیل فقرہ توضیح مزید کی حیثیت رکھتا ہے. میں معصوم نہیں ہوں پس میری اطاعت اس امر میں فرض ہے جو موافق سنت پیغمبر و شریعت ہو.

جب خود اقرار ہے کہ میں معصوم نہیں ہوں جس کے معنی یہ ہیں کہ احتمال بلکہ یقین عصیان موجود ہے. لہذا احادیث پیغمبرؐ کی روشنی میں استخلاف بے معنی ہو جاتا ہے. نیز کتاب مذکورہ کے اسی سلسلہ میں یہ بھی موجود ہے. چونکہ لوگ پیغمبرؐ کی حکومت میں عادی تھے اور ہر مشکل میں وحی الٰہی کا سہارا ڈھونڈھتے تھے اور پیغمبرؐ کی عصمت کے سبب سے بے تامل اطاعت کرتے تھے. اول خلیفہ کو لازم تھا کہ انھیں آگاہ کر دیں کہ ہر دو چیزیں خواص پیغمبرؐ سے ہیں جو انھیں میں پائی جاتی ہیں. غیر میں نہیں ملتی. اس قول کے بعد جملہ خلفاء میں عدم عصمت کا ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ جملہ خلفاء عصمت سے عاری تھے. لہذا اولاد بنی فہر ہوں یا بنی قصئی میں ان میں خلافت کی علامتیں نہ تھیں.

سواد اعظم کے نظریہ کے مطابق تعین امامت اثنا عشریہ بھی مسئلہ دشوار ہے. رسول نے ۱۲ کی تعداد معین فرما دی. اس سے زیادہ خلیفہ ہونا خلاف قول رسول اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ چار خلیفہ راشدین کے علاوہ ۱۴ بنی امیہ، ۳۷ بنی عباس ۵۴ کل. ۵۴ خلفاء دور اول میں ملتے ہیں اس کے بعد مصر میں خلیفہ ہوئے پھر ترکی مرکز خلافت بنا اور اس کے بعد خلافت بالکل ختم ہو گئی. ان خلفاء کی مجموعی تعداد صدہا ہو جاتی ہے. جو منافی ارشاد رسول ہے. نیز ان میں اکثر قریشی نہ تھے. لہذا اس جہت سے بھی مفاد حدیث کے مخالف غالباً اس دشواری کے پیش نظر بقول مولانا شبلی حدیث الائمۃ من قریش کتابوں سے محو کی جا رہی ہے. ملاحظہ ہو سفرنامہ صفحہ ۵)

قسطنطنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جانچ کے محکمہ میں جس کا نام معارف ہے. بے اصل کتاب پیش کی جاتی ہے. اور جو عبارت محکمہ کے افراد قلمزد کر دیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جاتی. میرے سامنے ایک مطبوعہ شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی. معارف نے اس کی تمام وہ عبارت قلمزد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے. میں نے اصل تحریر جس میں

ہوں گے۔ اور دین و دنیا دونوں کے حاکم ہوں گے۔
پھر ارشاد ہوتا ہے اس امت اسلام کی حکومت و امامت
قریش ہی میں رہے گی۔ جو شخص ان کو دشمن رکھے گا اللہ
اس کو منہ کے بل جہنم میں جھونکے گا۔ یہ صفت اس وقت
تک رہے گی جب تک یہ دین کو قائم رکھیں۔

پیغمبرؐ کی یہ حدیث بھی موجود ہے۔ لا یزال علی الناس
وال من قریش۔ لوگوں پر قریش سے کوئی نہ کوئی امام ضرور
ہمیشہ موجود رہے گا۔ خلفاء کی تعداد کے تعین کے بعد یہ شرط
کہ وہ امام ہمیشہ رہیں گے کھلی ہوئی غمازی کر رہا ہے کہ بارہ خلفاء
ہی میں سے کوئی قیامت تک موجود رہے گا۔ پیغمبرؐ نے یہ بھی فرمایا۔
اس امت کا دین اس وقت تک درست رہے گا یہ اس
وقت تک دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ جب تک اس میں
بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے۔ جو سب قریش سے ہوں گے اسکے
بعد فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ نیز حضرت نے یہ بھی فرمایا میری امت
کا دین اس وقت درست رہے گا جب تک ان میں بارہ
خلیفہ ہوتے رہیں گے۔ جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔
نیز یہ بھی فرمان رسول ہے کہ یہ دین اس وقت تک غالب
اور مستحکم رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے۔
جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ حضرت کا یہ بھی قول ہے کہ
اس امت کا دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک بارہ
بزرگ قائم رہیں گے۔ جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔
حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے
جو قریش ہی سے ہوں گے، یہ خلافت و امارت قریش ہی میں
رہے گی۔ حضرت نے یہ بھی کہا۔ میرے بعد اسلام کے بارہ سردار و
حاکم ہوں گے اور سب قریش سے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو بخاری
کتاب الفتن پ ۲۹ ص ۶۲۸، نیز صحیح مسلم مطبوعہ
دہلی جلد ۲ ص ۱۱۶ پر یہ حدیث نکلی ہے۔

"دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے یہ مٹ
نہیں سکتا وہ سب قریش سے ہوں گے۔

یہ حدیث رسول بھی محل فکر ہے۔ لا یزال الدین قائماً
حتی یقوم الساعۃ او یکون اثنا عشر خلیفۃ کلھم
من قریش۔ (ہمیشہ یہ دین اسلام قائم رہے گا جب تک
اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش سے ہوں گے۔
یا قیامت آجائے یہ ہوا کہ دین اسلام قیامت آنے پر ختم ہو گا۔
قیامت نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ دین اسلام باقی ہے۔
اور بقاء دین اسلام اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں
سے کوئی امام موجود ہے۔ دوسری حدیث توضیح مزید کرتی ہے
لن یزول ھذا الدین قائماً الی اثنا عشر من قریش
فاذا ھلکوا ماج الارض اھلھا۔ یہ دین اس
وقت تک قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ حضرات رہیں گے۔
جو سب قریش سے ہوں گے۔ جب وہ بارہ حضرات ختم ہو جائیں
گے تو زمین اور اس کے سب باشندے تہ و بالا ہو جائیں گے
مذکورہ بالا احادیث کنز العمال جلد ۶ ص ۱۹۵ تا ۲۰۱ جلد ۷
ص ۱۳۸ تا ۱۴۲ اور صحیح بخاری باب المناقب قریش پ ۱۴
باب الفتن پارہ ۲۹ ص ۶۲۸، جامع ترمذی صفحہ ۳۷۹
سنن ابی داؤد ص ۵۸۸ مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۹۳ تفسیر در منثور،
تفسیر معالم التنزیل، اور جامع الاصول کے علاوہ دیگر
کتب میں بھی مذکورہ احادیث مندرج ہیں۔

احادیث مذکورہ کی روشنی میں چند امور معلوم ہوئے جیسے
رسول کے بارہ ہی خلیفہ ہوں گے۔ اس سے زائد نہ ہوں گے۔ وہ
دینی اور دنیوی حاکم ہوں گے۔ دینی حاکم الگ دنیوی حاکم
الگ الگ نہ ہوں گے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی خلیفہ قیامت
تک موجود رہے گا۔ جب تک قیامت نہ آجائے، قیامت
کا نہ آنا اور زمین اور اس کے باشندوں کا کلیتہً تہ و بالا نہ
ہونا دلیل ہے کہ کوئی خلیفہ موجود ہے۔ خلیفہ ہونے کے لئے
دو شرطیں لازمی ہیں۔ قریشی ہونا۔ اور معصوم ہونا۔ بس یہ
بحث از خود ختم ہو جاتی ہے کہ قریش فہر کی اولاد ہے یا قصی
کی اولاد ہیں۔

جب یہ طے ہو گیا کہ بعض قریش خلیفہ ہوں گے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار کے علاوہ سب اہل قریش خلیفہ ہوں گے یا بعض تو اس موقع پر بھی عقل یہی کہتی ہے کہ بعض خلیفہ ہوں اگر کل خلیفہ ہو جائیں گے تو خلافت کس کے اوپر کریں گے۔ اس موقع پر یہ سوچنا لازم ہو جاتا ہے کہ پھر کن خصوصیات کی بنا پر انتخاب خلیفہ ہوگا۔

کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد پیغمبرؐ ملتا ہے کہ "میری خلافت یا حکومت کے اہل صرف قریش ہیں"۔

پس حدیث مذکورہ سے بھی معلوم ہوا کہ سوائے قریش کوئی خلیفہ ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ صفحہ مذکورہ پر پھر دوسری حدیث اس دشواری کو حل کر دیتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے "اے اہل قریش والو! اس خلافت کے مستحق تم ہی لوگ ہو۔ جب تک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو"۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ خلافت کے لئے دو ضروری شرطیں ہیں قریشی ہونا۔ اور عصیان سے بری ہونا۔ یعنی معصوم ہونا۔ پس اس قول کی بنا پر قریشی بھی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ وہ مسلم ہو۔ صاحب عفت ہو۔ پس جو مسلم قریشی ہے اور معصوم نہیں وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا خلیفہ تو وہ ہوگا جو قریشی بھی ہو اور معصوم بھی ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سیف مسلول صفحہ ۹۱۔۹۲ پر رقمطراز ہیں کہ امامت کے لئے چند شرطیں ہیں۔

(اول) اسلام۔ (دوم) ذکورۃ (سوم) حریت (چہارم) عقل (پنجم) بلوغ۔ (ششم) عدالت۔ (ہفتم) قرشیت۔

قاضی صاحب کی آخری دو شرطیں اور شرط اول یہ لازمی شرائط ہیں۔ قاضی صاحب نے لکھنے کو لکھ دیا مگر پھر تمام شرائط کو خارج کر کے صرف اسلام کو ضروری سمجھا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ عدالت اور قرشیت شرط ہیں۔ مگر حالت اختیار میں۔ پس اگر دیدہ و دانستہ فاسق یا غیر قریشی کو امام بنا لیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ مگر اس شخص کی امامت منعقد ہو جائے گی۔ اور اس کے خلاف خروج جائز نہ ہوگا۔ اور اگر تسلط ہونے والا فاسق یا غیر قریشی ہوگا تو خود عاصی ہوگا۔ مگر لوگوں پر اس کی اطاعت لازم ہوگی اور خروج حرام اور شرط اسلام ساقط نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اولی الامر منکم میں کافر شامل نہیں ہیں۔ پس اگر کافر مسلط ہو جائے مسلمانوں پر تو پھر اطاعت اس کی واجب نہیں ہے۔ اور اس پر خروج کرنا حلال ہے۔ اور شرط ذکورۃ و حریت مثل عدالت و قرشیت ہے پس اگر عورت یا غلام مسلط ہو جائے گا تو اطاعت اس کی واجب ہو جائے گی کیونکہ وہ اولی الامر منکم میں شامل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سوائے اسلام کے کوئی اور شرط امامت میں نہیں ہے۔

مذکورہ احادیث کے علاوہ بہت سی حدیثیں تائید کرتی ہیں۔ کہ ائمہ قریش سے ہوں گے۔ مثلاً آنحضرت نے قریش سے کہا کہ یہ امر خلافت ہمیشہ تم لوگوں ہی میں قائم رہے گا۔ تم ہی اسکے مستحق رہو گے۔ جب تک تم ایسی باتیں نہ کرو جس سے یہ شرف جاتا رہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔ کوئی زمانہ قریش کی خلافت سے خالی نہ رہے گا۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ امور ایسے بھی ہیں جن سے حق زائل ہو جائے گا۔ وہ زبان زد خاص و عوام فقرہ "الائمۃ من قریش" خود دلیل واضح ہے۔ امام کی جمع ائمہ ہے۔ اور اس پر الف لام استغراق کا داخل ہے۔ جو یہ ظاہر کر رہا ہے کہ جتنے خلیفہ ہوں گے وہ سب قریش سے ہوں گے۔ نیز یہ بھی فرمان رسولؐ موجود ہے۔ مسلمانوں میں لوگ تمہارے دینی اور دنیاوی حاکم قریش ہی سے ہوں گے، تمہارے پیشوا قریش ہی سے ہوں گے۔

جب یہ مسلم ہے خلفاء سب قریش سے ہوں گے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنے خلیفہ ہوں گے احادیث پیغمبرؐ نے بوضاحت یہ بھی بتا دیا کہ خلفاء ۱۲ اور صرف ۱۲ ہوں گے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یکون من بعدی اثنا عشر امیرا کلہم من قریش۔ میرے بعد ۱۲ خلیفہ ہوں گے اور کل قریش سے ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ صرف بارہ خلیفہ ہوں گے وہ کل قریشی

کیوں کہ تقرش کے معنی تجمع ہیں۔ اس جواب پر عبدالملک نے کہا میں نے آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آیا ہوں کہ قصی کو قریش کہتے تھے۔ اور ان کے پہلے کسی کا نام قریش نہیں ہوا۔"

اس کے بعد ہی یہ لکھتے ہیں۔ جب قصی حرم (مکہ معظمہ) میں آکر مقیم ہوئے اور وہاں بڑے اچھے اچھے کام کئے تو سب لوگ ان کو قریشی کہنے لگے۔ لہذا وہی پہلے شخص ہیں جو اس نام سے پکارے گئے۔

قرآن مجید کے مفسرین نے بھی عبدالملک کے انکار والی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۹۵ فتح الباری شرح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ دہلی۔

معتبر مورخین کی تحریر اور اصح من بعد کتاب باری کی تصدیق کے بعد کون ہے جو عبدالملک والی روایت سے انکار کر سکتا ہے۔ علامہ ابن حجر اسلام علمائے اسلام میں بہت بڑے محدث، علم حدیث کے بڑے امام، محقق اور مصنف تھے مولانا شبلی نے سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۷۸ پر لکھا ہے، حافظ ابن حجر کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے۔ لہذا ان کی تصدیق سونے پر سہاگہ ہے۔

درصورت بالا عبدالملک کا سوال، محمد ابن جریر کا جواب اور پھر عبدالملک کا کہنا کہ قصی سے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں بہت فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ وہ خلیفہ بنی امیہ کا بہت معزز، زبردست اور حالات عرب سے پوری طرح پر واقف خلیفہ گزرا ہے اور خود قریش سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تصدیق کے بعد کسی مصنف یا مورخ کا جو زمانہ تابعین میں پیدا ہوا ہو اس سلسلے میں نئی تحقیق کرنا کوئی وزن نہیں رکھتا۔

قریش کن خصوصیات فضائل کے حامل تھے اس سلسلے میں کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۹۵ تا ۲۰۰ قابل ملاحظہ ہے۔

(۱) لوگوں کی خوبی اور بھلائی قریش میں ہے بغیر قریش لوگ درست نہیں رہ سکتے۔ (۲) اچھائی اور برائی میں سب لوگ قریش کے پیرو ہیں (۳) قریش کو وہ فضیلتیں دی گئیں ہیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔ (۴) خدا نے قریش کو سات باتوں کی وجہ سے فضیلت دی۔ وہ باتیں ایسی ہیں جو کسی اور کو نہ اب تک ملی ہیں اور نہ آئندہ ملیں گی۔ (۵) جو شخص قریش کی ذلت چاہے گا اس کو اللہ ذلیل کرے گا۔ (۶) بروز قیامت قریش سب لوگوں کے آگے رہیں گے۔ (۷) قریش اللہ کے خاص اور پسند کئے ہوئے ہیں۔ (۸) قریش اللہ کے اہل ہیں۔ جب کوئی عرب کا قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا تو شیطان کا گروہ ہو جائے گا۔

پیغمبر صلعم کی مذکورہ سات حدیثوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قریش لوگوں کی بھلائی کا ذریعہ ہیں اور ہر ایک کی بھلائی قریش سے وابستہ ہے وہ صاحب فضائل کثیرہ ہیں اور ہر ایک سے افضل ہیں۔ ان کا ذلت خواہ ذلیل ہے اور مخالفت کرنے والا گروہ شیطانی ہے۔ وہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ بروز قیامت وہ سب سے آگے ہوں گے۔

لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار قریش بھی کیا ان صفات و خصوصیات کے مستحق ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی لئے پیغمبر نے یہ بھی فرما دیا۔ اچھائی و برائی میں سب لوگ قریش کے پیرو ہیں یعنی معلوم ہوا کہ قریش میں نیک و بد دونوں ہیں۔ جو نیک ہوں گے انہیں کے صفات احادیث مذکورہ میں منضبط ہیں۔

اہل اسلام کے نقطۂ نظر کے مطابق پیغمبر اسلام کی یہ مسلم الثبوت حدیث ہے کہ میرے بعد وہی خلیفہ ہوں گے جو قریش سے ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ قریش سے علاوہ کسی اور قبیلہ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض محال کوئی دوسرا جو قریش سے نہ ہو خلیفہ بن بھی بیٹھے تو لوگوں کو اسے ہمارا خلیفہ نہ ماننا چاہیئے۔ مگر یہ سوال البتہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کل قریش مستحق خلافت ہیں۔ یا بعض ان میں سے ظاہر ہے کہ کل قریش خلیفہ ہو نہیں سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اکثر ان میں کفار بھی ہیں۔ پس ماننا پڑے گا کہ بعض قریش خلیفہ ہوں گے۔

افراد تھے جو ہر طرح پاک و پاکیزہ تھے اور قلب محمدی در اصل انھیں کے سینوں میں تھا۔

ان تاریخی شواہد کے بعد حق خلافت کے تعین کے لئے لازمی ہے کہ یہ تحقیق کی جائے کہ قریش سے مراد کون لوگ ہیں۔ محققین علم انساب عرب میں ان امر میں شدید اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے خیال میں صرف جناب قصیٰ کی نسل قریش ہے۔ دوسرے مکتبہ فکر کے چند مورخین کے نقطۂ نظر سے ان کے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر صرف قصیٰ کی نسل قریش کہلائے گی تو ان کے اور بھائیوں یا بزرگوں کی اولاد قریش سے خارج سمجھی جائے۔ اور اگر فہر کی کل نسل قریش کہی جائے گی تو ان کی نسل کے سب لوگ قریش تسلیم کئے جائیں گے اور حدیث بالا کی روشنی میں مستحق خلافت بھی ہوں گے

جو لوگ اس بات کے دعویدار ہیں۔ قریش صرف قصیٰ کی اولاد ہیں۔ ان میں بڑے بڑے مورخین، محققین علم انساب ہیں۔ علامہ ابن عبد ربہ قدیم نسب دان ادیب اور مورخ ہیں وہ عقد فرید جلد ۲ ص۳۸ پر رقمطراز ہیں۔

"عربوں کو قصیٰ بن کلاب نے جمع کیا اسی وجہ سے وہ سب قریش کہلائے تقرش کے معنی اچھی طرح جمع کرنے کے ہیں اور قصیٰ کو لوگ خوب جمع کرنے والا کہتے تھے۔ انہیں کے بارے میں شاعر نے کہا کہ "تمھارے باپ قصیٰ کو لوگ جمع کرنے والا کہتے تھے کیوں کہ انھیں کے ذریعہ اللہ نے فہر کے قبیلوں کو جمع کیا۔

مولانا شبلی قدرے تفصیل سے تحریر فرماتے ہیں کہ قصیٰ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل ان ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ عبد ربہ نے عقد فرید میں بھی لکھا ہے کہ یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصیٰ نے چونکہ خاندان کو جمع کرکے کعبے کے پاس آباد کیا۔ اسی لئے انکو قریش کہنے لگے کیونکہ تقرش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بنا پر انھیں مجمع بھی کہتے ہیں۔

قصیٰ بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اوّل مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ لغایۃ ۴۲ پر ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں قصیٰ نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اسی لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قصیٰ بہت بڑے سردار تھے۔ اس لئے ان کو مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصیٰ یا کسی خاص شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ جلد ۱ ص۱۱۹)

تحقیق قریش کے سلسلے میں اگر جملہ مورخین و محققین کا تذکرہ کیا جائے تو ناخوشگوار طول ہوگا۔ لہٰذا صرف دو مورخین علامہ ابن اثیر جزری اور علامہ طبری کے اقوال پیش کرتا ہوں کیونکہ یہ سربرآوردہ مورخین اسلامی مورخوں میں سب سے معتبر مانے جاتے ہیں۔

علامہ ابن اثیر تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۰ پر رقمطراز ہیں لوگوں کا بیان ہے کہ عرب کو قصیٰ نے جمع کیا۔ تب ان لوگوں کو قریش کہنے لگے۔ تقرش کے معنی جمع ہونا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ قصیٰ جب حرم کے سردار ہوئے اور بہت اچھے کام کئے تو لوگ ان کو قرشی کہنے لگے اور پہلی مرتبہ یہ نام انہیں قصیٰ کا رکھا گیا اور یہ لفظ اجتماع سے نکلا ہے۔ یعنی قصیٰ میں اچھی صفتیں جمع تھیں اس لئے قریشی کہے گئے۔

علامہ ابن جریر طبری تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۱۸۸ پر لکھتے ہیں۔

خاندان بنی امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے محمد ابن بشیر سے پوچھا قریش کا یہ نام کب سے پڑا۔ اس نے کہا جب یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم میں اکٹھا ہوئے۔

صحبت میں شعر و شاعری کا مذکور تھا۔ ارباب جلسہ میں سے کوئی کسی شاعر کو تمام شعراء پر ترجیح دیتا تھا کوئی کسی کو میں پہونچا تو حضرت عمر نے میری طرف اشارہ کر کے حاضرین جلسہ سے کہا۔ یہ اس معاملہ میں تم سب سے زیادہ واقف ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا۔ ہاں تمھارے نزدیک سخنوران عرب میں کون اشعر الشعراء ہے۔ میں نے کہا۔ زہیر ابن ابی سلمیٰ۔ حضرت عمر بولے اپنے دعوئی کے ثبوت میں زہیر کا کلام پیش کرو۔ میں نے اشعار پیش کئے۔ حضرت عمر نے کہا در حقیقت بہت اچھا کہتا تھا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ کوئی قوم بنی ہاشم خاندان رسولؐ کے سوا اس مدح کے سزاوار نہیں۔ عبداللہ نے کہا۔ آپ سچ فرماتے ہیں اور آپ ہمیشہ صدق مقال میں موفق رہے۔ حضرت عمر نے کہا۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہؐ کے بعد کس خیال نے قوم کو تمہاری خلافت تسلیم کرنے سے باز رکھا۔ عبداللہ نے یہ گفتگو پسند نہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو آپ ارشاد فرمائیں۔ حضرت عمر نے کہا۔ سنو قوم نے اسے پسند نہ کیا کہ خلافت اور نبوت دونوں تمھارے ہی خاندان میں رہیں۔ چنانچہ تمھیں علیحدہ کر کے قریش نے خلافت کو اپنے اختیار میں کر لیا اور اس باب میں قریش کی رائے صائب بھی تھی عبداللہ نے کہا اگر اجازت دیجئے اور خفا نہ ہوں تو کچھ عرض کروں۔ حضرت عمر نے کہا کہو۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ آپ کا یہ ارشاد کہ قریش اپنے لئے خلافت اختیار کرنے میں مصیب اور موفق تھے صحیح نہیں ہے البتہ اس وقت صحیح ہوتا کہ خدائے عزوجل بھی ان کو خلافت کے لئے اختیار کرتا اور اس کا مستحق قرار دیتا۔ اب رہا یہ کہ قریش نے ہم میں خلافت و نبوت کے جمع ہونے کو ناپسند کیا۔ اس کے متعلق یہ عرض کروں گا کہ خداوند عالم ایک قوم کی نبوت ناپسند آنے کے بارے میں فرماتا ہے۔

ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم۔ حضرت عمر نے یہ سنکر کہا۔ بہیات قسم ہے خدا کی اے ابن عباسؓ تمھاری بعض باتیں مجھے معلوم ہوا کرتی ہیں مگر میں اس لئے چھان بین نہیں کرتا کہ کہیں تمھاری وقعت میرے دل سے زائل نہ ہو جائے۔ حضرت عبداللہ نے کہا فرمائیے تو سہی وہ کون سی باتیں ہیں۔ اگر وہ باتیں درست اور بجا ہیں تو آپ کے دل سے میری منزلت زائل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر وہ اقوال باطل ہیں تو ان سے میں اجتناب کروں گا۔ حضرت عمر نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کہتے ہو حسداً اور ظلماً بنی ہاشم سے لوگوں نے خلافت چھین لی۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔ ظلماً یہ تو ہر جاہل و حلیم پر روشن ہے اور حسد کو کہئے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا اور ہم آدم ہی کی اولاد ہیں۔ ہم پر بھی حسد کیا گیا۔ تو کون عمل استبعاد ہے۔ حضرت عمر نے کہا افسوس ہمیشہ بنی ہاشم کے دلوں میں حسد و کدورت اور کینہ ہی بھرا رہا۔ حضرت عبداللہ نے کہا اس قوم کے دلوں کی مذمت نہ کیجئے جن سے خدا نے رجس کو دور کیا ہے اور جن کو کامل طور پر پاک کیا ہے۔ اور یہ بھی سمجھئے کہ قلب رسولؐ بھی قلوب بنی ہاشم میں محدود ہے۔ حضرت عمر نے کہا جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ عبداللہ نے کہا ابھی جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھنے لگے تو حضرت عمر کچھ نادم سے ہو کر فرمانے لگے۔ نہیں نہیں۔ بیٹھ جاؤ ابن عباس! واللہ میں تمھارے حق کی رعایت کرتا ہوں اور تمھاری خوشی کو درست رکھتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا آپ پر کیا موقوف ہے کہ ہر مسلمان پر میرا حق ہے۔ جس نے اس حق کی رعایت کی۔ اپنے حق میں اچھا کیا اور جس نے رعایت نہ کی اپنے حق میں برا کیا۔ یہ کہہ کر عبداللہ ابن عباس اٹھے اور چلے گئے۔

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے مذکورہ مکالمہ سے بھی معلوم ہوا۔ ابن عباس بھی اس امر کے قائل تھے کہ قریش میں بنی ہاشم منصب خلافت کے حقدار تھے۔ لوگوں نے حسداً اور ظلماً حق خلافت چھین لیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش کا یہ عمل خلاف منشائے باری تھا۔ اور اللہ نے بنی ہاشم کو یہ منصب جلیلہ عطا فرمایا تھا۔ ابن عباس کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بنی ہاشم میں وہ

حضرت علیؑ نے کہا: "ابو عبیدہ تم امین امت ہو اور مقتضائے امانت یہ ہے کہ گفتار، کردار دونوں راستی پر مبنی ہوں۔ دیکھو! خاندان رسالت سے اس نعمت کے چھین لینے کی فکر نہ کرو جو خدا نے اس خاندان کو عطا کی ہے۔ ہمارا ہی گھر مہبط وحی مورد امر و نہی، منبع فضل و علم اور معدن عقل و علم ہے۔ اور اس لیے ہم ہی شایان خلافت امارت ہیں۔ ابو عبیدہ بھی خاموش ہو گئے اور بشیر ابن سعد انصاری کہنے لگے۔ "اے ابوالحسن یہ قصد جو آج تم ظاہر کرتے ہو اگر اس سے پہلے لوگوں کو تمہارا یہ قصد معلوم ہوتا تو سب تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے اور کوئی مخالفت اور تنازع نہ کرتا لیکن تم تو گھر میں بیٹھے رہے اور لوگوں سے ملے تک نہیں۔ سب کو یہ گمان ہوا کہ تم خلافت سے کنارہ کش رہنے ہو۔ اور اس بارے اپنے کو سبکدوش رکھنا چاہتے ہو۔ اس پر مسلمانوں نے دوسرے کو خلیفہ بنا لیا اب اس کے بعد تم اپنی خواہش ظاہر کرتے ہو۔

حضرت علیؑ نے جواب دیا۔ بشیر! تم اس کو روا رکھتے ہو کہ میں رسول اللہؐ کے جسد اطہر اور قالب انور کو بے غسل دیئے اور تجہیز و تکفین سے فراغ حاصل کئے بغیر حکومت و خلافت کی طلب میں لوگوں سے جھگڑتا پھرتا۔ بشیر بھی دم بخود ہو گئے اور ابوبکر نے کہا۔ ابوالحسن! میرا تو یہ گمان تھا کہ تمہیں میرے ساتھ اظہار موافقت میں مضائقہ نہ ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ میری بیعت کر دو گے تو ہرگز خلافت اختیار نہ کرتا۔ اب لوگوں نے میری خلافت پر اتفاق کر لیا ہے اگر تم نے بیعت کر لی تو گویا تمہاری جانب سے جو میرا گمان تھا وہ لائق واقع ہوگا۔ اور اگر نہ چاہو تو بہتر ہے توقف کرو اور سوچ سمجھ کر۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بات کا حضرت علیؑ نے کچھ جواب نہ دیا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر چلے آئے۔ روضۃ الاحباب مقصد دوم صفحہ ۲۴، ۲۵ مطبوعہ لکھنؤ۔

اقتباس بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس بنیاد پر خلافت کا منصب حاصل کیا گیا تھا۔ جب وہی استدلال علیؑ نے پیش کیا تو کسی سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ بات واقعی لاجواب تھی۔ اگر جواب دیا جا سکتا تو موقع اس کا متقاضی تھا کہ لوگ جواب دے کر قائل کرتے۔ مگر سکوت خود کھلی ہوئی غمازی کر رہا ہے کہ حق خلافت علیؑ ہی کا تھا۔ جواب با جواب دینے کے بجائے یہ کہا گیا کہ بغیر بیعت لئے ہم نہ چھوڑیں گے۔ جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے جواب نہیں تھا۔ بلکہ محض زبردستی تھی۔

ابو عبیدہ بھی جواب دینے سے قاصر رہے بلکہ یوں کہو کہ سپر انداختہ ہو کر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ لائق خلافت و امارت علیؑ تھے۔ نیز ان کے بیان سے یہ بھی مصدق ہو گیا کہ علیؑ اول المسلمین تھے۔

حاضرین کی خاموشی نے مہر صداقت ثبت کر دی۔ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوا کہ بیعت کرنے کا مشورہ جو ابو عبیدہ دے رہے تھے وہ راستی پر مبنی نہ تھا بلکہ خلاف دیانت تھا۔ بشیر ابن سعد کی گفتگو سے یہ پتہ چلا کہ بزم سقیفہ میں علیؑ کی عدم موجودگی سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔ اور یہ باور کرا دیا گیا کہ علی خلافت کے خواہاں نہیں ہیں۔ علیؑ نے جو جواب دیا بھی محل نظر ہے اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ رسولؐ کو بے غسل و کفن چھوڑ کر قضیہ خلافت کا طے کرنا امر غیر مناسب تھا۔ نیز علیؑ نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ خلافت "من جانب اللہ" انہیں تفویض کی گئی تھی۔ علامہ ابن خلدون مغربی بھی اپنی تاریخ رملیدان العبر جلد سوم میں رقمطراز ہیں کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت کا اعتقاد تھا کہ بمقابلہ قریش ہم خلافت نبوی کے لئے مستحق ہیں۔

تاریخ طبری مطبوعہ لیڈن صفحہ ۲۷۶۹ تا ۲۷۷۱۔
اور تاریخ ابن اثیر جزری جلد ۳ صفحہ ۲۴، ۲۵۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت

وآلہ وسلم قریش میں سے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی قوم ان کی خلافت کی زیادہ مستحق ہے۔ واللہ میں تو قریش سے خلافت کے بارے میں نزاع نہ کروں گا۔ غرضکہ گروہ انصار اور حضرات شیخین میں لادنعم کا سلسلہ قائم تھا اور بڑے زور شور سے بحث ہو رہی تھی۔ حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت ابوعبیدہ جراح عبدالرحمٰن ابن عوف نے بھی ہاتھ بڑھا دیئے۔ گروہ انصار میں سب سے پہلے لپک کر بشیر ابن سعد نے بیعت کی۔ حباب ابن منذر نے یہ دیکھ کر کہا۔ بشیر! برا کیا۔ تو نے از روئے حسد سعد ابن ابو عبادہ کے خلاف یہ کارروائی کی۔ بشیر نے کہا یہ بات نہیں بلکہ میں خاندان رسولؐ کے ساتھ اس بارے میں منازعت کو پسند نہ کیا۔ اس کے بعد اسید بن حضیر نقیب قبیلہ اوس نے اپنے قبیلے والوں کو ادھارا کر بڑھ کر بیعت کرو۔ اگر قبیلہ خزرج میں سے کوئی خلیفہ ہو جائے گا تو تم کو کچھ بھی اس میں حصہ نہ ملے گا۔ اور وہ الٹے ہمیشہ تم پر تفوق و فضیلت ثابت کیا کریں گے۔ چنانچہ یہ سنکر عوام نے بلا تامل بیعت کرنا شروع کر دی۔ سعد ابن عبادہ اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ بعد ازاں ان سے جب بیعت کے واسطے کہا گیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

یہ بات عقلاً سوچنے کی ہے کہ جب انصار کے مقابلہ میں یہ حجت پیش کی گئی کہ خلافت نبوی رسولؐ اللہ کے خاندان والوں کا حق ہے تو چاہیئے تھا جو رسول کے قریب اقربا تھے۔ انھیں منصب خلافت سونپا جاتا مگر اس سلسلہ میں کسی نے اس وقت سوچا بھی نہیں۔

تاریخ کبیر طبری، تاریخ ابن اثیر جزری اور تاریخ ابوالفدا میں اتنا ضرور لکھا ہوا ملتا ہے کہ انصار نے یہ بھی کہا تھا کہ "لا نبایع الا علیاً" ہم سوائے علیؓ کے کسی کی بیعت نہ کریں گے۔ اس کا جواب کسی نے کچھ نہ دیا۔ غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے "صدائے نما ارتفعت الاصوات" یہی تھا جس کے خوف سے گھبرا کر جلدی سے دفعتہً حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا۔

حضرت ابوبکر اور ان کے طرفداروں نے انصار اور دیگر قبائل عرب کے مقابلے میں اس خصوصیت کے اعتبار سے کہ ہم قریش میں سے ہیں اور رسول اللہ بھی قریش میں سے تھے خلافت نبوی کے لئے اپنا استحقاق ظاہر کیا تھا۔ لیکن درحقیقت یہ بات خود اس امر کی قوی دلیل تھی کہ اس اعتبار سے بھی رسول خدا کے جانشین علی ابن ابی طالبؑ کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ اور تمام بنی ہاشم نے بارہا قریش کے سامنے ان کی اسی مسلمہ دلیل کو پیش کیا اور قریش کچھ جواب نہ دے سکے۔

علامہ جمال الدین محدث شافعی روضۃ الاحباب میں ایک جماعت مورخین سے نقل کرتے ہیں کہ جب عام طور پر مہاجرین و انصار حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو بعد اسکے حضرت علیؑ کو بھی حضرت ابوبکر نے ایک جلسہ خاص میں طلب کیا۔ اور جب وہ تشریف لائے تو ان سے یہ گفتگو ہوئی۔ حضرت علیؑ نے پوچھا۔ مجھے کیوں بلایا گیا ہے (حضرت عمر نے کہا اس لئے کہ جس طرح اور سب نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی آپ بھی کیجئے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ جس دلیل سے تم نے بمقابلہ انصار خلافت حاصل کی اب وہی حجت میں تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ انصاف کرو کہ آنحضرت سے میں قریب تر ہوں یا تم۔ حضرت عمر نے کہا۔ ہم آپ کو بیعت کے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ پہلے میرے سوال کا جواب دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر مجھ سے بیعت طلب کرو۔ حضرت عمر ساکت ہوئے۔ اور ابوعبیدہ نے کہا۔ بیشک اے علیؑ تم کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے تم نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ کے عزیز قریب ہو۔ اور لائق حکومت و خلافت بھی ہو لیکن اب صحابہ ابوبکر پر اتفاق کر چکے ہیں۔ یہی مناسب ہے کہ تم بھی بیعت کر لو۔

قضیۂ خلافت
"الائمۃ من قریش"
کی روشنی میں

(جناب سید باقر رضا ملتانپوری. بی. اے)

تاریخ اسلام کی یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انتخابی سرگرمیوں کے درمیان جب منکم امیر اور منا امیر کی صدائیں بلند ہوئیں اور انصار و مہاجرین کا باہمی تنازعہ طول پکڑنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کسی بزرگ کی زبان پر بیساختہ طور پر "الائمۃ من القریش" بطور حدیث پیغمبر اسلام ڈالی طور پر آیا۔ اور اتنا مفید مقصد ثابت ہوا کہ چند ہی منٹ میں پانسہ پلٹ گیا۔ اور میدان چند انصار کی محاوت سے مہاجرین کے ہاتھ آگیا اور بہ تعجیل اخذ بیعت کا کام شروع ہوگیا۔ ایک گروہ انصار البتہ غیر مطمئن رہا۔

تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶ ار امور بالا کے مؤید ہیں۔ فاضل مورخ لکھتے ہیں: "حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے انصار کے مقابلہ میں پیش کرنے کے لئے اپنے ذہن میں ایک تقریر بنا بنا کر درست کی تھی۔ جب مجمع میں پہونچکر میں تقریر کرنے کو بڑھا تو حضرت ابوبکر نے مجھے روک دیا اور خود تقریر کرنا شروع کی اور جو میں نے سوچا تھا وہ سب بیان کیا۔ حضرت ابوبکر نے اس موقع پر جو تقریر کی اس میں کچھ حمد و نعت ہے اور کچھ مہاجرین اور انصار کی تعریف پھر اس کا ذکر ہے خلافت خاص قریش کا حق ہے اور عرب سوا قریش دوسرے کی خلافت منظور نہیں کریں گے۔ انصار میں وزارت اور قریش میں امارت رہنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر کی تقریر ختم ہونے پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے تمام ارشاد کی تائید کی۔ حضرت عمر کی تائید میں تقریر سنکر جناب ابن منذر انصاری نے ایک پرجوش لہجہ میں انصار سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو سنبھلے رہو ابوبکر اور ان کے ساتھی کی باتوں میں نہ آنا تم ان سے زیادہ سزاوار خلافت ہو۔ دین خدا کی نصرت میں تمہاری ہی تلواروں نے کام دیا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر نے بگڑ کر کہا "کیسی باتیں کرتا ہے خدا تجھے قتل کرے۔" حباب نے بھی پلٹ کر انھیں جواب دیا۔ مگر فوراً ابوعبیدہ نے دونوں کو نرم کر کے معاملہ کو سنبھالا اور کہا کہ اے انصار رسول! دیکھو تم نے جس طرح سب سے پہلے دین خدا کی نصرت کی اس کے خلاف اب سب سے پہلے بدل نہ کھڑے ہو۔ اب بشیر بن سعد انصاری جو کھڑے ہو کر انصار پر اظہار دم کرنا شروع کیا اور فرمایا اے گروہ انصار خدا کی قسم اگرچہ ہم باعتبار فضلیت جہاد و سابقہ دین ان سے اولیٰ ہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ اس سے ہمارا مقصود رضائے رب و طاعت نبی اور راہ خدا میں محنت اٹھانا تھا۔ ہم اس میں حکومت و مال و متاع دنیا نہیں مانتے۔ محمد صلی اللہ علیہ

کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اپنے مقدمہ میں رسل نے لکھا ہے کہ فلسفہ کا کام بنیادی مسائل کا جواب دینا نہیں بلکہ محض اُن پر غور کرنا ہے۔ لیکن اس مطالعہ کا مقصد محض اُن پر غور کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اُن کا اُس حد تک جواب دینا بھی ہے۔ یہاں تک نہج البلاغہ کو [illegible] میں فلسفہ اسلام کہہ سکتا ہوں۔

اس موقع پر ضروری ہے کہ لفظ "مذہب" کی وضاحت کر دی جائے [illegible] مذہب کے اُس وسیع مفہوم سے کوئی دلچسپی نہیں [illegible] عقیدت [illegible] ہے کہ اب تک عالم تمام مذاہب آتے رہے ہیں۔ مذہب سے ہماری مراد محض وہ فلسفۂ حیات ہے جو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس لئے ہمارے موضوع کے حدود میں تاریخ عالم کے انسانی، سماجی مسائل، اُن کے باہمی تقابل اور اُن کی ابتداء اور ارتقاء کے مسائل نہیں آتے۔

[illegible] اُس وقت [illegible] میں نے رسل کی تاریخ فلسفہ پڑھنے کے بعد نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔ پہلی کتاب کے بعد دوسری کتاب کے مطالعہ سے ایک نہایت خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوا۔ یہ تبدیلی ذہنیت سے روحانیت کی، تشکیک و لاادریت سے ایمان و یقین کی، ذہانت و جدت طبع سے علم و عرفان کی اور شادمانی و مسرت سے روحانی سکون اور اطمینان قلب کی تبدیلی تھی۔

میں نے نہج البلاغہ پڑھنا شروع کی اور تھوڑی دیر میں دنیا بھر کی کتابوں کو بھول گیا ـــ میرے کانوں میں صدائے علیؑ کی مستحکم اور حق آشنا آواز آنے لگی ـــ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں نے علیؑ کی آواز اور اُن کے لب و لہجہ میں کسی کو خطاب کرتے ہوئے نہیں سنا۔ وہ نہج جسے امامت کا اعجاز کہنا چاہیے اُن کے اسلوب بیان کی یکسانیت ہے جس پر کبھی عام انسانی لہجہ کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔ میں کارلائل کے پیغمبرانہ لب و لہجہ سے بھی واقف ہوں۔ ملٹن کے پر شکوہ اور بلند (Sublime) اسلوب بیان سے بھی آشنا ہوں اور شیکسپیئر کی طلاقت لسان سے بھی مانوس ہوں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے کلام کے ہر حصہ میں اُس بلندی پر باقی نہیں رہتا جس کا تصور ہم نے اُس کی ذات کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ میں نے کہیں بھی اسلوب کی جلالت و شکوہ کو آورد سے، عظمت کو اظہار برتری کی کاوش سے اور طلاقت لسانی کو جذباتیت سے منزّہ نہیں پایا سوا علیؑ کے۔ علیؑ کے یہاں تحکّم ہے لیکن خود نمائی نہیں، عظمت ہے لیکن تکبر نہیں، ہیبت و جلال ہے لیکن درشتی نہیں! ـــ کتنے عادل اور کتنے کریم النفس، کتنے پُر جاہ و جلال لیکن کتنے حلیم و منکسر مزاج، عام انسانی سطح سے کتنے بلند و ارفع لیکن کتنی بھرپور انسانیت کے حامل!

نہج البلاغہ حضرت علیؑ کے خطبات، اقوال اور خطوط کا مجموعہ ہے، اس کا موضوع فلسفہ نہیں ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے زندگی کے بنیادی مسائل پر جتنا کہا ہے وہ اُس سے کہیں زیادہ ہے جو پوری تاریخ انسانی میں تمام فلسفی اب تک کہہ سکے ہیں اس لئے علیؑ کی تعلیمات کو اگر آج فلسفۂ تمدن اور علم الاخلاق کے عنوانات کے تحت مدوّن و مرتب کر کے ایک مکمل نظام حیات کی شکل میں پیش کیا جائے تو یہ اسلام اور عالم انسانیت کی ایک اعلیٰ خدمت ہوگی۔ اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوگیا تو فلسفۂ اسلام کے صحیح خط و خال سامنے آجائیں گے جن کی روشنی میں نوع انسانی پُر امن اور با مقصد زندگی بسر کر سکتی ہے۔

کا وجود ہے' یا اُن کے وجود پر ہم اس لئے عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم فطری طور پر نظم و ضبط کو پسند کرتے ہیں؟ کیا انسان ویسا ہے جیسا وہ ایک علم نجوم کے ماہر کو نظر آتا ہے یعنی غیر خالص کاربن اور پانی کا مجموعہ جو ایک چھوٹے اور غیر اہم سیارہ پر رینگ رہا ہے؟ یا وہ ویسا ہے جیسا ہملیٹ (Hamlet) کو نظر آتا ہے؟ یا انسان کے بارے میں یہ دونوں تصورات صحیح ہیں اور وہ ان کا مجموعہ ہے؟ کیا واقعی کوئی نظام عمل ایسا ہے جسے بلند و رفیع کہا جا سکے اور دوسرا ایسا ہے جسے پست سمجھا جائے یا تمام نظام ہائے زندگی یکساں طور پر عبث اور بے نتیجہ ہیں؟ اگر کوئی بلند اصول زندگی ہے تو وہ کیا ہے اور اُسے کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے؟ کیا خیر کی قدر و قیمت اس کی ابدیت کی بنا پر ہے یا اُس کی تلاش اس حقیقت کے باوجود ضروری ہے کہ کائنات ناگزیر موت کی طرف بڑھ رہی ہے؟ کیا دانش نام کی کسی شے کا وجود ہے؟ یا وہ محض حماقت کی ایک تہذیب یافتہ شکل ہے؟ ان تمام سوالات کا جواب سائنس کی تجربہ گاہ میں نہیں مل سکتا۔ الٰہیات کے الگ الگ جو نظام ہیں اُنھوں نے ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں اور وہ سب کے سب فیصلہ کن جوابات ہیں لیکن موجودہ ذہن ان جوابات کے محتتم اور فیصلہ کن ہونے ہی کی بنا پر انھیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ فلسفہ کا مقصد ان تمام سوالات کا جواب دینا نہیں بلکہ ان سوالات کا مطالعہ کرنا ہے۔"

(صفحہ ۱۱)

"فلسفۂ اسلام" اس مطالعہ کا موضوع ہے۔ ہمارا "فلسفہ" کا تصور رسل کے تصور سے بالکل مختلف ہے اس لئے یہ لفظ بالکل دوسرے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ فلسفۂ اسلام زندگی کا علم ہے اور یہ نہ صرف علم ہے بلکہ ایک بامعنی اور باشعور زندگی بسر کرنے کے فن کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ علم برائے علم کے بجائے علم برائے زندگی کا حامی ہے۔ فلسفۂ اسلام کی ابتدا بھی معرفت ہے اور انتہا بھی معرفت۔ اس لئے اس فلسفہ کی مابعد الطبیعیات بھی الٰہیات ہے اس کا سماجی فلسفہ بھی الٰہیات ہے اور اس کا فلسفۂ اخلاق بھی الٰہیات ہے۔ [illegible] کی ابتدا خود شناسی سے ہوتی ہے اور انتہا خدا پرستی پر (فقد عرف نفسہ عرف ربہ) اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دین (فلسفۂ اسلام) کی ابتدا معرفت الٰہی ہے اور وہ [illegible] میں خود شناسی و خود آگاہی کی منزل پر پہنچتا ہے (اول الدین معرفۃ) اسلامی نقطۂ نظر سے [illegible] برائے خیر کے نظریات صحیح [illegible] ہیں [illegible] اور [illegible] تجسس کا مقصد محض بامعنی زندگی بسر کرنا ہے۔ اسلامی فلسفہ کی رُو سے علم کی تمام شاخیں [illegible] گرد گھومتی ہیں تاکہ وہ [illegible] روحانی اعمال میں مقصدیت پیدا کر کے ان کو تعمیر کے رخ پر موڑ سکیں۔ تاریخ فلسفہ گواہ ہے کہ جب انسان کے تجربی رجحانات حدود و قیود سے آزاد ہو جاتے ہیں تو علم کا ہر شعبہ یہاں تک کہ علم الاخلاق بھی انسان کے لئے گمراہ کن بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کسب علم کو منع نہیں کرتا لیکن انسان کے تجربی رجحانات کی ناکہ بندی کر کے تعمیر کے حدود میں علم سے دلچسپی لینے کی تعلیم دیتا ہے۔

رسل نے کہا ہے کہ الٰہیات (Theology) نے زندگی کے بنیادی مسائل کے جو فیصلہ کن جوابات دیئے ہیں اُن کے محتتم اور فیصلہ کن ہونے ہی کی بنا پر موجودہ دور کا انسان اُنھیں شک و شبہ سے دیکھتا ہے۔ یہ تبصرہ باطل مذاہب پر صادق آتا ہے لیکن حق مذاہب پر اس

استقرائی منطق (Inductive Logic) جو تجربیت (Empiricism) کی بنیاد ہے اُس کی اپنی خامیاں ہیں۔ اُس کی بنیاد ہے مشاہدات و تجربات کے ذریعہ اعداد و شمار کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنا۔ کلیات کی تدوین کا یہ طریقہ بھی بہت اطمینان بخش نہیں ہے اس لئے کہ اس شبہہ کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے کہ اگر تجربات و مشاہدات کے دائرہ کو وسیع کیا جائے تو ممکن ہے کہ پہلے جو نتائج نکلے تھے اُن سے مختلف نتائج برآمد ہوں۔ نیز یہ کہ استقراء کا یہ اصول خود استقراء (Induction) پر مبنی نہیں ہے [illegible] عام طور پر اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ سائنس اور منطق [illegible] فطری قوانین پر مبنی ہیں جن کے مطابق ذہن انسانی کام کرتا ہے لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ کائنات کے قوانین اور ذہن انسانی کے قوانین [illegible] یہ نکلا کہ منطق پر مبنی کوئی مابعد الطبیعی [illegible] نہیں ہو سکتا۔ تمام فلسفیوں میں [illegible] یہ سمجھ کر اُس نے ایک ایسا فلسفہ مرتب کیا جو منطقی تناقض سے [illegible] خود منطق کی [illegible] ہی مشتبہ ہے، اس لئے منطقی [illegible] کسی نظام فکر [illegible] کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ فلسفہ [illegible] کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارا [illegible] ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کی کسی [illegible] جہاں تک [illegible] انسانی [illegible] کا تعلق ہے سائنس کوئی فیصلہ صادر کرنے سے قاصر ہے۔

برٹرینڈ رسل کے الفاظ میں "غیر متغیر قوانین کی تلاش انسانی فکر کے تجسس کے بہت گہرے محرکات میں سے ہے" اور مجھے کہنے دیجئے کہ ہم غیر متغیر حقائق کی جستجو میں جب فلسفہ کی طرف مڑتے ہیں تو ہمیں مایوس ہو کر واپس لوٹنا پڑتا ہے اس لئے کہ اس میں ہمیں ذہنی بھول بھلیوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

رسل اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔

"میرے نزدیک فلسفہ کا میدان الٰہیات (Theology) اور سائنس کے درمیان ہے۔ الٰہیات کی طرح اس میں بھی اُن اُمور پر بحث کی جاتی ہے جو علم کی باوثوق اور مصدقہ شاخوں کی دسترس سے باہر ہیں لیکن سائنس کی طرح اس کی بنیاد بھی سند (Authority) پر نہیں ہے بلکہ اس کا خطاب انسان کی قوت ناطقہ سے ہے۔ میرے خیال میں سارا قابل وثوق علم سائنس سے حاصل ہوتا ہے اور تمام عقائد و مسلمات (Dogma) ہمارے مصدقہ علوم کے دائرہ سے باہر ہیں اور الٰہیات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن سائنس اور الٰہیات کے بیچ میں ایک درمیانی خطہ ایسا ہے جو دونوں میں مشترک ہے یہ مشترک میدان فلسفہ کا ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے اور اس پر دونوں طرف سے حملہ ہو سکتا ہے غور و فکر کرنے والے ذہنوں کی نظر میں جو زندگی کے اہم ترین سوالات ہیں اُن کا سائنس میں کوئی جواب نہیں ملتا اور الٰہیات کے ماہرین کے جواب اب ویسے [illegible] اطمینان بخش نہیں سمجھے جاتے جتنے پچھلی صدیوں میں سمجھے جاتے تھے۔ کیا دنیا ذہن اور مادہ میں بٹی ہوئی ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو ذہن کیا ہے اور مادہ کیا ہے؟ کیا ذہن مادہ کا پابند ہے یا وہ خود مختار طاقتوں کا مالک ہے؟ کیا کائنات میں کسی قسم کی وحدت یا مقصد کو تلاش کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو ذہن کیا ہے اور مادہ کیا ہے؟ کیا کائنات ارتقاء کی منزلیں طے کر کے کسی مقصد کی طرف گامزن ہے؟ کیا واقعی قوانین فطرت

کے بھٹکنے اور خود شناسی کی غیر شعوری جدوجہد کی مسلسل کاوش اور انسان کے ناقابلِ حصول مقاصد کے حصول کی اُن تھک کوششوں کا نقشہ کھینچتی ہے۔ تمام فلسفیوں میں جو بات لائقِ ستائش ہے وہ ہے اَبدی حقائق کے ساتھ اُن کی وابستگی اور جو امر افسوسناک ہے وہ ہے اُن کی ذہنی کاوشوں میں صحیح سمت کا فقدان جس کی وجہ سے پوری تاریخِ فلسفہ مختلف نظام ہائے فکر کے جوڑ پیوند کا ایک مجموعہ بن گئی ہے جن میں ایک دوسرے میں بہت تھوڑا ربط پایا جاتا ہے۔

برٹرینڈ رسل کا نقطۂ نظر بالکل صحیح اور قابلِ قبول ہے لیکن اُس کی کامیابی ہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر نظامِ فکر محض اُس دَور کی پیداوار ہے جس میں اُس کی تخلیق ہوئی۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سماجی اور معاشی حالات کے ماتحت ہونے کی بنا پر ہر نظامِ فلسفہ لازمی طور پر تنگ نظری اور محدودیت کا شکار ہو گیا۔ اس کے علاوہ خود فلاسفہ کے میلانِ طبع اور ذوق اور رجحان نے بھی اُن کے ذہنی اُفق کو محدود بنا دیا جس کے نتیجہ میں اُن کا فلسفۂ حیات محدود ہو گیا۔

مختلف فلسفوں کی ان کوتاہیوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہر فلسفی نے علم کے اُس شعبہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی جس سے اُس کو دلچسپی تھی۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک ہمہ گیر فلسفۂ حیات سوئی کی نوک پر تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ منطق، حساب، جمالیات، نفسیات، کوئی بھی شعبۂ علم ہو اُس کی اس وسیع و بسیط کائنات کے مقابلہ میں ایک سوئی کی نوک سے زیادہ بساط نہیں ہے اور پھر خالقِ کائنات کی اُس ناقابلِ تصور جلالت کے سامنے تمام موجودات کی کوئی حقیقت نہیں ہے جو اس پوری کائنات پر محیط ہے اور اس کے حکیمانہ نظم و نسق کو برقرار رکھتی ہے رسل (Russell) کا شکوہ بالکل بجا ہے کہ پارمینڈیز (Parmenides)، افلاطون (Plato)، اسپنوزا (Spinoza)، لیبنز (Leibniz) سے ہیگل (Hegel) تک بعض بلند مرتبہ فلسفیوں نے مابعد الطبیعات کی بنیاد منطق پر رکھی۔ اسی طرح کچھ فلسفیوں نے حساب اور اقلیدس کو فلسفہ اور الٰہیات کا سنگِ اساس بنایا ہے رسل کہتا ہے:-

"زمان اور ابدیت کے متعلق تصوف کے بہت سے نظریات مجرد حساب پر مبنی ہیں اس لئے کہ حسابی دھارتوں مثلاً اعداد کی اگر کوئی حقیقت ہے تو وہ ابدی ہیں اور نہ زمان کے حدود میں نہیں ہیں ایسی ابدی اشیا۔ کا تصور خدا کے تصورات کی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے افلاطون کا عقیدہ تھا کہ خدا اقلیدس کا ماہر ہے اور سر جیمس جینس (Sir James Jeans) کا عقیدہ ہے کہ خدا ریاضی سے دلچسپی رکھتا ہے"

(ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی ص۵۵)

"شخصی مذہب جوش و از خود رفتگی (ecstasy) اور الٰہیات علمِ حساب سے ماخوذ ہیں اور دونوں فیثاغورث (Pythagoras) کے یہاں پائے جاتے ہیں" (ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی ص۵۵)

جب ہم فکر کی بنیادوں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ کا بڑا حصہ الفاظ کی بازیگری اور منطقی شعبدہ کاری پر مبنی ہے اور اُس نے ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ استخراجی منطق (Deductive Logic) علمِ حساب کی طرح ایسے کلیات پر مبنی ہے جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی لیکن یہ بات بالکل واضح نہیں ہے کہ ان کلیات کو بغیر کسی دلیل کے مسلمات میں داخل کیوں سمجھ لیا جائے نیز منطق کی اس شاخ کو کلیات سے نتائج اخذ کرنے کے لئے تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی مدد سے نئے حقائق کا انکشاف نہیں کیا جا سکتا۔

ہر رگ و ریشہ میں زندگی کا خون دوڑنے لگے عقلی توانائی کا ایک شاہکار ہے ـــ اس کا مصنف ہمارے عصر کا سقراط ہے"۔ (اے۔ ایل۔ راؤز)

اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس نے ایک ایسا دروازہ کھول دیا ہے جس میں جھانک کر میں مغرب کی پوری ماضی کی تاریخ کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہوں۔ محض اتنا ہی نہیں رسل کے ذہن رسا کی روشنی میں صاف نظر آجاتا ہے کہ عظیم فلاسفہ کا ذہن کن خطوط پر کام کرتا ہے اور ان کا اپنے دور کے ذہنی ماحول اور اپنے تاریخی عہد سے کیا ربط ہے۔ یہ پرجوش جیالے حق متفکرین قابل تعریف بھی ہیں اور لائق رحم بھی ـــ تعریف اس استقامت کے لئے کہ بغیر فلاسفہ کے بلند اور دشوار گزار پہاڑ پر چڑھنا ممکن نہیں اور رحم یہ دیکھ کر کہ کیسے کیسے عظیم فلسفی کس طرح جہل و گمراہی کے تاریک غاروں میں گر گئے۔ اس کتاب نے ماضی کے دبیز پردوں کو چیر کر گویا مجھے عالم رویا میں پہنچا دیا اور میں نے دیکھا کہ سقراط ایتھنز (Athens) کے نوجوانوں سے ہمکلام ہے اور انھیں اخلاق کا درس دے رہا ہے۔ افلاطون مثالیت (Idealism) کی فضا میں ایک فرشتہ کی طرح اپنے چمکدار پروں کو جنبش دے کر اڑنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے، ارسطو عالم حقیقی (Real World) سے افلاطون کے تصورات (Ideas) کو اس مادی دنیا میں واپس لاکر ان کو مادیت کا جامہ پہنا رہا ہے۔ ڈیکارٹ (Descartes) خود اپنے وجود کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے با آواز بلند سوچ رہا ہے" میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں"۔ برکلے (Berkley) اپنے ذہن میں اپنے آپ کو مقید کئے ہوئے اپنے ذہن کے علاوہ کسی شے کے متعلق کچھ بھی جاننے سے انکار کر رہا ہے۔ ہیوم (Hume) ایک پہاڑ کی چوٹی پر شکست بیٹھا ہوا ہے اور چاروں طرف سے خود اس کے ذہن کی پیدا کردہ گہری دھند اسے گھیرے ہوئے ہے اور وہ شکایت کر رہا ہے کہ اسے کوئی شے نظر نہیں آتی، پروفیسر کانٹ (Professor Kant) اخلاقیات پر لیکچر دے رہا ہے اور اپنے طلباء کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اخلاق کے ان مطلق اصول (Categorical Imperative) کی پیروی کریں جن کا پیدائشی طور پر علم حاصل ہونے کا وہ دعویدار تھا، ہیگل (Hegel) عمل (Thesis) اور رد عمل (Antithesis) کے مثبت اور منفی اصول کے تانے بانے کو ترکیب (Synthesis) دے کر خوابوں کی ایک حسین دنیا بن رہا ہے۔ شوپن ہاور (Schopenhauer) شوخ پوشاک میں ملبوس نہایت خوش و خرم قنوطیت اور یاسیت کے اس تاریک اور پرہول غار کے دہانے پر لڑکھڑا رہا ہے جہاں اس کا اندھا ارادہ (Blind Will) اسے لے گیا تھا۔ نیٹشے (Nietzche)' پاگل پیغمبر' عالم جنون میں اپنے مافوق البشر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے' کارل مارکس (Karl Marx) ہیگل کے خواب کے اس مادی دنیا میں شرمندۂ تعبیر ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے اس مفروضہ کی بنیاد پر کہ ہیگل کے تصوراتی عالم کے متضاد عناصر کے تصادم اور ترکیب پر مبنی اصول ارتقا (Dialectics) اس مادی دنیا میں بھی کارفرما ہے۔ برگساں (Bergson) قوت حیات (Life Force) کی تحریک پر ایک مکڑی کی طرح غیر عقلیت (Irrationalism) کا ایک خوبصورت جال تان کر اس میں چھپا ہوا ہے تاکہ عقل کے حملوں سے محفوظ رہ سکے، اور ولیم جیمس William James خدا کو ایک حقیقت سمجھ کر ماننے کے بجائے محض خدا کے عقیدہ کو مفید سمجھ کر اختیار کرنے کی تلقین کر کے اس بات کا مدعی ہے کہ اس سے بھی بالکل یکساں نتائج مرتب ہوں گے :

رسل کی تاریخ اسرار کائنات کی ظلمتوں میں ذہن انسانی

فلسفۂ اسلام
نہج البلاغہ کی روشنی میں[1]

(جناب شہین صفی پوری۔ ایم۔ اے)

مقدمہ

نہج البلاغہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے خطبات، خطوط اور اُن کے اقوال کا مستند مجموعہ ہے جس کو ممتاز شیعہ عالم سید رضیؒ (م ۴۰۶ھ) نے ترتیب فرمایا۔ حضرت علیؑ اُس الہامی علم کے وارث تھے جس کا سرچشمہ خود پیغمبر اسلام تھے۔ اسلام کی حقیقی روح کے نظر کی حیثیت سے حضرت علیؑ کی اہمیت کی تصدیق رسولِ اسلامؐ کی اُس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" "میں شہر علم ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں"۔ اسلام کے فلسفہ کو پیغمبر اسلام سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اور اگر ہم اُسے اُسی طرح سمجھنا چاہیں جس طرح رسول سمجھتے تھے تو نہج البلاغہ کے علاوہ اُس تک ہماری رسائی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

حسن اتفاق کہ اس طرف مجھے نہج البلاغہ اور لارڈ برٹرینڈ رسل (Lord Bertrand Russell) کی ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی (A History of Western Philosophy) پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ دونوں کتابیں اپنی اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے بہت متاثر کرنے والی ہیں۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی یا اس کے نامور مصنف کو تعارف کی ضرورت نہیں۔ محقق ڈاکٹر جولین ہکسلے (Dr. Julian Huxley) اور اے۔ ایل راؤز (A. L. Rowse) کے یہ تبصرے ان دونوں کی اہمیت اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

"جہاں تک میں واقف ہوں، برٹرنڈ رسل کی یہ گرانقدر تصنیف مغربی فلسفہ کی تاریخ کو اس کے سماجی اور سیاسی پس منظر میں پیش کرنے کی پہلی کاوش ہے۔ اس حیثیت سے، نیز بدلتے ہوئے فلسفیانہ افکار کی تاریخی تفسیر کی حیثیت سے یہ کتاب مستحق ہے کہ اس کا مطالعہ وسیع حلقوں میں کیا جائے۔"

(ڈاکٹر جولین ہکسلے)

"مغربی فلسفہ کا ماحول سے ربط قائم کر کے جائزہ اس باریک بینی اور وسعت نظر کے ساتھ کہ اس کے

---

[1] زیر تصنیف کتاب کا مقدمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔



ہم کو بھی ایک سجدۂ شکرانہ چاہیئے

(جناب نواب مرتضیٰ حسین خاں صاحب ضوؔ لکھنوی)

فصلِ بہار آگئی اب کیا نہ چاہیئے
جام و سبو و شیشہ و پیمانہ چاہیئے

جی چاہتا ہے شکوۂ جور و جفا کروں
پھر دل میں سوچتا ہوں کہ ایسا نہ چاہیئے

کیا کہہ رہا ہے دیکھ کے کہہ رہا ہے تو
کچھ امتیاز بھی دلِ دیوانہ چاہیئے

دیکھے ہوئے ہوں میں تجھے اے پیکرِ جمال
جب آنکھ لڑ چکی ہو تو پردا نہ چاہیئے

کعبہ کو سج دے آج تو اے تیرھویں رجب
کوئی مکین زینتِ کاشانہ چاہیئے

پڑھ کر درود لیتا ہوں ساقی کا اپنے نام
رندوں میں شور نعرۂ مستانہ چاہیئے

ساقی ہے اپنا ساقیٔ تسنیم و سلسبیل
نام اس کا بے وضو کبھی لینا نہ چاہیئے

پینے کو جس کے در پہ خود آتے ہوں انبیا
اس مرتبہ کا ساقیٔ میخانہ چاہیئے

کعبہ صدف بنا ہے کہ کچھ حق ادا کرے
تاجِ نبیؐ کو گوہرِ یکدانہ چاہیئے

آئے علیؑ چمک گئے اسلام کے نصیب
جشنِ سرور و زینتِ کاشانہ چاہیئے

سجدے کریں گے جس کو نصیری وہ آگیا
ہم کو بھی ایک سجدۂ شکرانہ چاہیئے

محوِ جمالِ پاکِ رسالتؐ تھے مرتضیٰ
ہر شمع کے لئے کوئی پروانہ چاہیئے

پست انبیاء ہیں رتبۂ حیدرؑ کے سامنے
بندہ کا اوج اس سے زیادہ نہ چاہیئے

غالب تمام کفر پہ ایمانِ کل ہوا
شیرِ خدا کی چال بھی شیرانہ چاہیئے

سوئے ہیں نفسِ نبیؐ کے ہجرت کی شب علیؑ
اب جان کیسی جان کی پروا نہ چاہیئے

خیبر میں کہہ رہا تھا پلٹتا ہوا علم
آنا ہو یوں تو جنگ پہ جانا نہ چاہیئے

اکثر نڈر اعداء سے لڑتے تھے مرتضیٰ
مردوں کو صرف ہمتِ مردانہ چاہیئے

اے ضوؔ ترے کفیل ہیں مشکل کشائے خلق
تجھ کو کسی طرح کا بھی خطرا نہ چاہیئے

علوی سیادت کے سلسلہ میں آپ سے دریافت طلب ہوا آپ نے فرمایا۔ خون اولاد حسینؑ تو خونخوار جانوروں پر حرام ہے تم درندوں اس پر چھوڑ دو اگر یہ سیدانی ہوگی تو درندے اس کا کچھ نہ کریں گے یہ دیکھتے ہی وہ عورت کانپنے لگی اور اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا۔ متوکل سے لوگوں نے کہا کہ ابو امام علی نقیؑ کے ارشاد کا تجربہ خود انھیں پر کرکے دیکھ لے۔ متوکل نے تین درندے قصر کے صحن میں چھوڑ دا دئے اور امام کو اس میں چھوڑ دیا گیا۔ متوکل مع اپنے درباریوں کے [illegible] کے ہمراہ چھت سے تماشہ دیکھنے لگا درندے آئے اور امامؑ کے قدموں پر [illegible] گر کر [illegible] کرنے لگے۔ یا وہ درگذر کے خواہاں تھے۔ متوکل شرمندہ ہوا یہ واقعہ [illegible] اور فصل الخطاب میں باختلاف عبارت درج ہے

جاسوس غلط اور جھوٹی مخبری کر کے انعام لیتے رہے امام پر سختیاں ہوتی رہیں یہ اور بات ہے کہ علوم و معارف کی اشاعت کے سوا آپ کا دوسرا جرم نہ تھا بالآخر معتز کے ہاتھوں آپ نے جام شہادت پیا لیکن مکمل ۳۵ برس تک امت کے فرائض انجام دیئے ہیں زمانہ میں آپ نے رہبری کے اپنے زریں اسلوب و طریقۂ کار سے اتنا کچھ دیا ہے کہ رہتی دنیا تک کے لیے۔ آپ کے اقوال و ارشادات مشعل فکر و نظر کا کام دیں گے۔ ——— کاش دنیا ان افراد کو موقع دیتی کہ وہ زمانہ میں اجالا لانے اور ہمیں مانگے کے اجالے کی ضرورت نہ پڑتی چار دانگ عالم میں اسلام کی روشنی پھیل جاتی ایک دین ہوتا اور ایک فکر ایک راستہ ہوتا اور ایک منزل نہ کوئی رہزن ہوتا نہ کوئی ڈاکو نہ ظالم ہوتا نہ مظلوم ———

حضرت علیؑ کا مکتوب

ایک سپہ سالار کے نام

اگر وہ سرکش اطاعت کی ٹھنڈک کی طرف لوٹ آئیں تو ہمیں یہی پسند ہے لیکن اگر پھوٹ اور بغاوت پر ان کے دل جم چکے ہیں تو جو لوگ تمہاری فرماں برداری کا دم بھرتے ہیں انھیں لے کر نافرمانوں کی سرکوبی پر اٹھ کھڑے ہو۔ دیکھو جو دل سے تمہارے ساتھ ہیں انھیں سے کام لینا جو تم سے بدسلوکی کر رہے ہیں ان کی پرواہ نہ کرنا۔ جو شخص خوش دلی سے ہمارے ساتھ نہیں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ اس کا بیٹھ رہنا کھڑے ہونے سے زیادہ مفید ہے۔

۱؎ عثمان بن حنیف ۱۲

کا فانوس بھی ٹوٹ گیا۔ اب دنیا پھر اس موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی جہاں تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں برائیاں ہی برائیاں تھیں۔ پھر امام محمد تقی کے بعد آپ کے فرزند ارجمند امام علی نقی نے قانون امامت کے فرائض کی ذمہ داری سنبھالی۔

امام علی نقی علیہ السلام

۵ رجب ۲۱۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۳ رجب ۲۵۴ ہجری کو زہر سے شہید ہوئے اور بمقام سرمن رائے دفن ہوئے۔ آپ کو معتز باللہ نے زہر دیا تھا آپ بھی اپنے پدر عالی قدر کی طرح کم سنی ہی میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے امام محمد تقیؑ کی وفات کے وقت آپ کا سن مبارک زیادہ سے زیادہ چھ برس کا تھا آپ کے عدیم المثال ارشادات و اقوال فلسفہ اسلامی اور احکام شریعت الٰہی کے متعلق کتب فریقین میں مختلف طور پر پائے جاتے ہیں وہ جہاں آپ کی منفرد جامعیت اعظمت و صلاحیت و قابلیت کو ثابت کرتی ہے وہاں اس کا اعلان بھی ہے ائمہ اہل بیت تعلیم و تربیت کے محتاج نہیں۔ معتصم آپ سے نہیں الجھا اس لئے کہ کردیوں کا گرد و پیش اور تاریک ریشہ دوانیاں معتصم کے لئے دردسر بنی ہوئی تھیں۔ اسے اپنے تاج و تخت کا سنبھالنا ہی دشوار ہو رہا تھا ادھر عباسیوں نے عباس بن مامون کو ملا کر معتصم کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنا لیا تھا مگر بروقت کی مخبری نے اس کے تخت کو بچا لیا یہ اور اسی قسم کی دیگر کشمکش نے اس وقت کے امراء و سلاطین کو الجھا رکھا تھا۔ جس کے باعث امام کو موقع ملا اور آپ نے مدینہ میں سولہ سال تک بھرپور رشد و ہدایت اور اشاعت مذہب حقہ میں گذارے آل محمدؐ کے لئے یہ موقع کم نہ تھا آپ کی بے مثال علمی وجاہت کی شہرت آفاقیت حاصل کر گئی اور عراق و مصر و حجاز یمن و فارس الجزائر کے تشنگان علوم و معارف آپ کے پاس استفادہ استفاضہ کے لئے جوق در جوق آنے لگے درسگاہ کا روز افزوں عروج حریص و طماع افراد کیسے کب برداشت کر سکتے تھے بہزار فریب و مکاری امام کو متوکل نے مدینہ سے اپنے پاس سامرہ بلوا لیا۔ راستے کے سلسلہ میں آپ کا معجز نما ارشاد کہ جاڑے کا سامان ساتھ لے چلو یحییٰ بن ہرثمہ کے ایمان و اعتقاد میں روح پرور انقلاب کا باعث بن گیا۔ متوکل نے وہی کیا جو اسے خاندانی طور سے ورثہ میں ملا تھا۔ مگر آپ نے نہ اظہار ناراضگی و ناپسندیدگی کیا اور نہ کسی طرح کا گلہ نہ شکایت بلکہ بکمال اطمینان و کشادہ پیشانی رضا بقضا شد و تسلیماً لامرہ کہہ کر متوکل کے مقرر کردہ ویرانے میں اتر پڑے آپ کی معجز نما ذات کے کرامات نے یہاں بھی ایمان پرور انقلاب کا ماحول پیدا کر دیا۔ اور پھر آپ نظر بند کر لیے گئے مگر داروغہ زندان ہی آپ کے علم و فضل و کمال کی شہرت کا ذریعہ بن گیا۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا دیکھو تو میرا قیدی کیسا ہے آج تک ایسا قیدی نگاہوں سے نہیں گزرا مسلسل چودہ سال اسی قید و بند میں گذرے۔ پھر رہائی ہوئی مگر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رہائی تھی یا قید سے بھی بدتر صورت تھی ہر لمحہ جان پر آن بنی فریب و مکر امام سے ایک نہ پاس پا سکا۔

زینب کذابہ اور امام علی نقیؑ

علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ متوکل کے زمانہ میں ایک عورت نے سیدانی ہونے کا دعویٰ کیا متوکل نے کہا کیسے تسلیم کیا جائے کہ تو سیدانی ہے لوگوں نے کہا کہ امام علی نقیؑ سے پوچھو۔ متوکل نے آپ کو طلب کیا اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور اس عورت

کہا جائے تو بے جا نہیں علم تفسیر، جعفر و رمل، علم کیمیا، [illegible] بات و طبعیات، حیوانات و حیاتیات کی جڑیں مل [illegible] کی جائیں تو اس کا اختتام آپ ہی پر ہوگا۔ یہ بھی آپ کو موقع مل گیا تھا۔ بنو عباس و بنو امیہ کی اس کشمکش کے نتیجہ میں ورنہ وہ آپ کو اتنا موقع کہاں دیتے اور جب موقع ملا تو پھر شیر کے کٹہرے، قید خانے اور سرکش گھوڑوں کے ذریعہ آپ کی شمع حیات بجھانے کی کوششیں شروع ہو گئیں اور آخر میں گھوڑے کی زہر آلود زین پر آپ کو بٹھا کر علوم و معارف کی شمع کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھا دیا گیا مگر آپ نے فکر و نظر کے جیسے سوتے نکال دیئے تھے دنیا آپ کو ختم کر کے بھی انھیں نہ بند کر سکی ــــ امام آواز دیتے گئے تھے ــــ

قافلے والے بے خطر گذر جائیں۔ ہم نے ہر سو جلا دیئے ہیں چراغ

یہ تھے امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کی مختصر ترین تاریخ جس پر تاریخ جتنا بھی فخر کرے کم ہے

امام محمد تقی علیہ السلام :۔ آپ پیغمبر اسلام کے نویں جانشین اور شیعوں کے نویں امام ہیں دس رجب ۱۹۵ ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے معتصم باللہ نے ۲۹ ذیقعدہ ۲۲۰ ہجری کو آپ کو زہر دے دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوگئی علامہ شبلنجی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ آپ صغیر السن تھے مگر عالی قدر تھے آپ کی عزت بلند اور فضائل کثرت سے تھے (نور الابصار ص ۱۶۱) محدث جمال الدین نے لکھا ہے کہ امام علی رضا کے پانچ صاحبزادے تھے محمد تقی، حسن، جعفر، ابراہیم، حسین، (روضہ احباب) ان سب میں اجل و افضل، امام محمد تقی علیہ السلام تھے (صواعق محرقہ) ص ۱۲۳

حضرت امام رضا کی شہادت کے ایک سال بعد کا واقعہ ہے کہ آپ بغداد کی کسی گذرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور دوسرے لڑکے بھی وہاں کھیل رہے تھے اتفاقاً خلیفہ مامون کی سواری آتی دکھائی دی سب لڑکے ڈر کر بھاگ گئے مگر حضرت محمد تقی اسی طرح پورے اطمینان کے ساتھ کھڑے رہے آپ کی عمر اس وقت نو سال کی تھی ــــ جب مامون کی سواری وہاں پہونچی تو اس نے حضرت سے مخاطب ہو کر کہا اے بچے تم کیوں نہیں بھاگے حضرت نے بڑے اطمینان سے جواب دیا میرے کھڑے رہنے سے راستہ تنگ نہ تھا جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا۔ میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا تھا جو خوف زدہ ہوتا دوسرے میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہونچاتے۔ مامون کو حضرت کا انداز بہت پسند آیا اور اس نے پوچھا کہ صاحبزادے تمھارا نام کیا ہے حضرت نے فرمایا محمد بن علی الرضا اس کے بعد مامون آگے بڑھ گیا اس کے پاس شکاری باز بھی تھے جب وہ شہر سے باہر نکل آیا تو اس نے باز کو ایک چکو پر چھوڑا باز غائب ہو گیا اور جب آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت خوش ہوا تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف لوٹا تو اس نے حضرت محمد تقی کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے لڑکے پھر بھاگ گئے آپ اسی طرح کھڑے رہے جب مامون قریب آیا تو مٹھی بند کر کے حضرت سے بولا بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے حضرت نے فرمایا اللہ آسمان کی بلندیوں میں اپنے قدرت کے دریا خلق کئے ہیں اور اس میں مچھلیاں پیدا کی گئی ہیں سلاطین اپنے بازوں سے ان مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں ہم آل محمد کا امتحان لیتے ہیں مامون یہ معجز بیانی دیکھ کر بولا بیشک تم امام علی الرضا کے فرزند ہو ــــ یحییٰ ابن اکثم کے بھر پور مسکت جوابات آج بھی علی الاعلان پکار رہے ہیں الامام امام ولو کان صبیا ــــ نتیجہ ظاہر جہل علم کو برداشت نہ کر سکا بے وفا دے عہد وفاداری کے مجسمہ کو قبول نہ کر سکا اور امام کو معتصم نے زہر دے دیا۔ اس طرح شمع امامت

سے روایت ہے کہ میں نے کسی سامنے بڑے سے بڑے عالم کو چھوٹا نہیں پایا جیسا کہ امام محمد باقرؑ کے سامنے ان کے زمانہ کے علماء کو پایا۔ پیغمبر اسلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے مودۃ القربیٰ، مناقب، روضۃ الاحباب، مجمع البحرین، میں سب کے نام با تفصیل لکھے ہیں پہلے علیؑ پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر زین العابدینؑ پھر محمد باقرؑ پھر جعفر صادقؑ پھر موسیٰ کاظمؑ پھر علی رضاؑ پھر محمد تقیؑ پھر علی نقیؑ پھر حسن عسکریؑ، پھر ان کے صاحبزادے محمد المہدی علیہ السلام (عجل اللہ تعالیٰ ظہورہ) ہوں گے جن کا لقب قائم اور حجۃ ہے جو غیبت فرما گئے۔ (مناقب شہر آشوب)

کور باطن جاہل دور عرب جو دنیا آکر آنکھیں کھول کر حقائق کا پتہ نہ لیتی تو نہ جانے ہم تو آج کی دور میں کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہوتے۔ اختلافات کی خلیج نے صرف ملت کو الگ فرقوں اور خانوں ہی میں نہیں بانٹا بلکہ انھیں آپس میں الجھا بھی دیا ہے اسلام کا ہر فرقہ اپنے فرقے کو صحیح ثابت کرنے کی فکر میں ایسے بھی فراموش کر بیٹھا کہ ہماری کوششیں سرے سے اسلام ہی کو نیست و نابود کر دیں گی اس گردش نے مسلمانوں کے ذہنی اور تعمیری صلاحیتوں کو یکسر ختم کر دیا ہے اور جو دنیا پر چھایا تھا زوال پر چھا گیا۔ جو زمانہ فتح کرنے آیا تھا وہ خود مفتوح ہو گیا پیغمبر اسلام نے پہلے ہی گویا اسی لئے فرما دی تھی تاکہ میرا کچھ نہیں ... تو یہ بات کیوں نہ ہو اختلاف ... منکرین ... ۔

واقعہ کربلا ہو چکا ہے ... دوسری طرف حکومتوں میں ... بنو امیہ سے حکومت چھین لینے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں بڑی خاموشی کے ساتھ آپ اپنے دادا بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام کے پہلو بہ پہلو مسائل شریعت حل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ باپ زہر کا پیالہ پی کر حفاظت شریعت کا بوجھ آپ کے کاندھے پر ڈال کر دار فانی سے کوچ کر گیا۔ زمانے میں چاروں طرف اندھیرا ہے خوان حسین کے نام پر دوسری حکومتوں کی بنیاد ڈال رہے ہیں امام چاہتے تو بدرجہ اول حکومت قائم کر سکتے تھے ٹھکرا کر بتایا میرے دادا نے حکومت کی خاطر قربانیاں نہیں دی ہیں جس کے لئے جانیں دی گئی ہیں اسی میں آبیاری کروں گا بحث و نظر کی مجلس آرائی کی، علم و فکر کا درس کھولی قرآنی اور فلسفہ ربانی کی تعلیم شروع کی تشنگان علوم جوق در جوق آنے لگے بیک وقت چار ہزار طلاب آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے جو یہ کہتے ہوئے اٹھتے تھے ہم سے یہ امام محمد باقر علیہ السلام نے بیان کیا ہے ـــ علمی تشنگی کا یہ عالم تھا کہ اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا جا چکا تھا ریکارڈ نامہ بھی علم دشمن اور جہل دوست مسلمانوں ہی نے انجام دیا ہے۔ فلسلا کی یونیورسٹی ختم ہو چکی تھی۔ ایران تہی دست تھا۔ چین بے چین تھا۔ عرب جو کبھی گہوارہ علم تھا اسکی آغوش خالی ہو چکی تھی۔ یورپ کے طلاب آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ امام ابو حنیفہ جو آگے چل کر آپ کے مقابل کھڑے کئے گئے آپ کے علمی دسترخوان کی مگس ربائی کا فخر رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے لولا السنتان لهلك النعمان۔ اگر وہ دو سال نہ ہوتے جو میں نے آپ کی فیض صحبت میں گذارے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ آج یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں اس قدر تیزی کے ساتھ کیونکر پھیلا تو اس کا آسان حل یہی ہے کہ سب امام کی صحبت سے فیضیاب ہو کر جاتے تھے اور اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کرتے تھے اسلام اور مسلمانوں پر یہی احسان کیا کم ہے کہ ایک دنیا مسلمان ہے اگرچہ ان کے مسلک پر نہیں علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں اس زمانہ کا آپ کو بادہ آدم

قدموں میں آجاتی مگر یہی کامیابی خلافت علیؑ میں اشتباہ کا باعث بن جاتی دنیا کہتی خلافت تلوار کے ذریعہ ملتی ہے جو تلوار کا دھنی ہو خلافت اس کی ــــ جھوٹوں کو دلیل مل جاتی اور علیؑ ظالم بھی قرار پا جاتے پھر تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام تاریخ اخلاق و سیرت کے بجائے تاریخ ظلم ہی رہتی اور اس طرح اسلام میں شام ہی شام ہوتی سحر کا پتہ نہ چلتا ہے ــــ علیؑ تب تک قتل نہ ہوتے جب تک آپ کے جاں نثار و باوفا اصحاب کام نہ آجاتے اعزا و اقربا نہ تمام ہو جاتے۔ ان اصحاب کا نام تاریخ میں پڑھ لینا آسان ہے کہ سلمان تھے۔ ابو ذر تھے مقداد تھے عمار تھے مگر یہ لوگ افراد نہ تھے بلکہ قرآن و رسول کی زبان تھے یہ قتل ہوتے تو صرف ان کی ہی گردن نہ کٹتی بلکہ اسلام بے زبان ہو کر رہ جاتا پھر علیؑ تو قرآن کو زبان دینے آئے تھے اس کی زبان کٹوانے نہیں آئے تھے ــــ جب دنیا قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو سر کرنے کی دھن میں تھی علیؑ فرد و قوم کی ذہنی تعمیر کے لیے گارے اور اینٹیں اکٹھا کر رہے تھے ــــ کیا اس حقیقت سے آنکھیں موند لی جائیں کہ شام کی خود ساختہ و غیر آئینی حکومت پوری قوت کے ساتھ آپ کے باضابطہ اقتدار کے مقابل قدم قدم پر مشکلات پیدا کر رہی تھی اور ہر امکانی کوششوں سمیت اس بات پر تیار تھی کہ علیؑ کو داخلی شورشوں میں الجھا کر کسی محکم قدم کے اٹھانے کا موقع نہ دے اسے بھی نظر انداز کر دیجئے کہ کوفہ کی آبادی میں اکثریت ایسوں کی تھی جو زبان سے علیؑ کے ساتھ تھے اور آنکھیں شام کی طرف لگی ہوئی تھیں اس سے بڑھ کر علیؑ کی کامیابی اور کیا ہوگی کہ ان تمام مشکلات کے باوجود آپ جس چیز کے ذمہ دار تھے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ــــ اپنے اپنے خطبوں، دعاؤں، وصایا، نصائح، اقوال و اعمال، سیرت و کردار و اخلاق و مروت ... و تربیت۔ جمع قرآن اور تفسیر قرآن کے ذریعہ اگر ایک طرف علوم و معارف کی خالی گود کو بھر دیں تو دوسری طرف نظام حکومت کے لئے پائیدار و مستحکم، لازوال و مبنی بر انصاف لائحہ عمل اور منشور عمل پیش کر کے تاریخ میں ایسا حیرتناک نقشہ پیش کر دیا کہ جن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں بیوہ کی فریادیں نہیں ظالم کا پتہ نہیں ہے یہی نہیں بلکہ پوری نسل بنا دی جو قرآنی منشور کے تحفظ کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دینے کا حوصلہ رکھتی تھی اور جب وقت پڑا ہے۔ تاریخ نے آزما دیکھا ــــ اگر اب بھی دنیا کو اصرار ہے کہ علیؑ ناکامیاب رہے تو بلاشبہ علیؑ ظلم نہ کر سکے، ناانصافی نہ کر سکے، یتیموں کو ستا نہ سکے بیوہ کو رلا نہ سکے، مفلس کو قتل نہ کر سکے اگر ناکامیابی انھیں سے عبارت ہے تو فلاسفر حیران سیاست داں انگشت بدنداں حکمراں حیرت زدہ اور تاریخ کو حسرت ہے کاش وہ نظام حیات پھر آجاتا۔ چیرہ دستی کا نام ہے تو علیؑ ناکامیاب ان کا نبی ناکامیاب ان کا خدا ناکامیاب ــــ آپ ۳۰ عام الفیل ...

۱۳ رجب بروز جمعہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے (مروج الذہب ج ۵ ص ۱۷۵) مطالب السئول ص ۱۲

وفات ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ ابن ملجم کی تلوار سے شہادت پائی۔ امام محمد باقر علیہ السلام

= ولادت ــــ یکم رجب ۵۷ھ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے

وفات = ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ مدینہ منورہ میں ہشام بن عبد الملک نے زہر سے شہید کیا ــــ

آپ اس زرین سلسلہ کی پانچویں کڑی ہیں جسے اسلام کے تحفظ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ باقر، ہادی، امین، شاکر، شبیہ، آپ کی سیرت کی واضح نقوش ہیں جسے آپ کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں صحاح، قاموس، منتہی الارب، لسان العرب، نے متفقہ طور سے لکھا ہے کہ امام باقر کو باقر اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے علم کو شگافتہ کر دیا حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عطا

دنیا معاویہ یزید، مروان و ولید، خالد و ابن زیاد حجاج و متوکل بنا رہی تھی یہ مالک اشتر و محمد ابن ابی بکر و کمیل و میثم و صعصعہ و زید و جابر و بہلول و زرارہ کے قالب میں چراغ اسلامی روشن اور مشعل علم و ہنر سے زمانے کو منور کر رہے تھے ــــ حکومتی سطح پر حرص و آز کی تعلیم دی جا رہی تھی، یہ قناعت کا سبق پڑھا رہے تھے ادھر ظلم کے پیکر تھے ادھر صبر کی تاریخ ترتیب دی جا رہی تھی بد عہد و بے وفا امراء و خلفاء و قت جب زمانے کو بے وفائی پر انعام دے رہے تھے یہ عہد و وفا پر جان دے دینے کی عملی تصویریں پیش کر رہے تھے یہی سبب ہے کہ آج صدق و صفا اور عہد و وفا کے ساتھ نام خدا زندہ ہے ــــ آل محمد میں وجہ تفاوت ہی نہیں اس لئے کسی فضل و شرف کا اظہار میری طرف سے زیبا نہیں دیتا یہ اور بات ہے کہ آل محمدؐ میں اخلاف پر اسلاف کو پیش رو ہونے کی وجہ سے فضیلت دی جا سکتی ہے اور اسی امر کو ملحوظ رکھ کر آیندہ سیرت کے نقوش پیش کئے جائیں گے ــ

حضرت علیؑ علیہ السلام ــــ حیدر، اسد، علیؑ ابو السبطین، ابو تراب. ابو محمد، صدیق اکبر، فاروق اعظم، امیر المومنین، امام المتقین، یعسوب المسلمین، المرتضیٰ، اسد اللہ، کرار، خاتم الوصیین، حجۃ اللہ وغیرہ ــ آپ کے یہ القاب و کنیت ہی نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی کی سچی تصویریں ہیں آپ کی انفرادیت کے سلسلے میں ارشاد پیغمبر اسلامؐ ہی کافی ہے کہ مجھے کسی نے نہیں پہچانا مگر علیؑ نے یا خدا نے اور علیؑ کو کسی نے نہیں پہچانا میں نے یا خدا نے اور خدا کو کسی نے نہیں پہچانا میں نے یا علیؑ نے ــ امام شافعی مرتے دم تک نہ معلوم کر سکے علیؑ ہی خدا ہیں یا ان کا خدا کوئی اور ہے نصرانیوں کو ناقص معرفت ہوئی تو خدا پکارے، علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے ــــ قرآن بے زبان رسول اسلام بے دست و پا اور تاریخ اسلام بھیانک سناٹے میں ردائے شام ہی اوڑھے رہ جاتی غار حرا سے لے کر قبر نبیؐ تک کے ہر ورق میں علیؑ کا نام نامی نظر آئے گا اگر الگ کر کے دیکھنا چاہو تو دیکھ لو فضا رحلت کے اضطراب میں سکون قلب

پیغمبرؐ کون تھا، دعوت ذو العشیرہ کی آواز پر لبیک کس نے کہی، شب ہجرت بستر پر کون سویا قریش کے لڑکوں کے مظالم کا جواب کون دیتا تھا بدر سے لے کر حنین تک کا فاتح کون ہے غدیر کے منبر پر رسولؐ کے ہاتھوں پر کون تھا رسولؐ کی اکلوتی معصومہ بیٹی کا امین عصمت کون بنا، رسولؐ کے جگر گوشوں حسنینؑ کا باپ کون تھا ــــ رسول کو قبر میں کون اتارتا اگر علیؑ نہ ہوتے ۸ صفر ۱۱ھ سے لے کر ۲۱ رمضان ۴۰ھ کے شب و روز کو گواہ بنا کر پوچھو اسلام کا حقیقی محافظ کون تھا ــ مسند خلافت پر بیٹھ جانا اور ہے ربانی فلسفہ کی حکیمانہ انداز میں گتھیاں سلجھانا اور ہے ... اسلام اور مسلمانوں کی زمام ان غلط ہاتھوں میں پہونچ گئی تھی جو شروع ہی سے اسلام کے مٹا دینے کے درپے تھے یہ خشکی اور تری میں گھوڑے نہیں دوڑ رہے تھے اسلامی اصول، اقدار اور قانون ذوقار پامال ہو رہے تھے حالات بے قابو ہو چکے تھے مگر علیؑ نے تضاد بدل کر اسے بھی اپنی حکیمانہ خاموشی سے قابو میں لیکر آ. ازادی تم ہم سے پاس نہیں پا سکتے زمانے کے ہر سیلاب کو قابو میں لانا ہمارا کام ہے اگر ہم بے حوصلہ ہو جائیں تو زمانے کو عزم محکم کہاں سے ملے گا ــــ علیؑ پر مظالم سوچی سمجھی اسکیم کی کارگزاریاں تھیں علیؑ کو قتل کرنا بھی ان کے بس کے باہر تھا اور زندہ رہنا بھی ان کو گوارہ نہ تھا وہ تو چاہتے تھے کہ کسی صورت سے علیؑ تلوار لے کر میدان میں آ جائیں اور پھر ہم ادھر اپنے منصوبوں کا میدان مار لیں جھوٹے دعویداران خلافت، دراصل اسے اپنی خلافتوں کی دلیل بنانا چاہتے تھے ــ اگر علیؑ حصول خلافت کے لئے تلوار اٹھا لیتے تو دو باتوں میں سے ایک بات ہوتی ــ

۱ ــــ علیؑ کامیاب ہو جاتے اور خلافت کی مسند آپ کے

ماہِ رجب کو حق نے لگائے ہیں چار چاند



از جناب لسان الواعظین مولانا

سید محمد مرتضیٰ صاحب قبلہ جعفری

واعظ مدرسۃ الواعظین

لکھنؤ

بلا شبہ رجب کے مہینہ ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی آغوش میں حضرت علیؑ، حضرت محمد باقرؑ، حضرت محمد تقیؑ، حضرت علی نقیؑ جیسی عظیم و برگزیدہ الٰہی قسم کی ہستیاں آئیں۔ کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو علم و عمل کا نام نہ ہوتا، جود و سخا بے معنی الفاظ ہوتے، زہد و اتقا کا پتہ نہ ہوتا قرآن ہوتا تفسیر نہ ہوتی، الفاظ ہوتے معنیٰ نہ ہوتے، اسلام شہنشاہوں کے محلوں میں سسکتا ہوتا، قرآن داستان پارینہ بن کے رہ جاتا، مئے و مینا کی کھنک میں قرآنی آواز گم اور بربط و ستار، چنگ و رباب کی تانوں اور سروں میں اسلامی احکام گنگ ہو کر رہ جاتے۔ سنت کے نام پہ امراء و سلاطین طاقت و تلوار کے بل بوتے اسلام کے چوکھٹے میں حور و شوں اور مہوشوں کا جھرمٹ لگا رہے تھے، قرآنی جام میں شراب انڈیلی جا رہی تھی، تہذیب جل رہی تھی کلچر تباہ ہو رہا تھا، قرآن کو قیاس کا گھن کھائے جا رہا تھا، دماغ پک رہے تھے دل بھن رہے تھے، احساسات مر چکے تھے حوصلے سرد پڑ چکے تھے، عزم ٹھنڈا ہو چکا تھا موت کو حیات کا نام دیا جا رہا تھا کفر ہی اسلام بن گیا تھا، زہر کو اکسیر سمجھ لیا گیا تھا۔

حق پر دہان کھنچتی تھی باطل پہ انعام ملتا تھا۔ کس دماغ میں طاقت تھی جو اس تاریک اور گھناؤنے ماحول میں یہ سوچنے کی جرأت کرتا کہ ہم اسلام کو مٹنے نہیں دیں گے، ہمارے رہتے قرآنی احکام تباہ نہیں ہوں گے سن لو اے مٹانے والو اسلام زندہ رہے گا۔ تمہارے ایوانوں میں گونجے گا، تمہارے شبستان عیش میں پروان چڑھے گا، حق پرستوں کے سر کٹیں گے مگر اسلام سرخرو ہو جائے گا — سر کا ڈگر یاد رکھو ہم اس کے ہر قطرۂ خون کو حیات اسلامی کے انمٹ نقوش بنا دیں گے، ان خونوں کو گل و لالہ میں بکھر کر تمہارے شبستانوں کو گلدستے بنا دیں گے ہماری زندگی کے چراغ گل کر دو مگر اسلام گل و گلزار ہو جائے گا، زہر کے پیالوں سے اسلام کی کھیتی کو سرسبز و شاداب بنانا ہمارا کام ہے — تاریخ کے اتھاہ اندھیرے اور خونیں دھندلکے میں جھانکو اور غور سے دیکھو دولت طاقت قوت تبر و شمشیر، سنان و کمان زمانے کا ہوش و حواس لوٹ رہے تھے آل محمدؐ ہوش مندی کا درس دے رہے تھے، جب ظلم و تعدی جبر و تشدد، بربریت و وحشت دولت ایمان لوٹ رہے تھے آل محمد دولت ایمان لٹا رہے تھے زمانہ نشۂ حکومت میں سرشار ہو کر مئے و مینا کی بزم آراستہ کر رہا تھا یہ سورۂ رحمٰن کی تفسیر بیان کر رہے تھے، جب قرآن جلایا جا رہا تھا یہ قرآن جمع کر رہے تھے اسلام مٹایا جا رہا تھا یہ اشاعت اسلام کر رہے تھے

لیکے پیام روشنی حق آہی گیا کعبے کے اندر
جلوہ فرازِ شمع ایماں نور دہ محراب و منبر

آیا ہے اللہ کا پیارا دنیا کی بخشش کا سہارا
راحتِ قلب شافع محشر مالکِ جنّت ساقیٔ کوثر

کعبے کے بُت توڑنے والا رشتۂ الفت جوڑنے والا
شیرِ الٰہی قوتِ احمدؐ قاتل عنبر فاتحِ خیبر

دنیا کے طوفاں کا ساحل نور چراغِ راہِ منزل
ایمان کی تشریح کا حاصل قرآں کی تفسیر کا دفتر

ہو کے خود وقفِ بیداری کرنے والا ذکر باری
فرشِ نبی پر سونے والا تلواروں میں اوڑھ کے چادر

نور پہ نظریں کیا ٹھہریں گی پر تو سے تو آنکھ ملالے
ذاتِ علیؑ کو دیکھنے والے دیکھ جہانِ بوذر و قنبر

آنکھوں میں قرآن کا جلوہ سینے میں ایمان کا جلوہ
عشقِ حبیبِ اللہ آنکھ بھی روشن دل بھی منور

کہنا تو ہر بات ہے ممکن راہِ عمل میں شارب لیکن
موت کے آگے تیغ کے نیچے کھلتے ہیں ایمان کے جوہر

جاری ہیں لفظی تکراریں سونی ہیں تعمیر کی راہیں
ڈال چکا ہے پاؤں میں بیڑی تدبیر و تقدیر کا چکر
ایسا چڑھا ہے مکر کا پانی شکل ہے دونوں کی نورانی
یہ بھی سمجھنا اب مشکل ہے کون ہے رہزن کون ہے رہبر
ایک مسافر سو سو راہیں راہوں میں اُلجھی ہیں نگاہیں
سیدھا رستہ کون بتائے پردے میں ہے اپنا رہبر
ایک حقیقت سو سو پردے ایک نظر اور لاکھوں جلوے
طالبِ منزل دیکھ رہا ہے ہر جانب گھبرا گھبرا کر
عقل کا یہ پیغام سُنا دو کھوئے ہوئے راہی کو بتا دو
وہ منزل پا ہی نہیں سکتا نفسِ نبیؐ جس کا نہ ہو رہبر
لیکر اپنا ہر ہر جلوہ آتی ہے جب بہکانے دنیا
الفتِ حیدر رکھنے والا کہتا ہے یہ دنیا سے ہنس کر
اب نہ مجھے بہکا اے دنیا اب میں نہیں کھا سکتا ٹھوکر
مل گئی مجھ کو راہِ منزل پا گیا نفسِ پائے حیدر



میخانۂ محبت کا ایک ورق

(جناب شارب لکھنوی)

رنگ ہمارا رفتہ رفتہ یوں بدلا اللہ اکبر
بھول گئے اپنے خالق کو بندے بن گئے بندہ پرور
ہم دنیا کی آگ بجھانے کاٹ کے لے آئے ہیں سمندر
لیکن یہ خود بھول گئے ہیں آگ لگی ہے گھر کے اندر
تاج بھی ہم چھینے لیتے ہیں ایسے باغی ایسے خودسر
سجدے بھی کرتے جاتے ہیں اہل دولت کی چوکھٹ پر
اس عالم میں کشتیٔ دنیا امن کا ساحل پائے گی کیونکر
ہونٹوں پر ہے ساحل ساحل لاکھوں طوفاں دل کے اندر
پھول کھلے ہیں ڈالی ڈالی پھر بھی لاکھوں دامن خالی
جو دنیا کے کام نہ آئیں ان پھولوں سے خار ہیں بہتر
دیکھ کے یہ گلشن کی حالت خار بنا ہے ذکرِ مسرت
کچھ ایسی غمگین ہے فطرت خندۂ گل بھی بار ہے دل پر

ثبوت جنگ صفین کے اس واقعہ سے ملتا ہے جب فرات پر قبضہ ہونے کے بعد معاویہ اور ان کے رفقاء نے آپ کے لشکر پر پانی بند کر دیا اور پھر جب آپ کے لشکر نے اس پر قبضہ کیا تو آپ نے بلا تکلف گروہ مخالفین کو پانی کی اجازت دے دی۔ آپ کی حمیت انسانی نے اپنے دشمنوں کو بھی تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا۔ دشمن کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا لیکن جب ابن ملجم آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا "اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کو معاف کرنے یا قصاص لینے کا اختیار مجھے ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو میرے پاس پہونچا دینا میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑ لوں گا۔" تاریخ کو چیلنج ہے کہ وہ ایسا ایثار عظیم کی ایک بھی مثال پیش کر سکے۔

عبد اللہ ابن زبیرؓ علیٰ رؤس الاشہاد آپ کی بدگوئی کرتے اور ایک بار بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے سخت سے سخت کہا لیکن جب آپ کے پاس اسیر کرکے لائے گئے تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا اور کہا جاؤ تم متوجہ نہ ہونگا۔ ان کے باپ زبیر اہل بیت سے تھے ان کے یہ بیٹے ہیں جن کی یہ کیفیت ہے۔

آپ کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک کافر سے لڑ رہے تھے۔ کافر نے کہا ذرا تلوار مجھ کو دیکھنے کو دیدیجئے۔ آپ نے اپنی تلوار اس کو دے دی۔ کافر نے تلوار لے کر کہا کہ آپ مجھے تلوار دے چکے ہیں مجھ سے اب آپ کیونکر بچیں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "تم نے حاجتمندوں کی طرح میری طرف ہاتھ بڑھایا میری مروت اس بات کی متقاضی نہ ہوئی کہ میں سوال کرنے والے کا سوال رد کر دوں۔ اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔" یہ سن کر وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

الغرض آپ زہد و تقویٰ، تواضع و تحمل، عدل و حیا، قناعت و توکل، صداقت اور جود و سخا کا بہترین نمونہ تھے۔

آپ کے صفات الوہیت جب امام شافعیؒ پر منکشف ہوئے تو وہ ہوش ربا ہو کر کہہ اٹھے۔

کفانی فضل مولانا علیؑ
وقوع الشک فیہ انہ اللہ

(ہمارے آقا علیؑ کی فضیلت میں یہ کتنا کافی ہے کہ بلا شک وہ خدا ہیں۔)

اے نبی اکرم صلعم کے چہیتے آپ کے عشق میں مخمور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ اے افتخار انبیاء و اولیاء مبارک ہیں وہ آنکھیں جو آپ کے فراق میں گریاں ہیں۔ قابل رشک ہیں وہ قلوب جن میں آپ جلوہ گر ہیں۔ اے ساقی حوض کوثر ہمیں اپنی محبت کے جام پر جام پلایئے اے قرآن ناطق آپ کی روبیت عبادت اور آپ کا ذکر سعادت ہے۔ ہمارا سلام قبول کیجئے۔ اے وہ کہ آپ کے قدموں کی خاک کحل البصر ہے۔ ہماری آنکھوں کو اپنی معرفت کے سرمے سے مکتحل کیجئے۔"

اللہ تعالیٰ جناب امیرؑ اور اہل بیت اطہارؑ کی محبت سے ہمارے دلوں کو معمور کر دے۔ آمین یا رب العالمین۔

نہ کرد منظر ما طاعتے و رفت بہ خاک
نجات رہ بہ تولائے بو تراب گذاشت

اعظم تھے۔ آپ ہی کے لئے رسول اللہؐ نے فرمایا "تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون"۔ آپ ہی کی محبت کو ایمان اور آپ سے بغض کو نفاق فرمایا۔ آپ ہی کے حق میں ارشاد ہوا "علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے"۔ علیؑ لوگوں میں اس طرح ہیں جیسے عمارتوں میں کعبہ اور قرآن میں قل ہو اللہ"۔ آپ ہی کے لئے فرمایا۔ آپ ہی کے لئے رسول اللہؐ کی زبان سے نکلا "اے اللہ مجھے تو موت نہ دے جب تک میں علیؑ کو نہ دیکھ لوں"۔

آپ ہارونؑ کے مثل فصیح، ہودؑ کے مثل سخی، صالحؑ کے مثل متقی، یوسفؑ کے مثل حسین اور ایوبؑ کے مثل صابر تھے۔ آپ آیات قرآنی کے نزول کا سبب تھے۔ آپ محبوب خدا کے محبوب تھے۔ آپ کی ماں نے آپ کو کعبہ کے اندر جنا اور نبیؐ نے اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا۔ اسی لئے آپ خاتم الاوصیا تھے جس طرح ہمارے نبی خاتم الانبیا تھے۔ اس ذات بابرکات کی تعریف خامۂ عاجز رقم کیا کر سکتا ہے جس نے نبی صلعم کے لئے اپنی جان کی پروا نہ کی اور باوجود کم سنی کے اپنے کو موت کے منہ میں ڈال دیا تاکہ اپنے حبیب کی حفاظت کر سکے۔

ہجرت کی شب ملا تجھے بستر رسولؐ
بالفعل مطلق تھا کہ ہنس کر کیا قبول:

ایمائے ایزدی کی ادا کھا گئی تجھے
پر ہول خوابگاہ میں نیند آ گئی تجھے

آپ کے سوا کون تھا جو نبی صلعم کے بستر پر لیٹ کر سو گیا اور مطلق ڈر اس پر نہ طاری ہوا۔ حالانکہ جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا اور وہ سانپ بن گیا تو آپ کو بہ تقاضائے بشریت اس کو پکڑنے میں جھجک ہوئی حتیٰ کہ اللہ نے فرمایا "مت ڈر"۔ ظاہر ہے کہ اس قلب میں خوف کا گزر کہاں

جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے معمور ہو چکا ہے۔ آپ اپنی ذات و صفات میں قرآن کے مثل تھے۔ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس نے نجات پائی اور جس نے ہمارے مولا جناب امیرؑ کے فضائل پڑھے اور آپ کا مرتبہ سمجھ لیا اور اپنے دل کو آپ کی محبت کے نور سے معمور کر لیا وہ اللہ و رسولؐ کا محبوب ترین اور برگزیدہ ترین بندہ ہو گیا۔

آپ ہی تنہا شخص ہیں جنہوں نے کبھی بت پرستی نہ کی۔ وہ ذات بتوں کو کیسے سجدہ کر سکتی ہے جس کی تخلیق نبیؐ کے نور سے ہوئی۔ "جس کا میں مولا اس کے علیؑ مولیٰ" آپ ہی کے حق میں ارشاد ہوا۔ اب ذرا رسول اللہ صلعم کے اس قول پر نظر کیجئے "میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں"۔ ظاہر ہے کہ تمام انبیا و مرسلین اولاد آدم ہی میں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ رسول صلعم کے بعد افضل ترین خلائق ہیں۔ اسی لئے مولانا روم نے "افتخار ہر نبی و ہر ولی" سے آپ کو یاد کیا ہے۔ آپ کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

آپ نے صبر و ضبط کی بے مثال نظیر قائم کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی امیہ کے شہنشاہ اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے بادشاہ معاویہ نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے ہر جمعہ کو خطبے کے بعد سب و شتم کا نشانہ اس ذات کو بنایا جس کے لئے ارشاد ہوا "جس کے دل میں علیؑ کی طرف سے بال برابر بھی بغض ہوگا اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں گرائے گا"۔ مگر آپ نے اس کے جواب میں ہمیشہ سکوت فرمایا اور کظم غیظ کا وہ نمونہ پیش کیا کہ تاریخ اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

مخالفین نے جو آپ سے معاملت کی اس کا مکمل

شیر خدا

جناب عین الحمید تکیہ شریف کاکوری

ان کان الرفض حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

(امام شافعی)

(اگر آلِ محمدؐ کی محبت کو لوگ رفض کہتے ہیں تو جن و انس سب گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔)

رجب کا متبرک مہینہ خوشی اور سرور کا مہینہ ہے تمام مومنین کے لئے عموماً اور محبان علیؑ کے لئے خصوصاً یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ہمارے آقا حضرت علی ابن ابیطالبؑ نے اپنے وجود سراپا جود سے اس عالم کو منور فرمایا۔ یہ رشد و ہدایت کا آفتاب ۱۳ رجب کو طلوع ہوا اور تمام مشارق و مغارب کو اپنی آمد سے منور فرمایا۔ عاشقان علیؑ کے لئے ۱۲ ربیع الاول کے بعد ۱۳ رجب کی رات تمام راتوں سے افضل ہے یہاں تک کہ وہ ان کے نزدیک شب قدر سے بھی افضل ہے۔

یہ وہ رات ہے کہ نور کی کرنیں عرش سے فرش تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کعبہ اپنی قسمت پر نازاں ہے کہ اس کے جوف میں وہ آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوا جس کے دیدار کے مشتاق تمام ملائکہ اور اہل سما ہیں۔ یہ وہ رات ہے کہ اس میں اس ذات برکات کا نزول ہوا جس کے فضائل و مناقب نبی اکرم صلعم کے اس قول کے مطابق شمار ہی نہیں کئے جاسکتے "اگر تمام سمندر دوات ہو جائیں اور تمام اشجار قلم اور لکھنے والے تمام جن و انس ہوں تو بھی علیؑ ابن ابیطالبؑ کے فضائل کا شمار نہیں کیا جاسکتا" حضور صلعم نے یہ بھی فرمایا "علیؑ کا ذکر عبادت ہے"۔ اب ہم کو یہ معلوم ہوگیا کہ آپ کا ذکر عبادت ہے اور آپ کے فضائل کا لکھنا باعث غفران ذنوب ہے تو یہ ہماری بدبختی ہوگی کہ ہم اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہیں۔ آیے ہم اس عبادت میں مشغول ہوں اور اپنے آپ کو حب علیؑ کی شراب میں ڈبو دیں۔

آپ خوبصورت خوب رو اور جمیل المنظر تھے نہ موٹے نہ دبلے۔ آپ کے اعضا حول و قوت الٰہی سے بھرے ہوئے تھے اور آپ کا دل نبی صلعم کی محبت، نور ایمان انوار امانت اور ؟؟ صداقت سے معمور تھا۔ آپ فصاحت میں یکتا اور شجاعت میں بے مثل تھے۔ طبیعت کے نہایت نرم لیکن دین کے معاملہ میں انتہائی سخت۔ جو آپ کی ولایت کے سفینہ میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اسے چھوڑا وہ گمراہ ہوا۔

آپ یعسوب مومنین اور افتخار انبیاء و مرسلین تھے آپ سید الصادقین اور امام المتقین تھے۔ آپ قائد السالکین اور خاتم الوالیین تھے۔ آپ صدیق اکبر تھے۔ آپ فاروق

علاوہ علامہ عبید اللہ امرتسری تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن سعد ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما منها حرف الا وله ظهر وبطن وان علیا عنده من الظاهر والباطن۔ (ارجح المطالب ج ۱ باب سوم ص ۱۱۳)

ابن سعد کہتے ہیں کہ بالتحقیق قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا کوئی حرف اس کا ایسا نہیں ہے جس کے لیے ظاہر و باطن نہ ہو اور بالتحقیق حضرت علیؑ کے پاس اس کا ظاہر و باطن ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی روایتیں کثرت سے حضرت علیؑ کے مفسر قرآن ہونے کے سلسلے میں ملتی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔ ان روایتوں سے انصاف پسند دماغ بخوبی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جس کو کلام کے ہر نشیب و فراز و موقع و محل سے واقفیت ہوگی وہی اس کی تشریح، تاویل اور تفسیر کر سکتا ہے اور ایسا شخص انھیں سے علم تفسیر جاری ہوا بعد میں انھیں سے لے کر اس کو دنیا کے سامنے پھیلایا گیا اگر علیؑ نہ ہوتے تو علم تفسیر کتم عدم سے پیکر وجود تک نہ آتا۔

(والسلام)

عقیدت کے پھول

(نتیجۂ فکر جناب فقیر محمد صاحب خادم کندرکھوئی)

علی مشکل کشا مشکل میں جس دم یاد آتے ہیں
تو انداز شجاعت میری رگ رگ میں سماتے ہیں

مسرت سے در و دیوار کعبہ جگمگاتے ہیں
کہ جس کو دیکھنے والے عجب حیرت میں آتے ہیں

بہاروں نے کیا قبضہ چمن میں آئے جب حیدر
گل تر نعرۂ تکبیر گلشن میں لگاتے ہیں

خزاں گلشن کے دروازے پہ اشک غم بہاتی ہے
شگوفے یا علی کہہ کر چمن میں مسکراتے ہیں

زمانہ بھول سکتا ہی نہیں ہے حشر تک ان کو
مسیحا بن کے ہر اک درد میں جو کام آتے ہیں

علی کا نام لے کر دل سے جو بھی کام کرتا ہے
فتح یابی کے نقشے سامنے گھر گھر کے آتے ہیں

زہے بیت الحرم کی کہہ رہی تھی لات و عزیٰ سے
کہ رو کعبہ کو اب خالی علی تشریف لاتے ہیں

علی کے وہ مراتب ہیں کہ جن کے آستانے پر
خدا کے حکم سے اب تک فرشتے روز آتے ہیں

جواں ہو کر ہلا دیں گے یہ چولیں باب خیبر کی
علی کے عالم طفلی میں یہ تیور بتاتے ہیں

کوئی گر ڈوبنے والا پکارے دل سے حیدر کو
تھپیڑے بحر طوفاں کے وہیں ساحل بناتے ہیں

تڑپتا ہوں میں فرقت میں بلا لو اپنے روضہ پر
مرے ذوق طلب میں آپ کیا کچھ فرق پاتے ہیں

انھیں آنا ہی پڑتا ہے مدد کے واسطے خادم
مرے پلکوں پہ تیر کر اشک جس دم جھلملاتے ہیں

(فقیر محمد خادم)

اور جب آپ کتب تفاسیر کی طرف رجوع فرمائیں گے تو
اس کی تصدیق ہو جائے گی اور اس قول کی درستگی میں کوئی
شبہ باقی نہ رہے گا اس لیے کہ اکثر تفسیریں حضرت سے نقل
کی گئی ہیں۔

روایت اپنی جگہ مسلم ہے یقیناً ایک ذات علیؑ کی ایسی
تھی جن سے علوم کو حاصل کیا جاتا اور جن لوگوں نے حاصل
کیا وہ حبر الامت کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں لیکن
روایت کے آخری ٹکڑے سے مجھ کو اختلاف ہے کیونکہ اگر
اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ نکلے گا کہ قرآن کی
آیتوں اور احکام میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اب رسول کی
نگاہ میں نہ تھے اور بعد کے مفسرین نے اس مفسر اول سے
اس کو نقل نہیں کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پیغمبرؐ
علیؑ کے علاوہ کامل تفسیر قرآن کا بیان کرنے والا کوئی تھا ہی
نہیں اگر کوئی تفسیر کی گتھیوں کو سلجھا سکتا تھا تو وہ علی بن طالب
تھے۔ ذہنوں میں یہ شبہہ نہ پیدا ہو کہ تفسیر کا باب تو تاریخ
بن عبداللہ بن عباس سے شروع ہوتا ہے بعض لوگوں کا
یہ بھی خیال ہے کہ اسلام کے پہلے مفسر عبداللہ بن عباس ہیں
وہ اس زمانے کے اعلم و افقہ تھے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے
یقیناً عبداللہ بن عباس اعلم و افقہ تھے، علوم و فنون پر
کمال دسترس حاصل تھی تفسیر کا میدان ان کے کارناموں
سے چھلک رہا ہے کتب تفاسیر کے ایک ایک ورق ان کے علمی
احسان تلے سر جھکائے کھڑے ہیں لیکن اگر غور و خوض، تفکر
بینی اور تاریخ بینی سے کام لیا جائے تو اس کا بھی پتہ چلتا ہے
کہ عبداللہ ابن عباس نے بھی جو کچھ حاصل کیا وہ امیرالمومنین
سے ہی حاصل کیا۔

وقد علم الناس حال ابن عباس فی ملازمته
له وانقطاعه الیه وانه تلمیذه وخریجه
وقیل له این علمک من علم ابن عمک فقال کنسبة
قطرة من المطر الی البحر المحیط (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج۱ ص)

ترجمہ۔ لوگوں کو ابن عباس کا حال معلوم ہے اور یہ بات
متحقق ہے کہ عبداللہ بن عباس حضرت علی علیہ السلام
کے شاگرد تھے ان سے ایک بار سوال کیا گیا کہ آپ کے علم کو
علیؑ کے علم سے کیا نسبت ہے تو انھوں نے کہا کہ جو ایک
قطرے کو بحر زخار سے ہے۔

روایت کے الفاظ واضح دلیل ہیں کہ عبداللہ بن
عباس امیرالمومنینؑ کے شاگرد تھے اور ان کے علم کو حضرت
کے علم سے وہی نسبت تھی جو قطرے کو دریا سے ہوا کرتی ہے
ان کا خزانہ علمی حضرت علیؑ کے علم سے ہی ماخوذ تھا جو
کچھ حاصل کیا وہ حضرت علیؑ سے ہی حاصل کیا۔ آخر
میں ناظرین کی زحمت کو ختم کرتے ہوئے چند حدیثوں
پر اکتفا کی جاتی ہے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ
ہی کامل مفسر قرآن اور واقف رموز و اسرار قرآنی
تھے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی جو اہلسنت کے
اجل علماء میں شمار کئے جاتے ہیں لکھتے ہیں۔

(۱) قد اخرج ابن سعد عن علی قال واللہ ما نزلت الآیة
الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلی من نزلت
ان ربی وهب لی قلباً عقولاً ولساناً ناطقاً۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۸۴)

اس روایت کی تخریج ابن سعد نے کی ہے حضرت علیؑ
سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ کوئی آیت نہیں نازل
ہوئی مگر مجھ کو معلوم ہے کس کے بارے میں نازل ہوئی بیشک
اللہ نے مجھ کو سمجھدار قلب اور بولنے والی زبان عطا کی ہے

(۲) اخرج ابن سعد وغیرہ عن ابی الطفیل
قال قال علیؑ سلونی عن کتاب اللہ فانه لیس منه
آیة الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنهار فی سهل ام
فی جبل۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۸۴)

کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھ کو یہ معلوم
ہو کہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں پہاڑ پر نازل ہوئی یا اسکے

کے علاوہ کوئی دوسرا مفسر قرآن اور قرآن کے معنی و مطالب کا سمجھانے والا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر وہ شخص جو کلام کے موقع نزول، شان نزول سے واقف اور صاحب من عندہ علم الکتاب ہے وہ تفسیر قرآن کا حق نہیں رکھتا ہے تو پھر بزم نبی کے کسی اور صحابی کو بھی یہ حق نہیں ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کرے۔

رسول اسلام نے اس کا بھی التزام کیا ہے کہ جب دن کو کوئی آیت نازل ہوئی فوراً حضرت علیؑ کو خبر دیتے کبھی کسی امر کو علیؑ سے چھپایا نہیں اگر علیؑ نہ بھی دریافت کرتے تو خود رسول اپنی طرف سے سلسلہ کلام جاری فرماتے تھے رسول نزول آیت کے فوراً بعد امیر المومنین کو خبر کرنے کے لئے جانا فرض سمجھتے تھے حدیث آنے والی ہے۔ روی انہ کان النبی اذا نزل علیہ الوحی لیلا لم یصبح حتی یخبر بہ علیا و اذا انزل علیہ الوحی نہارا لم یمس حتی یخبر بہ علیا

(مناقب ابن شہر آشوب ج اول ص۲۶۳)

ترجمہ: روایت بیان کی گئی ہے کہ اگر نبی آعظم پر رات کے وقت وحی نازل ہوتی تھی تو رسول صبح نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو اس کے بارے میں خبر دیتے تھے اور وحی دن میں نازل ہوتی تھی تو شام تک توقف کئے بغیر حضرت علیؑ کو مطلع کرتے تھے۔ دشمن عقیدہ سے ہٹ کر صرف تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی ان روایتوں کی روشنی میں جناب (طبری، اعلم قرآن) و مفسر آعظم قرار پاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بانی اعظم آیت قرآن کو بغیر انتظار و توقف کے کائنات کے امیر کے حوالہ فرمایا کرتے تھے اور اس کو حضرت علیؑ زبان رسول سے سن کر حافظہ کی چہار دیواری میں محفوظ کر لیتے تھے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً انھوں نے فرمایا بھی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ صاحب علم لدنی برملا فخر و افتخار سے منبر پر بیٹھ کے سلونی قبل ان تفقدونی کے بلوی کے بعد اعلان کرتا تھا کہ قسم ہے ذات خدا کی کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جس کے لئے میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی، کس کے لئے نازل ہوئی، میدان میں نازل ہوئی یا بزم میں، رات میں نازل ہوئی یا دن کی روشنی میں اور کبھی بڑے اطمینان کے ساتھ مخالفت کے شدید ہنگاموں میں بڑی گھن گرج کے ساتھ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر مجھ سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں اور میری بلندیوں تک کسی طائر کی پرواز بھی نہیں پہنچ سکتی ہے۔

یقیناً علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام تمام علوم و معارف تھے۔ علوم کے چشمے انھیں سے جاری ہوئے ہیں اور عالم کے سامنے سطح ارض پر جاری و ساری دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب علوم کے سلسلہ میں مورخ کی متحیر نگاہیں قدم آگے بڑھاتی ہیں اور مختلف الخیال لوگوں کی بزم سے گذرتے ہوئے حقیقت اور اصلیت کی دنیا میں آتے ہیں تو علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

علم تفسیر علیؑ کے قدموں سے لپٹا ہے

جہاں تک کی علوم کا سوال ہے اس میں علم طبعی و ریاضی سے کہیں زیادہ اکمل و اشرف علم الہی ہے اور یہ علم حضرت علیؑ کے ہی کلام سے اخذ کیا گیا ہے حضرت علیؑ سے ہی منقول ہے حضرت علیؑ سے اس کی ابتدا اور حضرت علیؑ ہی پر اس کی انتہا بھی ہے اسی تفصیل بحث کے بعد ایک مقام پر علم تفسیر کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و من العلوم تفسیر القرآن و عنہ اخذ و منہ فرع و اذا رجعت الی کتب التفسیر علمت صحۃ ذلک لان اکثرہ عنہ

(شرح ابن ابی الحدید معتزلی ج اول ص۶)

علوم کی قسموں میں ایک قسم تفسیر قرآن کا علم بھی ہے جو باب مدینۃ العلم سے اخذ کیا گیا اور انھیں سے اس کی شاخیں پھیلیں

سے آخر تک قرآن کے نازل ہونے آیتوں کے لکھنے اور اس کے معنی ومفہوم سے آگاہی رکھتا ہو واقف علوم قرآنی مولائے کائنات حضرت علیؑ بن ابی طالب کے لئے تھے روایت میں ملتا ہے۔ قال علیؑ علیہ السلام۔ ما نزلت آیۃ علی رسول اللہ الا اقرأنیھا و املاھا علی فکتبتھا بخطی وعلمنی تاویلھا وتفسیرھا وناسخھا ومنسوخھا محکمھا ومتشابھھا ودعا اللہ لی ان یعلمنی حفظھا فما نسیت آیۃ من کتاب اللہ ولا علما املاہ علی فکتبتہ منذ دعا لی بما دعا وما ترک شیئاً علمہ اللہ من حلال ولا حرام ولا امر ولا نھی۔ کان او یکون من طاعۃ ومعصیۃ الا علمنیہ وحفظتہ فلم انس منہ حرفا واحدا ثم وضع یدہ علی صدری ودعا اللہ ان یملاء قلبی علما وفھما وحکمۃ ونورا فقلت یا رسول اللہ بابی انت امی منذ دعوت الی اللہ بما دعوت لم انس شیئا ولم یفتنی شی لم اکتبہ اوتخوف علی النسیان فیما بعد الخ.....

مقدمہ تفسیر صافی ۵

ترجمہ۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی آیت رسول اسلام پر نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ انھوں نے اسے مجھ کو پڑھایا اور مجھے لکھا دیا اور میں نے اس کو لکھ لیا اپنی تحریر میں اور رسول نے مجھ کو آیت کی تاویل، تفسیر ناسخ و منسوخ، محکم ومتشابہ ہر چیز کے بارے میں تعلیم دی اور رسول نے اللہ سے میرے لئے دعا کی کہ فہم آیت کو سکھا دے اور مجھے حافظہ کی قوت دے دے پس اس کے بعد کتاب خدا کی کوئی آیت نہیں بھولا اور نہ کوئی علم کو جس کو لکھوایا ہو اور میں نے اس کو لکھ لیا ہو اور اسے بھول گیا ہوں، دعا کی رسول نے جیسے پہلے دعا کی تھی اور کوئی ایسی چیز حلال وحرام امر ونہی طاعت ومعصیت کے بارے میں نہیں رسول نے بتایا نہ ہو رسول نے بتایا میں نے اس کو محفوظ کر لیا اور پھر اس کے بعد ایک حرف بھی نہ بھولا۔ پھر پیغمبر نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ میرے دل کو علم وفہم سے بھر دے اور حکمت ونور سے پر کر دے میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے اللہ کے رسول جب سے آپ نے اللہ سے میرے لئے دعا فرمائی میں اس کے بعد کچھ بھولا نہیں اور کوئی ایسی چیز میں نے چھوڑی نہیں جس کو میں نے لکھ نہ لیا ہو اور آپ کی دعا کے بعد پھر نسیان کا خوف بھی مجھ پر طاری نہ ہوا۔ روایت پر نظر رکھنے کے بعد باآسانی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔

(۱) کہ جتنی بھی آیتیں اور احکام اللہ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتے رہے وہ رسول اسلام حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تک پہونچاتے اور ان کو اس کے مالہ وماعلیہ سے باخبر فرماتے تھے۔

(۲) حضرت علی ان منزل من اللہ احکام الٰہی کو ضبط تحریر میں لانے کے بعد محفوظ کر لیتے تھے تاکہ بعد میں لوگوں کے لئے صعوبت اور دشواری کا سامنا نہ ہو۔

(۳) اللہ کے حبیب نے حضرت علیؑ کو آیتوں کی تاویل وتفسیر، کون ناسخ اور کون منسوخ، کون سی آیت محکم ہے اور کون متشابہ، ان ساری چیزوں کی تعلیم دی تھی جسے مولائے کائنات نے یاد رکھا اور اس کو موقع ومحل کے تقاضوں سے پیش بھی کیا۔

(۴) ختمی مرتبت نے اللہ سے یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ تو قلب علیؑ کو علم وفہم حکمت ونور سے پر کر دے اور رسول کی دعا باب اجابت سے سند قبولیت لے کر پلٹی۔

اس روایت کے پڑھنے کے بعد اگر بینا آنکھیں اور بیدار ذہن رکھتا ہے تو وہ اس کا اقرار کرنے میں جھجک نہیں محسوس کرے گا کہ بعد رسول مولائے کائنات

چلتے ہیں لیکن اسلام ایک ایسا مضبوط و مستحکم مذہب ہے کہ اس کے ہادی ہمیشہ سطح انسانیت اور منزل روحانیت کا درس دیتے رہے اور کبھی اعتدال ذہنی میں تزلزل نہیں پیدا ہونے دیا۔ ایسے ہی اساس تہذیب و تمدن دین کے پیغمبروں میں آدمؑ و نوحؑ، ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد عربیؐ تھے جنھوں نے زندگی کو یکسر حرکت و عمل بنا کر آزادی ضمیر و حریت فکر کا پیغام دیا ہے ان انبیاء نے پیغام کو ذہنوں تک پہونچا کر ان پیغامات کی یاد دہانی کراتے رہنے کے لئے اپنے کردار و سیرت کے عملی نمونے [illegible] کی صورت میں اپنے بعد کے لئے چھوڑے جن میں جو شیعؑ و بارہؑ تھے انہیں سب سے اعلیٰ اور حضرت محمدؐ کے علاوہ سارے انبیاءؑ سے افضل فرد مولائے کائنات حضرت [illegible] تھے جنھوں نے جملہ ذہنا و عملی [illegible] کا درس اس طرح پھیلایا ہوئے واضح لفظوں میں دیا ہے کہ جس کا آج [illegible] موافق و مخالف ہر ایک کو اعتراف ہے۔

یوں تو شرپسند عناصر اور اسلام دشمن افراد کی نگاہوں میں ہمیشہ ہی علم و عمل کی دھنی [illegible] رہی [illegible] کے ساتھ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خلاف مخالفت کے قلم [illegible] تیزی کے ساتھ کام کرتے رہے اور کوئی نہ کوئی [illegible] ناتجربہ کار [illegible] حقیقت تک [illegible] خرافات [illegible] اس موضوع پر کچھ لکھنا ہے اس کا تعلق [illegible] کے محکم بالشان [illegible] اور تا قیام قیامت [illegible] کتاب قرآن مجید سے ہے کہ جس کا ایک ایک لفظ قابل عمل اور ایک ایک حرف پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کا فرض عین ہے جس میں کچھ ظواہر ہیں اور کچھ مخفی چیزیں جن میں کچھ متشابہات و محکمات ہیں کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہر عقل مند و دانا کی سمجھ میں آجاتی ہیں اور اکثر ایسی چیزیں بھی ہیں جو عقلائے دہر کے بس سے باہر ہیں ظاہر ہے کہ جب قرآن ان امور پر مشتمل ہے جن میں اکثر باتیں مادی ترقیات انسانی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں تو ایک ایسے واقف کار، سوجھ بوجھ رکھنے والے کی ضرورت ہے جو قرآن کے مالہ و ما علیہ کو سمجھا سکے اور اسے ہر اسلامی ذہن تک پہونچا سکے اسی کا نام علم تفسیر ہے۔

تفسیر کا حق کس کو ہے

جہاں تک علم تفسیر کا سوال ہے وہ خود اپنی جلالت قدر، رفع منزلت اور عظمت شان کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، علوم و فنون کا گہرا مطالعہ اور حالات و کوائف کے نشیب و فراز سے واقفیت اس کا اہل نہیں بناتی ہے کہ وہ تفسیر کے میدان میں قدم رکھ سکے تفسیر تو وہی کر سکتا ہے جو خالق کلام ہے جس کی مقدس زبان سے کلام کا اجراء ہوا ہے حقیقی تفسیر تو اسے ہی معلوم ہوگی اور وہی بتا سکے گا جس نے کلام کو نازل کیا یا پھر تفسیر کو [illegible] کہ ہے جس پر کلام نازل ہوا ہو زبان [illegible] ہوتا ہو اور مخاطب متکلم کو پہچانتا ہو اور ظاہر ہے اگر متکلم کی زبان سے، انداز خطاب، طرز گفتگو کو سمجھتا نہیں ہے تو وہ کلام کی تفسیر تو بعد کی منزل ہے اس کی صحیح [illegible] سکے گا۔ [illegible] قرآن حمید کی تفسیر بھی [illegible] جس پر کلام نازل ہوا ہو۔ [illegible] وہی [illegible] جو آیتوں کے محل نزول، شان نزول اور آیات کے گرد و پیش [illegible] سے بخوبی جانکاری رکھتا ہو اور یا وہ تفسیر کا حق اس کو ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے اس نے طائر کے دانہ کی طرح جس کو علم کھلایا ہو جس نے اس کو قرآن کے ہر محکم و متشابہ کی وضاحت کے ساتھ جزوی ہو جس کو سارا علم حوالہ کر دیا ہو چند ہی طور پر رسول کا ہم نشین یا کاتب وحی رسول سے تفسیر سن کر بیان کرنے کا حقدار ضرور ہے لیکن پوری تفسیر قرآن کی وہی بیان کر سکتا ہے جو ابتدا



حضرت علیؑ

تفسیر کے آئینہ میں

جناب مولانا ناظم علی خیرآبادی ممتاز الافاضل
مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔۳۔

اللہ کے پاک و مقدس مذہب اسلام نے انسانوں کیلئے عقل و شعور کے نئے دروازے کھولے انسانیت کو نظام حیات بخشا اور اس پر عمل پیرا کرایا تاریکیوں اور ظلمات میں پڑی ہوئی بنی نوع آدم کو نجات کے صحیح راستہ پر لگایا اصول ترقی و مدارج کمال کو واضح لفظوں میں

کہہ کر پیش کیا اور ترقی کا ایک بلند نصب العین سامنے رکھتے ہوئے راس نے آواز دی کہ اسلام دین فطرت ہے ترقی کے مدارج اور اس کے اصول کو فطرت کے تقاضوں پر جانچ کر دیکھو — اسی اسلام نے سچے، معصوم، باحوصلہ مقدس اور پر عظمت و وقار رہبروں کا ختم ہونے والا سلسلہ قائم کیا ہے جو خود انسانیت کے مدارج و کمال پر فائز ہوتے ہوئے نوع بشر کے سامنے اللہ کے مقدس پیغام اور مایہ ناز دین کے فطرت کی میزان پر تلے ہوئے اصول کو پیش کرتے رہے انھیں کا نام انبیاء ہے اور انھیں کو آئمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تاریخ کا مسلہ ہے کہ مقتدایان دین و مذہب اور رہبران صلح و آشتی نے انسان صورت لوگوں کو انسان سیرت کردار کے قالب میں ڈھالنے کے لئے جو انتھک کوششیں

کی ہیں ناقابل فراموش ہیں وہ انسان کو جملہ حیوانی جذبات سے الگ کر کے ایک معقول سطح پر لانا چاہتے تھے جو دنیاوی دینی ارتقاء اور امن وسکون کے لئے بھی ضروری ہے اور دین جس کی طرف برابر پیغام دیتا رہا ہے آنے والے ناسازگار مزاج انسانیت انبیاء و آئمہ نے خون پسینہ ایک کر کے اپنی لامتناہی کوششوں سے اسلام کی پاکیزہ امانت کی حفاظت کی جسے آج ہم چشم زدن میں ایک لفظ کہہ کر ٹال دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر صحیح معنی میں ان کی محنت اور بے پناہ جانفشانیوں کا جائزہ لیا جائے تو انصاف پسند دماغ خود فیصلہ کرے گا کہ انھیں تعلیمات رشد و ہدایت کی وجہ سے آثار انسانیت و آدمیت دکھائی دے رہے ہیں۔ رہبران اسلام علم و حکمت کے زیر درست نظریہ سے ہم آہنگ اور علوم و معارف کے بند دریچوں کو وا کرتے رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتا کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب نے ترقی کے راستوں کو بند کیا ہے اور وہ ارتقاء پسند نہیں ہیں نہیں بلکہ سارے مذاہب اپنے بنیادی اصول کے لحاظ سے ترقی کے ہم خیال اور ارتقاء پسندی کے دوش بدوش ہیں لیکن دوسرے مذاہب کے نظریہ ارتقاء اور مذہب اسلام کے نظریہ ترقی پسندی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دیگر مذہب کے پیروکار ترقی کے عروج کی منزل پر پہونچ کر ذہنی توازن و اعتدال کھو

رسول خدا نے فرمایا اے علیؑ اپنے کو کہاں پاتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں جہاں سے چاہوں تو عرش کو چھو لوں۔ آپ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم کس قدر خوش نصیب ہو کہ کارِ حق انجام دے رہے ہو۔ اور میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ بارِ حق اٹھائے ہوں۔

اسی وقت آس کا آیا کہ مکہ کے دشمنوں کو سامنے بلایا گیا۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ قیدی بنا کر لائے گئے یا اسیر کر کے لائے گئے۔ رسول خدا کو گلے میں رسی باندھ کر سجدہ کی کنکریلی زمین پر گھسیٹنے والے اور لہو لہان کر دینے والے ہر طرح کی ایذا دینے والے آج سر بلند اسلام کے سامنے شرمندگی سے سر جھکائے کھڑے تھے۔ ایسے وقت میں رسول خدا نے جس شانِ کریمانہ کا اظہار کیا وہ تاریخ میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ نے ان دشمنوں سے جنھوں نے حمزہ و جعفر کو شہید اور بیدردی سے شہید کیا تھا سوال کیا آج کے دن تم مجھ سے کس سلوک کی امید کرتے ہو۔ دشمنوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے کریم و رحیم بھائی بھتیجے ہیں خدا نے آپ کو سب قدرت عنایت کی ہے۔
رسول خدا نے بشانِ نبوت فرمایا جاؤ تم سب کو معاف کر دیا (الطلقا)

ادھر ان سب کی آنکھیں جذبات سے آنسو بہانے لگیں۔ ادھر اہل اسلام کا اسلام ضیا بار ہو گیا۔ رحمۃ للعالمین کی شانِ نبوت ظاہر ہو گئی۔ اسلام سر بلند ہو گیا۔

قطعات

از حکیم محمد کاظم بنارسی

مولائے کائنات علیؑ کائنات ما

(۱)

شرف یہ وہ تھا کہ عیسیٰ بھی تاب لا نہ سکے
نبی تھے بارِ امامت مگر اٹھا نہ سکے

کسی طرح سے پہونچ تو گئے قریب حرم
جدا نہ خانۂ کعبہ میں در بنا نہ سکے

(۲)

رجب کی تیرھویں ہی ظلمتیں کا نور ہو جائیں
مزاج ہے کہ دہر بھی جراب طور ہو جائیں

علی آغوشِ پیغمبر میں تہا سکرا تے ہیں
رقیبوں سے کوئی کہہ دے کہ شکر یہ نور ہو جائیں

علیؑ کی سواری نے گھوڑے کے پر لگا دیے تھے۔ اس کے بعد سنگ خارا میں علم کا گڑ جانا دوسرا ایسا ہی عقل کو حیران کرنے والا واقعہ تھا۔ اس پر حضرت علیؑ کا یہ بتانا کہ انا الذی سمتنی امی حیدرہ گویا مرحب کے تابوت کی آخری کیل تھی۔ یہودی کہتے تھے کہ دیکھو دیکھو علیؑ کے پیر دوش ہوا پر ہیں۔ یعنی علیؑ کا قبضہ عناصر اربعہ پر ہے۔ مرحب نے قلعہ کا پھاٹک بند کرا دیا۔ آہنی پھاٹک اس قدر وزنی اور ٹھوس اور مضبوط تھا کہ یہودیوں کو اس پر ناز تھا اور اطمینان کامل سے قلعہ بند تھے لیکن دیکھیے علیؑ نے جوش میں آ کر قلعہ کے پھاٹک کو دبوچا۔ انگلیاں پھاٹک میں در آئیں اور ایک وہ شخص جس کی غذا صرف جو کی روٹی یا جو کے ستو تھی قلعہ کے ایسے پھاٹک کی چولیں ہلائے دے رہا ہے جسے چالیس جوانوں کی قوت روزانہ کھولا اور بند کیا کرتی تھی

قلعہ کا پھاٹک علیؑ کے ہاتھوں پر آ گیا۔ علیؑ نے سے بلند کیا اور اس عریض نہر پر جو پانی سے لبریز تھی اسی پھاٹک سے پل بنا دیا۔ وسط نہر میں کھڑے ہو کر پھاٹک کو سر تک بلند کر کے مسلمانوں کی فوج کو خیبر کے سامنے لا کھڑا کیا اور فوج نے پھاٹک کے قلعہ میں وارانہ اندر گھس گئی اور اسلام سرخرو ہو گیا۔

اب ایک واقعہ جس کا ربط علیؑ کی جائے پیدائش سے ہے اور کچھ نہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ رسالت جانے والے مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دشوار تھا۔ ہجرت کرنے کے آٹھ نو سال بعد ہی وہ وقت آیا کہ مسلمان بغیر ایک قطرہ خون بہائے مکہ پر قابض ہو گئے۔ درمیان کی جنگوں کا ذکر کرنا مقصود نہیں ہے۔ مگر مکہ کی فتح تو جنگ کہی بھی نہیں جا سکتی۔ مسلمانوں کا اب یہ رعب و داب تھا کہ ہر دشمن سرنگوں تھا۔ علیؑ کی تلوار اور رسول خدا کی فہم پر اثر تھا کہ ہر طرف ذہنیتیں شکست خوردہ تھیں رسول خدا نے صرف اتنا کہا کہ کسی پر جارحانہ حملہ نہ کیا جائے گا۔ ہم امن و سکون کے خواہاں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ رسالت کے قائل نہ ہونے والے دل ہی دل میں اپنے پرانے طرز عمل اور کینوں کی وجہ سے خوفزدہ تھے اور دل کانپ رہے تھے۔ مگر رحمۃ للعالمینؐ تو مجسم رحم و کرم تھا۔ آپ نے آج اونٹ کی سواری اختیار کی۔ گھوڑے کی سواری جنگ کے لیے ہوتی ہے۔ عرب میں اونٹ کی سواری پر امن امور کے لیے ہوتی ہے۔ ہر مسلمان نعرہ تکبیر بلند کر رہا تھا۔ جوش مسرت سے ہر ایک جھوم رہا تھا۔ حجازی لحن میں رسالتمآبؐ سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے اور بار بار شتر پر سجدۂ باری تعالیٰ پیشانی رکھتے ہوئے نبی عز و وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ علم اسلام لہرا رہا تھا۔ شان تمکنت، منکسر مزاجی و نرم دلی کے ساتھ باوقار انداز سے آپ مکہ میں داخل ہوئے جہاں سے بقول کفار مکہ کے انھوں نے نکال دیا تھا۔ مدینہ پر ہم چڑھ چڑھ کر لڑائی کرنے والے کانپ رہے تھے۔ رسول خدا کا دل جذبات تشکر سے لبریز تھا۔ رخ آپ کا مولد علیؑ خانہ کعبہ کی طرف کیا۔ آپ نے طواف کیا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا (حق آیا باطل نابود ہو گیا وہ تو اسی قابل تھا ہی) کہتے ہوئے داخل کعبہ یعنی مولد حضرت علیؑ ہوئے۔ علیؑ کو اپنے دوش پر بلند کیا اور بتوں کو توڑ ڈالنے کا حکم دیا۔ علیؑ نے ہر بت کو اس آسانی سے گرا دیا جاتے تھے گویا نصب ہی نہ تھے۔

علیؑ بر دوش احمد چشم بد دور ؛ عیاں شد معنی نور علیٰ نور

خواہ مادی نجاست ہو یا اخلاقی ہو۔ یہ سب معصوم ہیں۔ اور ہر عیب سے پاک و صاف۔ تبھی تو مدینہ میں مسجدِ نبوی کے گرد رہنے والوں کے دروازے خدا کے حکم سے رسولؐ نے مسجد کی طرف کھلے رہنے کو منع کر دیا۔ صرف اپنا اور علیؑ کے دروازے کھلے رکھے۔ تاکہ اس مسجد میں صرف وہی آسکیں جو ہر حال میں طیب و طاہر ہیں۔ ان پر جنب کی حالت میں کبھی غیر طاہر ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا خانۂ خدا کی طہارت میں ان کے گزرنے سے خواہ وہ کسی حال میں آئیں جائیں فرق نہ پڑے گا۔ خانۂ کعبہ کا مولود تو خدا ہی کے یہاں سے طاہر ہو کر دنیا میں آیا تھا۔ خانہ کعبہ طاہر، مولود کعبہ طاہر، والدہ بھی طاہر۔ ان پر تو عبادت گاہیں سلام و صلوٰۃ بھیجتی ہیں اور ان کی طرف منسوب ہو جانے پر ناز کرتی ہیں۔ تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ کعبہ کو شرف اپنے مولود کی وجہ سے ہے۔ کیا "والد" کی وجہ سے "بلد" اس قابل نہیں ہو جاتا کہ خدا اس کی قسم کھائے۔

لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد و والد و ما ولد

کیا دنیا کے پردۂ علمی میں کسی ایسے واقعہ کا عکس ہے کہ جھولے میں شیر مادر سے پلنے والا شیر خوار بچے نے ایک موذی سانپ (نہیں اژدہا) کو اپنی ننھی ننھی مٹھیوں سے دبا کر مار ڈالا ہو (اژدر کے کلے کو چیر کر دو کر دینا تو بہت مشہور ہے کہ علیؑ نے اژدر کے کلے کو چیر کر دو کر دیا) جب ان کی مادرِ گرامی کی جب نظر پڑی تو بے ساختہ آواز نکلی "حیاک اللہ یا حیدر" یا اے میرے شیر خدا تجھ کو سلامت رکھے۔

کیا دنیا کے تصور میں کوئی ایسا متوازی واقعہ محفوظ ہے۔ اگر نہیں ہے تو پھر علیؑ کو شیرِ خدا کیوں نہ کہا جائے۔ مادرِ محترمۂ علیؑ کی زبان سے نکلا ہوا وہ جملہ حضرت علیؑ کا نام بن گیا اور اس نام کی معجز نمائی اب تک باقی ہے۔ صرف اس نام کا وجود اس قابل ہو گیا کہ قلعۂ خیبر فتح ہو جائے۔ بڑے بڑے فیل آزما پہلوانوں اور نادرۃ الزمن شمشیر زنوں کے دل علیؑ کا نام سن کر دہل جاتے تھے۔ اس دماغی اثر کا جنگ میں ہمیشہ بڑا حیرت انگیز تعلق رہا تھا۔ دل شکست ہو گیا تو جنگ کی شکست بدیہی بات ہو جاتی ہے۔ مرحب نے رات میں خواب میں دیکھا تھا کہ اسے ایک شیر نے پھاڑ ڈالا ہے۔ ادھر مرحب نے یہ خواب دیکھا ادھر علم لدنی کے مالک کو اطلاع ہو گئی جب علیؑ گھوڑے کو ایڑ لگا کر نہر کو پار کر کے قلعہ کے سامنے شیرانہ انداز میں پہنچے تو پتھر میں اسلام کے علم کو قلعہ کے سامنے گاڑ دیا اور اس علم کے لئے سنگ خارا موم ہو گیا۔ اس کے بعد علیؑ نے فرمایا

انا الذی سمتنی امی حیدرہ

میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام شیر رکھا ہے۔ گویا یہ یاد دلانا تھا کہ کل شب میں جسے تو نے خواب میں دیکھا وہ میں ہی ہوں۔ مرحب کا دل دہل گیا۔ موت سامنے نظر آئی۔ موت سے زیادہ شکست کی تحقیر اثر انداز ہوئی۔ علیؑ کی جنگوں میں ان کے معجزات اکثر فتح یابی کا دماغی سامان مہیا کر دیتے تھے۔ لیکن جو معجزات خیبر میں رونما ہوئے وہ میرے خیال میں سب میں ممتاز ہیں۔ احد کی جنگ میں درمیان زمین و آسمان فضائے بسیط میں اعلان کی آواز کہ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار دلوں کے دہلانے کے لئے کافی تھی۔ یہاں بھی اس چوڑی نہر کو پار کر کے اسپ وفادار کا قلعہ کی طرف طویل چھلانگ لگا کر گویا اڑ کر قلعہ کے سامنے آ جانا حریف کی جڑ ڈالی مرحب کے لئے اطمینان نفس کا باعث تھی محیر العقول ہی کارنامہ تھا۔ اس

ابھی ولادت سے پیشتر اپنی مادر گرامی کے ذریعہ از رہ واسطہ سے کرا رہا ہے۔ کیا خوب شاعر نے کہا ہے ؎

دیوار سے داخل ہوں کہ در سے آئیں
گھر جن کا ہے وہ چاہے جدھر سے آئیں
(نجم آفندی)

کیا ہزار ہا سال کی تاریخ اپنے طویل و عریض دامن میں کوئی ایسا خارق عادات واقعہ رکھتی ہے کہ کسی نومولود نے تین شبانہ روز آنکھیں نہ کھولی ہوں اور شیر مادر کی طرف متوجہ ہو کر اپنی غذا نہ حاصل کی ہو۔ یہ بلا امداد قابلہ پیدا ہونے والا خدا کے گھر کا مولود جو (غالباً) ناف بریدہ پیدا ہوا کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتا وہ اپنے بھائی کے چہرۂ مبارک پر نظر اول ڈالنے کا متمنی ہے۔ خدا کا رسول آئے تو رخ سید البشر پر نظر ڈالی جائے شایان کعبہ اس قابل نہ تھے کہ علیؑ کی نظر ان پر پڑے۔ تین دن در کعبہ مقفل رہا اور علیؑ کی آنکھیں بھی بند رہیں۔ رسول خدا کو اطلاع ملی مسکن کی طرف نہیں تشریف لے گئے۔ خانۂ کعبہ کی طرف بہ عجلت روانہ ہوئے۔ دروازہ کا قفل کھولا، اندر داخل ہوئے، تیزی سے چچی کی طرف چلے اس انداز سے دروازۂ خانۂ کعبہ ہی سے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے چل رہے تھے۔ اس طرح سے کہ گویا نومولود بھائی کو اپنی گود میں لینے کا بے حد اشتیاق ہے۔ بھائی کے پاس بھائی پہونچ گیا تو علیؑ نے آنکھیں کھول دیں۔

کھلی جو آنکھ رخ سید البشر دیکھا

رسول خدا نے چچی سے فرمایا لائیے میرے بھائی کو مجھے عنایت فرمائیے۔ اور آغوش میں بھینچ کر لپٹا لیا۔ آنکھوں کو بوسے دینے لگے اور رسول کی آنکھوں کی رگوں میں سرور و کیف کا خون دوڑ گیا

جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

کیا تاریخ روزگار کے صفحات میں کوئی ایسا واقعہ ہے کہ کسی نومولود نے ماں کے دودھ کی طرف تین شبانہ روز رغبت نہ کی ہو اور جس کی رضاعت کسی نبی کے لعاب دہن سے ہوئی ہو۔ ماں نے رسول خداؐ سے فرمایا کہ یہ عجیب و غریب بچہ ہے۔ اس نے اب تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں آپ آئے تو آنکھیں کھول دیں اس نے ابتک دودھ کی طرف بھی رغبت نہیں کی ہے۔ خاتم النبیینؐ نے فرمایا ہاں اس کی رضاعت میں کروں گا۔ لیجئے رسول خداؐ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ نے اپنی زبان علیؑ کے دہن میں دے دی۔ لعاب دہن رسالت مآبؐ دودھ بن کر تین دن کے بھوکے بچے کو سیراب کرنے لگا اور علیؑ کا جسم اور اس کا خون رسول اللہؐ کے لعاب دہن سے تیار ہونے لگا۔ علوم وہبی علیؑ کی رگ و پے میں اور دماغ و قلب میں سرایت ہونے لگے۔

زقّنی رسول اللہ زقاً زقاً۔ (مجھے رسول اللہؐ نے اس طرح علم بھرایا جیسے بھرانے کا حق تھا)

کعبہ کی مکمل طہارت پر ہر مسلمان کا ایمان ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ جس کی پیدائش قلب خانۂ کعبہ میں ہوئی وہ یقیناً بھی طاہر و مطہر ہے اور رجس و نجاست سے ہمیشہ پاک و صاف رہی بلکہ روز اول سے جسمانی و روحانی حیثیت سے طیب و طاہر تھی۔ رجس سے پاک نہ ہوتی تو خدائے کون و مکان اپنے خاص مکان کے اندر بلانے کے لئے استقبالیہ دروازہ نہ کھولتا۔ یہیں سے یہ بھی ثابت ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علیؑ بھی زچگی کی نجاستوں سے مبرا و منزہ تھیں۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

یہ اہل بیت جو محمدؐ و آل محمدؐ تھا اسی نام سے مشہور رہیں ان پر رجس و نجاست کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کہ اے رحیم و کریم اے پروردگارِ عالم یہ ولادت مجھ پر آسان کر۔ دعا تو معاً قبول ہو گئی مگر قابل غور بات یہ ہے کہ جو نہ مانگا تھا وہ بھی ملا۔ جس بات کا وہم و گمان نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا وہ امر نمایاں ہوا۔ جناب فاطمہ بنت اسد کا شکم مبارک جس مقام پر چھو گیا وہاں ایک دروازہ بن گیا۔ علیؑ بعد میں پیدا ہوئے معجز نمائیاں ماں کی وساطت سے ہونے لگی

آمد حیدرؑ کی تیاری کا منظر دیکھئے
پھر استقبال کعبہ میں نیا در دیکھئے

جناب مریم کو حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس سے باہر جاؤ۔ جناب فاطمہ بنت اسد کو ہدایت ہوئی کہ تم اسی در سے اندر داخل ہو جاؤ۔ مادر علی (علیہ السلام) یہ افوق العادت ماجرا دیکھ کر اور یہ آوازیں سن کر ذرا جھجکیں اور قدرے سہمیں مگر ندائے غیب یا علم خدا آئی ادخلی یا فاطمۃ اے میری کنیز خاص! اے فاطمہ تم بے خوفی کے ساتھ میرے حرم خاص میں داخل ہو جاؤ۔ یہ مخصوص ولادت میرے مخصوص گھر میں ہو گی۔ نادرۃ الزمن ہستی کے لئے نادرۃ الزمن تاریخ ولادت بنائی جائے گی۔ وہ آنے والا ہے جو اس بیت کا مالک اور میرا مہمان ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اہل بیت نہیں ہیں۔ وہ اہل بیت الٰہی اور یہ نہ بھی اہل تو اب یہ ان کا گھر ہے۔ علیؑ اس کے نیابتی مالک ہیں۔ علیؑ کا مولد ساری دنیا کے واسطے قیامت تک کے لئے قبلہ ہو گیا۔ رب الارباب کا حکم ہے کہ اب اسی گھر کی طرف رخ کر کے عالم انسانیت کا ہر فرد تسلیم و رضا کے ساتھ اسی گھر کی طرف رخ کر کے پنج وقتہ نمازیں پڑھے۔ اس عمارت کو تاریخی امر کزیت اپنی تمام تعریفات کے ساتھ حاصل ہو گئی۔ یہ ولادت ایسی ہے کہ کعبہ فراموش نہ ہونے دیگا۔ نہ کعبہ قابل فراموش ہے نہ مولود کعبہ قابل فراموش ہیں۔ مکان کے ساتھ اس کے مکین کا ربط ابدی ہے دونوں ذہن میں رہیں

در دروازۂ جدید فراموش نہ ہونے دے گا
یہ مرکز کاف کعبہ ہے جو عیاں ہے چاک جدار ہو کر
آیۃ اللہ کا العین ہے حرم پہ نقش و قار ہو کر!
یہ ضرب نور نے بنایا ہے راستہ ذوالفقار ہو کر
یہ بہر دیدار آنکھ کھولی ہے کعبے نے بے قرار ہو کر
علیؑ نے کعبہ میں ڈال دی جان حرم کے دل کا سکون بن کر
علیؑ نے توحید کو سنبھالا خدا کے گھر کا ستون بن کر

کیا اس رفیع الدرجات مولود کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی ایسا نادرۃ الزمن واقعہ دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ دیوار خندۂ دنداں نما کے ساتھ ہنس کر اپنے لبوں کو کھول کر آواز دے اور مادر مولود کے لئے راستہ بنا دے۔ لیکن مزید برآں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ دیوار کعبہ میں صرف شگاف ہی نہیں ہوا، شگاف پڑ جانا اور بات ہے اور کسی در کا اسقدر چوڑا ہونا کہ فاطمہ بنت اسد اس شگاف سے باآسانی گزر کر حرم میں داخل ہو جائیں یہ دوسری محیر العقول بات مزید برآں ہے۔ یقیناً یہ بات ایک بدیہی معجز نمائی کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ مورخین مسلسل اسے شگاف کہنے کے بجائے درنہیں دروازہ ہی لکھتے چلے آ رہے ہیں اور اس شگاف کی چوڑائی کو مد نظر رکھتے ہوئے بونکر دروازہ نہ کہیں۔ اپنے بطن مبارک میں علیؑ کی ہستی مبارک ہی کو لئے ہوئے مادر محترمہ خود معجز نمائیاں کر رہی ہیں۔ دروازہ بن گیا۔ دیوار صرف شق نہیں ہوئی۔ ابھی اس سلسلہ میں ایک اور معجز نمائی قابل غور ہے۔ یہ گوشہ فراموش نہ ہونا چاہئے۔ جناب فاطمہ بنت اسد جب داخل حرم ہو گئیں تو معاً چاک دیوار بند ہو گیا اور دیوار پھر مکمل ہو گئی۔ یہ پیاپے نادرۃ الزمن معجزات معجزہ در معجزہ ہیں۔ جنہیں خدا کا معجز نما بندہ



مولود اور مولد کے رشتے

از
جناب سید ارشاد حسین صاحب زہرا ایڈوکیٹ رائے بریلی

کیا تاریخ عالم کے صفحات پر یا ذہن انسانی کے ورق معلومات پر کسی ایسی منزلت کے بچے کا ذکر نظر آتا ہے جس کی پیدائش جوف بیت اللہ میں ہوئی ہو۔ درانحالیکہ ایک ہزار برس سے بہت زیادہ مدت کی تاریخ شاہد ہے کہ جناب مریم جیسی معزز و محترم معصومہ کی زندگی جن کا شب و روز قبلۂ اول بیت المقدس کے سے مقدس اور پاک و پاکیزہ خانۂ خدا ہی میں ادا کرنا اس کی پاک و پاکیزہ خدمتگزاری ہی میں صرف ہوتی تھی۔ تاہم ہنگام ولادت حضرت عیسیٰ کو خدا کی طرف سے ہدایت پانی پڑی کہ اے مریم یہ خانۂ خدا بیت المقدس زچہ خانہ نہیں ہے باہر ولادت ہوگی حضرت عیسیٰ، روح اللہ ہیں۔ بے شک وہ مسیح و رسول تھے مقرب نبی تھے۔ مگر خدا ہی کے حکم سے ان کی مادر گرامی کو بیت المقدس سے باہر جانا پڑا اور روح اللہ کی ولادت زیر گنبد فلک ایک درخت کے سایہ میں ہوئی۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہ ذات بابرکات صرف علیؑ ہی کی تھی جن کی ولادت خدا کے مخصوص گھر خانۂ کعبہ کے اندرونی حصہ میں ہوئی اور صریحاً حکم خدا سے ہوئی۔ باوجود اس کے کہ کلام رب العزت شہادت دیتا ہے کہ کعبہ وہ پہلا گھر ہے جو مکہ میں لوگوں کے لئے بنایا گیا اور جو مبارک اور تمام عالموں کے لئے ہدایت ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعالمین

مکان کی افادیت اس کے مکین سے ہوتی ہے۔ ایک غیر ناطق عمارت ایک ناطق ہادی ہی کے ذریعہ سے رہنمائی کر سکتی ہے۔ آج خانۂ کعبہ کا مکین آگیا اور کعبہ ھدی للعالمین ہو گیا۔ اب رہتی دنیا تک علیؑ کی ولادت گاہ عامۃ الناس کے لئے قبلہ ہو گئی اور علیؑ قبلہ نما ہو گئے۔ علیؑ کا زچہ خانہ بادی و رسول ہو گیا

مقصود از بنائے کعبہ خانہ میلاد تو بود ! !
ورنہ شخصے لامکاں را کے مکاں باشد بدل

تو کیا اس رفعت کا کوئی بچہ نا مولود تاریخ عالم کے آئینہ میں بجز علیؑ کے دوسرا بھی نظر آتا ہے جو شکم مادر میں آتے ہی معجزنمائیاں کرنے لگا ہو۔ بلکہ یوں کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ حرف خود معجزنمائی کا ثبوت شکم مادر میں رہتے ہوئے دیتا رہا ہو بلکہ اپنی مادر معظمہ کو بھی معجزنما بنا دیا ہو۔ کوئی تو بات تھی جس نے محترمہ والدۂ علیؑ ابن ابیطالب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے شکم مبارک کو دیوار خانۂ کعبہ سے مس کریں اور مس کرنے کے بعد دعا کریں

فرشتے نے آپ کو اپنا معبود بھی قرار دیا ہے۔

۸؎ ۔ جبرئیل آپ کی شان میں آیتیں لے کر آئے ۔ لہذا اس لحاظ سے آپ مقصود قرار پائے۔

۹؎ آیۂ تطہیر نیز دیگر آیات کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰؎ ثابت ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آپ کا نور موجود ہے اور آخر تک رہے گا۔ نیز یہ مطلب نکلتا ہے کہ آپ جب سے ہیں اور جب تک رہیں گے ہر زمانہ میں علیؑ یعنی بلند ہیں۔

۱۱؎ حدیث "انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" (یعنی تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی) کی جانب اشارہ ہے ۱۲۔

نذرانۂ عقیدت

جناب جوالا پرشاد صاحب نگم روشن لکھنوی

وصیِ احمدِ مختارؐ کی ولادت ہے
نجومِ چرخ کی ہیں انجمنیں خموش خموش
پئے طواف بصد مہر با ادب آئے
عبائیں اطلس کی پہنے ہوئے فرشتے ہیں
تمام عالمِ امکاں پہ کیف کا عالم !!
تمام منظر خاموش ہے تبسم بہ لب
علی کے آنے کی ہے دھوم آسمانوں پر
صدائے للہ الحمد ہے زبانوں پر
ہوا ہے کعبہ کی دیوار سے جو در پیدا
اب انتظار کی گھڑیوں کا اختتام ہوا
ہوا [illegible] کی ہوئی نصاب [illegible] اب !!

تجلیوں میں الٰہی راز نورِ وحدت ہے
ملائکہ نگراں ہیں کہ نیک ساعت ہے
فضائے کعبۂ اقدس کی آج زینت ہے
کہ آج عالمِ کثرت میں رنگِ وحدت نے
کہ آج بادۂ توحید کی اجازت ہے
پئے سلام و مبارک ہجومِ عشرت ہے
کہ جس کے نام کی ہر نطق پر تلاوت ہے
نزولِ عظمتِ جاوید کی علامت ہے
فرشتے بول اٹھے وا رے بارِ رحمت ہے
وہ آگئی ہے کہ جو نازشِ مشیت ہے
نظر کے سامنے مسحور کن وہ صورت ہے

سکون بزمِ مسرت میں ہے شریکِ روشن
کہ پیش کرنے کو نذرانۂ عقیدت ہے

آں قول نحمک لحمی بشنو تا کہ بدانی ۔۔۔ آں یار کہ او نفس نبی بود علی بود
آں شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج ۔۔۔ با احمد مختار یکے بود علی بود
آں عابد سجاد کہ خاک درش از قدر ۔۔۔ بر کنگرۂ عرش بیفزود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن ۔۔۔ ہم عابد و ہم معبد و ہم معبود علی بود
سر دو جہاں پرتو انوار الٰہی ۔۔۔ از عرش بفرش آمدہ بنمود علی بود
جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بیچوں ۔۔۔ در پیش محمد شدہ مقصود علی بود
آں معنیٔ قرآں کہ خدا در ہمہ قرآں ۔۔۔ کردش صفت عصمت و بستود علی بود
اینکہ کفر نباشد سخن کفر نہ اینست ۔۔۔ تا ہست علی باشد و تا بود علی بود
ہارون ولایت ز پس موسیٔ عمراں ۔۔۔ واللہ کہ علی بود علی بود علی بود

سر دو جہاں جملہ ز پنہاں و ز پیدا
شمس الحق تبریز کہ بنمود علی بود

حکم سلیمان نبی امیر نفت بر دیو و پری
بو بش ز تو انگشتری اللہ ز مولانا علی

۴ حدیث لحمک لحمی کا حوالہ دینے کے بعد آیۂ مباہلہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے آپ کا نفس رسول ہونا ثابت ہے۔

۵ شب معراج میں آپ کی ہمراہی کو شیخ سعدی نے بھی کئی اشعار میں نظم کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے ؎

چتر دار مصطفیٰ در صورت باز سفید را
در شب معراج سبحان الذی اسریٰ علی

نیز سید محمد صالح کشفی نے اپنے والد بزرگوار کا یہ شعر نقل کیا ہے ؎

گفت ہم معراج با احمد علی!
زیں سخن واقف بود در ہیچ دلی

۶ ظاہر ہے کہ نعلین رسول کے ساتھ خانۂ محمد و علی کی خاک بھی فراز عرش تک پہونچی

۷ حدیث "انا و علی من نور واحد" کے مطابق آپ اور مخلوق اول یعنی جناب رسول خدا ایک نور سے ہیں۔ نیز آپ سب سے پہلے رسول پر ایمان لائے۔ لہٰذا اول ہیں۔ آپ سب سے آخر میں رسول سے جدا ہوئے نیز آپ وجہ اللہ ہیں جس کے لئے آیت کا وعدہ ہے زوجہ باقی رہنے کا لہٰذا آپ آخر بھی ہیں۔ آپ کے بہت سے کمالات و فضائل ظاہر ہیں اور بہت سے پوشیدہ۔ آپ نے ظاہر بظاہر بھی حق کی نصرت کی اور پوشیدہ طور سے بھی، لہٰذا ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی۔ آپ کی عبادت گزاری میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عابد ہیں۔ موافق حدیث "النظر الی وجہ علی عبادۃ" (یعنی علی کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے) آپ مَعبَد (بفتح میم و با) یعنی عبادت گاہ ہیں۔ اگر مُعبِد (بضم میم بکسرہ با) یعنی عبد بنانے والا پڑھا جائے تو آپ دوسروں کو خدا کی بندگی سکھانے والے ہیں۔ اگر مُعبَد (بضم میم و فتح با) یعنی عبد بنایا ہوا پڑھا جائے تو آپ کو خدا نے عبد خاص بنایا ہے اور اگر مِعبَد (بکسرہ میم و فتح با) یعنی ذریعہ عبادت پڑھا جائے تو آپ کے ذریعہ سے عبادت قائم ہوتی ہے۔ معبود اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ صفت معبودیت کے مظہر ہیں۔ اس کے علاوہ نصیری

کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ شب معراج میں نے ایک فرشتے کو نور کی کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھا۔ ایک پاؤں اس کا مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں، اس کے پاس ایک لوح تھی، تمام دنیا اس کے سامنے اور خلق اس کے گھٹنوں کے درمیان تھی، اس کا ہاتھ مغرب سے مشرق تک پہونچتا تھا۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا عزرائیل ہیں آپ سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا تو اس نے جواب سلام دے کر پوچھا کہ آپ کے ابن عم علیؑ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگا ہاں کیونکر نہ پہچانوں گا خدا نے مجھ کو خلائق کی روحیں قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے بجز آپ کے اور آپ کے ابن عم علیؑ ابن ابیطالبؑ کے کیونکہ آپ کی اور ان کی موت آپ دونوں کے ارادہ پر موقوف ہے۔ ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۵۔ مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفےٰ صفحہ ۱۷۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۶۵۔

نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن و حدیث دونوں کے نزدیک امیرالمومنینؑ کو یہ اختیار حاصل ہے اور موت آپ پر نہیں بلکہ آپ موت پر غالب ہیں۔ بلحاظ اختصار اتنے ہی صفات مناقب جلیلہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ ورنہ مودۃ القربیٰ اور مناقب مرتضوی وغیرہ کتب معتبرہ میں امیرالمومنینؑ کے جو خطبات و کلمات نقل ہوئے ہیں وہ بہت ہی بلند اچھوتا نکتہ دینے والے اور معرفت کی راہیں کھولنے والے ہیں اور ان کی تشریح و توضیح کے لئے کافی وقت اور بسیط مضمون درکار ہے۔

آخر میں شاہ شمس تبریز علیہ الرحمہ کے ایک طویل قصیدے کے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔ یہ قصیدہ موصوف کے دیوان میں موجود ہے اور صاحب گلزار شمس تبریز نے بھی نقل کیا ہے لیکن صاحب مناقب المرتضوی نے اسکو مولانا روم سے منسوب کیا ہے۔ جو شمس تبریز علیہ الرحمہ کے خاص معتقدین میں سے تھے اور اس پر ان کا یہ شعر گواہ ہے ؎

مولوی ہرگز نشد مولائے روم ٭ تا غلام شمس تبریزی نشد

قصیدہ

تا صورت پیوند جہاں بود علیؑ بود ٭ تا نقش زمین بود و زمان بود علیؑ بود

مسجود ملائک شدہ آدم ز علیؑ بود[1] ٭ در قبلہ محمدؐ پدر مقصود علیؑ بود

ہم آدم و ہم شیث و ہم ادریس و ہم ایوب ٭ ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علیؑ بود

ہم موسیٰ و ہم عیسیٰ و ہم خضر و ہم الیاس[2] ٭ ہم صالح پیغمبر و داؤد علیؑ بود

خاتم کہ در انگشت سلیمان نبی بود[3] ٭ آں نور خدائے کہ در او بود علیؑ بود

---

[1] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ پیشانی آدم میں محمدؐ و آل محمدؐ کا نور تھا۔ جس کی طرف فرشتوں نے سجدہ کیا۔

[2] ان دونوں مصرعوں میں ان حدیثوں کی طرف اشارہ ہے جنمیں بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء کے صفات حمیدہ علیؑ کے اندر موجود ہیں۔

[3] امیرالمومنینؑ کی مشہور حدیث ہے کہ نصرت الانبیاء سرا و نصرت محمداً جہراً میں نے تمام انبیاء کی پوشیدہ طور پر اور محمدؐ صلعم کی علانیہ مدد کی، لہذا آپ کی حمایت حضرت سلیمانؑ کے ساتھ بھی تھی جس کا ذریعہ ان کی انگشتری کا نقش تھا۔ مولوی معنوی فرماتے ہیں۔

[redacted]

اس عقیدے میں غلو کی کوئی گنجائش نہیں کہ جنتی اور جہنمی اشخاص کے درمیان جنت و جہنم کی تقسیم امیرالمومنین علیہ السلام فرمائیں گے کیونکہ اس مقصد پر کثیر روایات و احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ صواعق محرقہ، سنن دارقطنی، بحرالمعارف، خلاصۃ المناقب، ینابیع المودۃ صفحہ ۸۴، صفحہ ۸۶ و صفحہ ۲۸۵، ارجح المطالب مولوی عبداللہ امرتسری صفحہ ۳۲، مناقب المرتضوی من مواہب المصطفیٰ حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر صفحہ ۱۱۰، مناقب مرتضوی سید محمد صالح کشفی حنفی باب ۲ منقبت ۶۱ و ۹۹ و ۱۳۰ و ۱۴۲ و باب ۳ منقبت ۱۸ و ۱۰۴ نیز دیگر بکثرت کتب معتبرہ میں منقول ہے۔

اس کے علاوہ سورہ توبہ کی آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (یعنی یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کے نفوس اور اموال خرید لئے ہیں اور ان کے عوض میں ان کو جنت دے دی ہے) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت باقاعدہ مومنین کی ملکیت میں آچکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جو ذات امیرالمومنینؑ ہوگی بدرجۂ اولیٰ اس کو حق ملکیت اور حق تصرف حاصل ہوگا اور جو شخص جنت کا مالک ہوگا جہنم اس کے اقتدار سے نکل کے کہاں جائے گا۔ چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں منقول ہے کہ سورۂ ق کی آیت اَلْقِیَا فِیْ جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ (یعنی تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو جہنم میں ڈال دو) میں تم دونوں سے مراد نبی اور علیؑ ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ امیرالمومنینؑ بروز قیامت بہشت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہوں گے۔

آخر میں مزید تقویت کے لئے امام شافعی کا ایک مشہور قطعہ بھی نقل کرتا ہوں جسے سید محمد صالح کشفی حنفی نے مناقب مرتضوی کے باب ۳ منقبت ۱۰۴ کے ذیل میں لکھا ہے۔

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّۃٌ قسیم النار والجنہ
وصی المصطفیٰ حقا امام الانس والجنہ

یعنی علیؑ کی محبت آتش جہنم کی سپر ہے۔ آپ دوزخ اور جنت کے تقسیم کرنے والے محمد مصطفیٰ صلعم کے وصی برحق اور انسان و جنات کے امام و پیشوا ہیں۔

علیؑ کو اپنی موت پر اختیار ہے

بظاہر یہ بات اختیارات قدرت میں دخل اندازی معلوم ہوتی ہے لیکن تفسیر ثعلبی اور احیاء العلوم امام غزالی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شب ہجرت جب امیرالمومنین علیہ السلام نے جناب رسالتمآب پر اپنی جان قربان کرتے ہوئے آنحضرتؐ کے بستر پر استراحت فرمائی تو سورہ بقر کی یہ آیت آپ کے حق میں نازل ہوئی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (یعنی بعض انسان ایسے ہیں جو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ ایسے بندوں پر بہت مہربان ہے۔) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب خدا کی مرضی آپ نے خرید لی تو اب آپ کی کوئی خواہش اور کوئی عمل اس کی مرضی میں دخل اندازی نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہوگا۔ اور اسی طرح موت و زندگی بھی آپ کی مرضی اور اختیار کے ماتحت ہوگی۔

چنانچہ معتبر کتابوں میں جناب ابوذر سے مروی ہے

تھیلی نکالی اور اسے کھولا تو دیکھا کہ ہر چیونٹی اپنے منہ میں ایک چاول کا دانہ دبائے ہوئے ہے۔

علیؑ رب ہیں

رب کے لغوی معنی ہیں پرورش کرنے والے کے۔ اور چونکہ والدین اپنی اولاد کی، مخدوم اپنے خادموں کی، بادشاہ اپنی رعیت کی اور حیوانات کو پالنے والے جانوروں کی تربیت و پرورش کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی لفظ مربی اور "رب" کے مصداق ہوتے ہیں۔ اسی لئے خدا کو رب الارباب یعنی تمام پرورش کرنے والوں کا رب اور پالنے والا کہا جاتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں خدا اولاد کو ماں باپ کے لئے ان الفاظ میں دعا کا حکم دے رہا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (یعنی کہو کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر اس طرح رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی) "رَبَّيَانِي" کا لفظ بتا رہا ہے کہ ماں باپ بھی رب ہیں۔ (اگرچہ حقیقی رب خدا ہی ہے۔)

اس سے زیادہ واضح سورۂ یوسف کی وہ آیتیں ہیں جن میں بادشاہ کو بار بار رب کہا گیا ہے جیسے فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا (یعنی پس وہ (قیدی) اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلانے کا کام کرے گا)۔ پھر اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ (یعنی اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے میرا ذکر کر دینا)۔ اس کے بعد فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ (یعنی شیطان نے اسے اپنے رب (آقا) سے ذکر کرنے کو بھلا دیا۔) ایسے کھلے ہوئے ثبوت کے بعد اگر کہا جائے کہ علیؑ امت کے رب ہیں تو اس پر غلو کا الزام کیونکر عاید ہو سکتا ہے؟ بلکہ روایتیں تو یہاں تک بتاتی ہیں کہ خود قرآن مجید میں آپ کو رب کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ دہر میں ارشاد ہے وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (یعنی ان کا رب شراب طہور پلائے گا) ظاہر ہے کہ پلانے کا کام خدا کا نہیں بلکہ کوئی دوسرا ہی انجام دے گا اور وہ ساقی کوثر کے سوا اور کون ہو گا؟ مزید تائید کے لئے ملا جامی کا یہ شعر بھی پیش کر دوں جسے سید محمد صالح کشفی حنفی نے مناقب مرتضوی میں نقل کیا ہے ؎

وَسَقَاهُمْ ہر کہ در حق علیؑ انکار کرد
از کف ساقی جنت شربت کوثر نیافت

یعنی جس نے آیہ "سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ" کے علیؑ کے بارے میں ہونے سے انکار کیا وہ ساقی کوثرؑ کے ہاتھ سے سیراب نہ ہو گا۔

اسی سلسلہ میں مذکورہ بالا کتاب کے دیباچے کے حوالے سے امام شافعی کے بھی دو شعر پیش کر دینا بے محل نہ ہو گا۔ فرماتے ہیں ؎

كَفَىٰ فِي فَضْلِ مَوْلَانَا عَلِيٍّ
وُقُوعُ الشَّكِّ فِيهِ أَنَّهُ اللّٰهُ
وَمَاتَ الشَّافِعِيُّ لَيْسَ يَدْرِي
عَلِيٌّ رَبُّهُ أَمْ رَبُّهُ اللّٰهُ

یعنی ہمارے مولا علیؑ کی فضیلت میں یہ شک واقع ہونا ہی کافی ہے کہ وہ خدا ہیں۔ شافعی مر گیا لیکن اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے رب علیؑ ہیں یا اس کا رب اللہ ہے

علیؑ قسیم جنت و نار ہیں

ہے چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے۔ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ
لَکُمْ کَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ
طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یعنی حضرت موسیٰ کہیں گے)
میں تمہارے لئے گندھی ہوئی مٹی سے ایک پرندے
کی صورت بناؤں گا۔ پھر اس میں دم کروں گا تو وہ خدا
کے حکم سے اڑنے لگے گا۔) بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ صفت
امیرالمومنینؑ کے لئے کوئی امتیازی شان پیدا نہیں کرتی
کیونکہ آپ تو امر سے بلند تر مرتبے یعنی صفت امر کے
حامل تھے۔ خدا نے قرآن مجید میں بار بار اپنے امر کا
حوالہ دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صفت خلق سے اوپر
اٹھ کر جب صفت امر کا مظاہرہ ہوتا ہے تو اس کا
نتیجہ بلا تاخیر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اپنی اسی کتاب میں
اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فرما کر یہ بھی اعلان فرماتا ہے
کہ (حسب تحویلہ بالا حدیث قدسی کا مفہوم اشارہ کرتا ہے)
کچھ بندے صاحبانِ امر بھی ہیں جن سے اس صفت
کا اظہار ہوتا ہے اور وہ جس وقت جو چاہتے ہیں فوراً
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں آپ کے بہت سے
واقعات و معجزات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ آپ کے
اشارے سے مٹی کی دیوار سونے کی ہو جانا، آفتاب
کی رجعت، ایک خارجی کا کتا بن جانا، سوکھے ہوئے
درخت کا سرسبز ہو جانا، مردوں کا زندہ ہو جانا
اور اسی قبیل کی سیکڑوں مثالیں جن کو علامہ سید
محمد صالح کشفی حنفی جیسے علمائے اہل سنت نے بھی اپنی
کتابوں میں نقل کیا ہے اور کسی حق پسند کے لئے ان
سے انکار ممکن نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ امیرالمومنینؑ کو صاحب خلق
کہنا بھی درست ہے اور صاحب امر بھی

علیؑ رازق ہیں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں امیرالمومنینؑ کا رازق
ہونا بھی ثابت ہے۔ کیونکہ خداوند کریم نے قرآن مجید کی
مختلف آیتوں میں اپنے کو خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (یعنی
تمام رزق دینے والوں سے بہتر) فرمایا ہے۔ جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے علاوہ اور بھی رزق پہنچانے
والے ہیں جو اس کی جانب سے اس کام پر مامور ہیں یا
اس کی صفت رزاقیت کے مظہر ہیں۔

جب آقا کی جانب سے غلام اور نوکر کو یا ماں باپ
کی طرف سے اولاد کو رزق پہنچ سکتی ہے تو امام اور
پیشوائے خلق کی طرف سے مخلوقات کو رزق کیوں تقسیم
نہیں ہو سکتا؟ اور اس میں عقلاً یا نقلاً کون سی
قباحت یا غلو کا پہلو نکلتا ہے؟۔ اس کے بعد اب اس
مشہور واقعے میں بھی کوئی اشکال نہیں رہ جاتا کہ ایک
بار امیرالمومنینؑ صحرا میں کھڑے ہوئے انگشت مبارک
سے چاروں طرف اشارے فرما رہے تھے۔ ایک صاحب
نے یہ دیکھ کر حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ
مخلوقِ خدا کو رزق تقسیم کر رہا ہوں۔ ان کو یقین نہیں
ہوا۔ لہذا آپ کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لئے
دوسرے روز کچھ چیونٹیاں ایک شیشی میں ڈال کر مضبوط
ڈاٹ لگا دی اور اس کو اپنے لباس میں چھپائے ہوئے
پھر اسی مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ آپ مثل سابق اشارہ
فرما رہے ہیں۔ جب آپ فارغ ہوئے تو انھوں نے
پوچھا کیا آپ نے ساری مخلوق کو رزق تقسیم کر دیا؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ بلکہ ان چیونٹیوں کو بھی جنھیں تم
شیشی میں بند کر کے لائے ہو۔ اب جو انھوں نے گھبرا کر

(سورۂ دخان) میں حضرت موسیٰؑ کے لئے، اور آیہ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ (سورۂ واقعہ) میں قرآن مجید کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نیز أَجْرٌ كَرِيمٌ، رِزْقٌ كَرِيمٌ اور مَقَامٌ كَرِيمٌ وغیرہ بھی آیا ہے۔ لفظ قدیم آیہ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (سورۂ یٰسین) میں کھجور کی سوکھی شاخ کے لئے۔ لفظ حلیم آیہ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (سورۂ صافات) میں حضرت اسحاق کے لئے نیز کئی مقامات پر حضرت ابراہیم کے لئے۔ لفظ علیم آیہ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (سورۂ حجر) اور آیہ وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (سورۂ ذاریات) میں حضرت اسحاق کے لئے، لفظ سمیع و بصیر آیہ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (سورۂ دہر) میں انسان کے لئے، اور لفظ عظیم درج ذیل چیزوں کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ مثلاً عرش (تخت) بلقیس، عرش، بہتان، ظلم، عذاب، یوم، سحر، حظ، ذبح، خلق، حسنات، طور، کرب، انبار، اجر، اثم، فوز، فضل، میل اور ملک وغیرہ چنانچہ اسی اصول پر دیگر اسماء اور صفات کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسمائے الٰہی میں سے مومن کا لفظ تو ایسا ہے کہ اس کو ہر کس و ناکس اپنے اوپر منطبق کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

ساتھ ہی کچھ صفات الٰہیہ ایسی بھی ہیں جن کے مظاہر عام طور پر دستیاب نہیں ہو سکتے۔ مگر بخشایش الٰہی فیضان خصوصی سے ہو جیسا کہ حدیث قدسی عبدی اطعنی اجعلک مثلی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بندہ پوری اطاعت گزاری کرے تو خداوند عالم کا وعدہ ہے کہ اس کو اپنی مثال بنا دیگا۔ خدا حی لایموت ہے تو اس کو بھی زندہ جاوید بنا دے گا خدا غنی ہے کسی کا محتاج نہیں تو اسے بھی فقر و احتیاج سے غنی کر دے گا۔ خدا جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے تو اس کو بھی ایسی قدرت عطا فرما دے گا کہ یہ جو چاہے گا ہو جائے گا۔ اسی طرح خداوند عالم اپنے اکثر امور اپنے نمائندوں اور کارندوں کے ذریعے انجام دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ امور انہیں سے منسوب ہوتے ہیں۔ درانحالیکہ ان کا اصل مرکز اور مصدر ذات الٰہی ہے۔

مثال کے طور پر خدا ہی موت دینے والا اور ممیت ہے جیسا کہ سورۂ زمر کی آیت اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (یعنی خدا روحوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت) سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ملک الموت قبض روح کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ سجدہ کی آیت يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (یعنی تمہاری روحوں کو وہ ملک الموت قبض کرتا ہے جو تم پر موکل کیا گیا ہے) کے مطابق وہ خدا کی طرف سے اس کے لئے مامور ہیں۔

اسی صورت سے انبیاء، ائمہ اور خلفائے الٰہی امور ہدایت اور نظم و نسق عالم وغیرہ کے ذمہ دار ہیں اور متعلقہ صفات ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

اس توضیح کے بعد اب غالباً یہ بات صاف ہو گئی ہوگی کہ امیر المومنینؑ کو خالق کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یہ صفت صرف اپنی ذات کے لئے مخصوص قرار نہیں دی ہے۔ اور سورۂ مومنون کی آیت فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (یعنی خدا بابرکت ہے جو تمام خلق کرنے والوں سے بہتر ہے)۔ یا سورۂ صافات کی آیت وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ (یعنی اور تم سب سے بہتر خلق کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو) سے ثابت ہے کہ صفت خالقیت کا مظاہرہ دوسروں سے بھی ہوتا ہے۔ خواہ وہ محدود اور پست منزل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کا عملی نمونہ حضرت موسیٰ کے تذکرے میں خود قرآن مجید پیش کر رہا

...ب و برتر ہیں اس کے بعد ہمارے حق میں تم جو کچھ کہہ سکو ہو (تم ہماری بلندیوں اور فضیلتوں تک نہ پہونچ سکو گے) ...سمندر خشک نہیں ہو سکتا، غیب کا راز پہچانا نہیں جا سکتا اور اللہ کے کلمہ کی توصیف نہیں ہو سکتی)۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کے دل میں یہ وہم ہو کہ ہم امیر المومنینؑ کے تمام فضائل و مناقب کا احاطہ اور آپ کی مکمل معرفت کا احصا کر سکتے ہیں تو اس کی تشفی کے لئے جناب رسالتمآبؐ کی یہ مشہور و معروف حدیث کافی ہوگی۔ لوان الریاض اقلام والبحر مداد والجن حساب والانس کتاب ما احصی فضائل علی ابن ابیطالب (یعنی اگر تمام نباتات قلم بن جائیں، تمام سمندر روشنائی ہو جائیں، سارے جنات حساب کرنے والے اور کل انسان لکھنے والے ہوں تب بھی علی ابن ابیطالب کے فضائل کا شمار نہیں ہو سکتا)۔ مناقب خوارزمی۔ مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی۔ مناقب مرتضوی (دیباچہ) سید محمد صالح کشفی حنفی۔ ارجح المطالب مولوی عبید اللہ امرتسری صفحہ ۹۔ مناقب المرتضیٰ ابن سواب المصطفےٰ حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر صفحہ... نفائس المنن فی ذکر سیدنا ابی الحسن حافظ محمد علی حیدر قلندر صفحہ ۲۔ وغیرہ۔

آپ کے جو فضائل و مناقب ہم تک پہونچ سکے اور ہمارے حدود فہم و ادراک سے باہر بھی نہیں ہیں تعجب ہے کہ معرفت کی کمی کی وجہ سے ہم صرف سطحی نگاہ سے ان کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنے قائم کئے ہوئے پست معیار سے موازنہ کر کے بے دھڑک ان پر غلو کی تہمت عاید کر دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی دقت نظر سے کام لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ جن فضائل کو ہم غلو اور کفر و شرک کا خطاب دیتے ہیں وہ عقل و شرع کے عین مطابق اور امیر المومنینؑ کے مراتب سے مکمل طور پر مربوط ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں مختصر وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہوں امید ہے کہ مذکورہ حقیقت کے ثبوت میں اسی قدر کافی ہوگا۔

علیؑ خالق ہیں

چونکہ یہ نام عام طور سے خدا کے لئے مستعمل ہے۔ لہذا اگر اس کو کسی بندے کے لئے بولا جائے تو بظاہر غلو معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کے زیادہ تر اسماء ایسے ہیں جو بحیثیت لفظ ہر اس ذات پر صادق آسکتے ہیں جو اس صفت کی حامل ہو۔ البتہ حقیقت کے اعتبار سے کسی بندے کو کسی صفت میں خدا کے ساتھ شریک نہیں قرار دیا جا سکتا ورنہ شرک اور غلو لازم آجائے گا۔ اس لئے کہ خدا کے صفات ذاتی ہیں اور بندے کے عطیۂ خداوندی ہیں۔ لہذا اب اگر کسی بندے کو اس صفت کے ساتھ پکارا جائے گا جو خدا کے لئے ثابت ہے تو مقصد یہ ہوگا کہ یہ بندہ ہوتے ہوئے اس صفت خداوندی کا مظہر ہے۔ اکثر اسمائے الٰہی ایسے ہیں جو بندوں یا دیگر مخلوقات کے صفات کے پیش نظر لفظی حیثیت سے عام طور پر ان کے لئے بولے جاتے ہیں۔ جیسے قدیم، کریم، حلیم، علیم، حکیم، عظیم، سمیع، بصیر، مومن، مصور، مفید، شدید، بعید، قریب، رفیع، جلیل، جمیل، وکیل، کفیل، حاکم، قاضی، عادل، قادر اور طاہر وغیرہ۔

اور یہ صرف انسانوں کی اپج نہیں کہی جا سکتی کیونکہ قرآن مجید بھی اس پر عمل پیرا ہے۔ مثلاً لفظ کریم آیہ اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (سورہ یوسف) میں فرشتے کے لئے آیہ اِنِّیْٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ (سورہ نمل) میں مکتوب سلیمان کے لئے آیہ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِیْمٌ

کسی چیز سے اجنبیت کے بعد اس کی صحیح معرفت تک پہونچنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے جناب رسالتمآب ص کا ارشاد ہے یا علی ما عرف اللہ الا انا وانت وما عرفنی الا اللہ وانت وما عرفک الا اللہ وانا (یعنی اے علیؑ اللہ کو کسی نے نہیں پہچانا سوا میرے اور تمہارے۔ مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا سوا اللہ کے اور تمہارے، اور تم کو کسی نے نہیں پہچانا سوا اللہ کے اور میرے۔)

اگر کوئی شخص امیر المومنین ع کی پوری معرفت کا دعویٰ کرے بھی تو وہ غلط ہوگا کیونکہ اول تو آپ کے فضائل، کرامات اور خصوصیات کا بہت بڑا حصہ پردۂ راز ہی میں رہا جیسا کہ جناب رسالتمآب ص کا ارشاد ہے کہ "اے علیؑ اگر مجھ کو اس کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے متعلق بھی وہ باتیں کہنے لگیں گے جو عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کہتے ہیں تو میں تمہارے ایسے فضائل بیان کرتا کہ لوگ تمہارے قدموں کے نیچے کی خاک اٹھا کر سرمۂ چشم بنانے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی ذہنیت اور قوت برداشت کا لحاظ کرتے ہوئے مشتے نمونہ از خروارے آپ کے چند معمولی فضائل ہی ذکر کئے گئے ہیں اور زیادہ اہم اور غیر معمولی چیزیں مخفی رکھی گئیں۔ دوسرے جو کچھ ظاہر کیا گیا تاریخ گواہ ہے کہ اس میں سے بھی ایک بڑے حصے پر پبلک تک ممکن ہوا مخالفین ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں کسی بھی شخصیت کے لئے آپ کی کما حقہ معرفت حاصل کرنا کہاں تک ممکن ہے؟

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جتنا کچھ لوگوں نے دیکھا اور جانا وہی اس قدر وزنی ثابت ہوا کہ ایک فرقہ اس کا تحمل نہ کر سکا اور گھبرا کر آپ کی خدائی کا قائل ہوگیا۔ درانحالیکہ آئمہ معصومین علیہم السلام کا وتیرہ تھا کہ اپنے کسی اہم معجزے یا کرامت کے اظہار سے قبل نماز وغیرہ کے ذریعہ اپنی عبودیت کا ثبوت بھی فراہم کر دیا کرتے تھے، تاکہ کمزور نگاہوں کو الوہیت کا دھوکا نہ ہو۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آپؑ کا اعلان ہے ھلک فی اثنان عدو قال ومحب غال (یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاکت میں پڑ گئے، دشمن میری عداوت کی وجہ سے اور دوست غلو (یعنی حد سے تجاوز کرنے) کے سبب سے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقتاً غلو ہے کیا چیز؟ عام طور پر تو ہر اس تعریف و توصیف پر غلو کا فتویٰ چسپاں کر دیا جاتا ہے جو ہماری سمجھ سے باہر یا ہمارے جذبات و احساسات پر بار ہو۔ دراصل غلو کی شناخت تو ہم اس وقت کر سکتے تھے جب ہم کو آپ کے فضائل و کمالات اور معارف و کرامات کے حدود معلوم ہوتے، اور جب ایسا نہیں ہے کیونکہ عقل و نقل دونوں اس کی تائید کرتے ہیں تو پھر آپ کے بارے میں غلو کا خطرہ ہے وہ خود اس کی حد بندی کس طرح فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں امیر المومنین ع کا ارشاد ہے "نزلونا عن الربوبیۃ وادفعوا عنا حظوظ البشریۃ فانا عنہا مبعدون وعما یجوز علیکم منزھون وقولوا فی حقنا ما استطعتم فان البحر لا ینزف وسر الغیب لا یعرف وکلمۃ اللہ لا یوصف (یعنی ہم کو خدائی سے نیچے رکھو اور بشری لوازم کو ہم سے الگ رکھو۔ کیونکہ ہم ان سے دور ہیں، اور جو کچھ تم پر گزرتا ہے اس سے



معرفت امیر المومنینؑ اور غلو

الحاج مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ باقری الجوراسی

قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں یہ حقیقت نگاہ بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی بلند و برتر ذات وصفات ہمارے سطحی دل و دماغ کی قوت پرواز سے بالاتر ہیں اور یہی سبب ہے کہ آپ کی جزئی معرفت کے علاوہ جو ہمارے تقرب الی اللہ اور ہدایت حق کے لئے ضروری ہے کلی اور حقیقی معرفت عام انسانوں کے دسترس سے باہر ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو ابوذر جیسا باایمان صحابی بھی عرفان کی اعلیٰ منزلوں تک پہونچنے میں پرشکستہ نظر آتا ہے اور جناب رسالتمآبؐ کو کہنا پڑتا ہے کہ لو علم ابوذر مافی قلب سلمان لقتلہ (یعنی جو سلمان کے دل میں ہے اگر وہ ابوذر کو معلوم ہو جائے تو ان کو قتل کر دیں۔)

اگر جناب امیرؑ آیۂ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (سورہ یٰس) (یعنی ہم نے امام مبین کے اندر ہر شے کا علم جمع کر دیا ہے) کے مصداق ہیں تو آپ کی مکمل معرفت حاصل کرنے والے کے لئے بھی تمام علوم پر حاوی ہونا ضروری ہوگا۔ اگر آپ بائے بسم اللہ کی تفسیر میں ساری رات تمام کر سکتے ہیں تو پوری معرفت حاصل کرنے والے کو بھی قرآن مجید کے تمام معانی و مطالب اور اسرار و غوامض سے باخبر رہنا ہوگا۔ حدیث علیؑ مع القرآن والقرآن مع علیؑ (یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے) کے پیش نظر قرآن مجید کے ہر رطب و یابس اور کل آیات محکمات و متشابہات پر گہری نظر ہونا چاہئے، حدیث انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا (یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) نیز حدیث انا دار الحکمۃ و علیؑ بابھا (یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) کی موجودگی میں علم و حکمت کے جملہ حدود تک رسائی ہونا ضروری ہے اور حدیث اقضاکم علیؑ (یعنی تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں) کو سامنے رکھتے ہوئے تمام قضایا اور مسائل مشکلہ کے نشیب و فراز، ظاہر و باطن اور باریکیوں کا صحیح اندازہ ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح آپ کے جملہ فضائل و کمالات اور صفات جمیلہ جیسے وحدانیت، امامت، عصمت، عفت، شجاعت، عدالت، امانت، صداقت، قوت، سخاوت، فصاحت، بلاغت، قناعت، عبادت، ریاضت، معرفت، تقویٰ، جہاد، توکل اور صبر و شکر وغیرہ کو سمجھنے کے لئے ان میں کمال حقیقی حاصل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ عقلاً کسی چیز

رجعت خورشید کا اس رُخ سے منظر دیکھئے

ہادیٔ فہم و فراست مصلحِ فکر و نظر | اُس نے قائم کر دیئے دستورِ کسب و صرفِ زر
تختِ شاہی پر الٰہی عدل بن کر جلوہ گر | کفش دوزی اُس نے کی گھر میں خدا کے بیٹھ کر

زندگی کی ہر روش پر ہے وہ رہبر دیکھئے

دین کا ہر رُخ گواہی دے مرا دمساز ہے | منصبِ پیغمبریؐ سمجھے مرا اعزاز ہے
سینۂ قرآں پکارے میرا سب انداز ہے | پردۂ معراج کہہ دے میری ہی آواز ہے

اوجِ خاصِ مرتضیٰؑ اے بندہ پرور دیکھئے

ارض کی زینت، زمیں کی آبرو، گردوں جناب | خاک کے ذرّوں کی تابش نورِ مہر و ماہتاب
عرشِ اعظم کی جوانی، فرشِ گیتی کا شباب | بوترابؑ و بوترابؑ و بوترابؑ بوترابؑ

ہر طرف ہے جلوہ آرا جلوہ گستر دیکھئے

جس میں نورِ حق کا جلوہ ہے وہ صورت ہے علیؑ | مالکِ مرضیٔ حق، امرِ مشیت ہے علیؑ
دینِ فطرت کی قسم ہے دینِ فطرت ہے علیؑ | حق کی قدرت ہر جگہ ہے حق کی قدرت ہے علیؑ

مشکلوں میں "یا علیؑ" ہونٹوں پہ لا کر دیکھئے

مصطفیٰؐ کے ہیں نرالے آج تیور دیکھئے

گود میں بچہ نہیں ہے شرع کی تعمیل ہے | گود میں بچہ نہیں قرآن کی تنزیل ہے
گود میں بچہ نہیں ہے حق کا سنگِ میل ہے | گود میں بچہ نہیں ہے دین کی تکمیل ہے

کعبہ سے خم تک مسلسل ایک منظر دیکھئے

حق کو طرزِ نو سے استقبالِ حق منظور ہے | بابِ آمد کی بنا کا اک نیا دستور ہے
اک نرالے رخ پہ آغوشِ نبیؐ معمور ہے | یعنی نصفِ نور کے پہلو میں نصفِ نور ہے

کُن سے پہلے بھی سجا تھا جو وہ منظر دیکھئے

حق نما ہے حسن صورت حق نوا آواز ہے | کھل کے ہے نظروں میں لیکن راز پھر بھی راز ہے
اپنا گھر اپنے نبیؐ کی گود دونوں باز ہے | قدرتِ خالق کو اس تخلیق پہ کیا ناز ہے

دیکھئے یہ اہتمام ربِّ اکبر دیکھئے

مرحبا حسنِ عمل صد مرحبا حسنِ سخن | خود ہیں فاقوں سے مگر جود و سخا کی ہے لگن
خادموں سے پیش آنے میں اخوت کی پھبن | اپنے مولاؑ کا سلیقہ اپنے مولاؑ کا چلن

اک ذرا خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے

عہدِ ابراہیمؑ تک عرفاں کا یہ معیار تھا | کہہ دے مشرق سے جو سورج کو نمایاں ہے خدا
بڑھتے بڑھتے آدمی عہدِ نبیؐ میں کیا بنا | کل جو ناممکن تھا یکسر آج ممکن ہو گیا

کُن سے پہلے بھی سجا تھا جو وہ منظر دیکھئے

(از محترمہ بانو سیدپوری)

حسنِ حیدرؑ دیکھئے شانِ پیمبرؐ دیکھئے | آئینہ میں جلوہ ہائے آئینہ گر دیکھئے
کون کہتا ہے بڑھا کر یہ گھٹا کر دیکھئے | بیتِ عبد اللہ پھر اللہ کا گھر دیکھئے
نورِ واحد کی یہ تنویریں مکرر دیکھئے

بے زبانی کا ہیں سن اور بولتا قرآن ہیں | آئے ہیں کعبہ میں یوں کعبہ کی جیسے جان ہیں
بند آنکھوں میں یہ کیسے عہد کیا پیمان ہیں | آج طفلی ہے تو آغوشِ نبیؐ کی شان ہیں
کل جوانی آئے تو دوشِ نبیؐ پر دیکھئے

رشتۂ واحد جیسے ہو دو پیکروں میں جلوہ گر | جیسے دو آنکھیں الگ ہوں پھر بھی ہو یکجا نظر
جیسے پہلوئے سبب میں کارفرما ہو اثر | جس طرح رکھدے کوئی قرآن کو قرآن پر
یوں علیؑ ہیں بر سرِ دوشِ پیمبرؐ دیکھئے

یہ ہجومِ تیغ میں ہے قوتِ تبلیغ کار | سینۂ حق میں جلالِ حق ہے جیسے نور بار
جیسے قرآں کے لبوں تک آ کے قرآں کی پکار | دین کی آغوش میں جیسے ہو دیں کا اعتبار
ہیں علیؑ کعبہ میں یوں دوشِ نبیؐ پر دیکھئے

جوشِ تکمیلِ عمل میں زندگی کی جان ہو | چُپ ہیں لب نظروں میں لیکن مستقل اعلان ہو
اک نیا احساس رُخ پر اک نرالی شان ہو | گود میں بچہ ہو گویا ہاتھ میں قرآن ہو

چاہتے تھے کہ نہ اس سے اہم کوئی پیغام ہے نہ اس سے بڑی کوئی فضیلت اور نہ تاریخ اسلام میں اس سے عظیم کوئی مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ کوئی مسرت کا دن ہے۔ بہر حال رسولؐ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے کیونکہ غدیر کا اعلان اس بات کا ذمہ دار تھا کہ اب دین قیامت تک مٹ نہیں سکتا کیونکہ دین کی ذمہ داریاں رسالت نے امامت کے سپرد کر دیں۔ رسول دنیا سے گئے تو ایسا مکمل انتظام کر کے گئے کہ اُمت گمراہ نہ ہونے پائے اور دین کی حفاظت ہوتی رہے۔ اب اگر اُمت اپنے فرض کو محسوس نہ کرے تو رسولؐ پر ذمہ داری نہیں۔

حضرت علیؑ کا خط معاویہ کے نام

جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اُس کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ تم پر جو خدا کا حق ہے اُس کا خیال رکھو اور اس سب کا علم حاصل کرو جس سے جاہل رہنے پر ہرگز معاف نہیں کیے جاؤ گے۔ اطاعت کے نشان واضح ہیں، راستے روشن ہیں، شاہراہیں کھلی ہوئی ہیں اور اُس کی منزل ایسی ہے جس کی طلب کی جاتی ہے۔ دانش مند اس کی جستجو کرتے ہیں اور بے سمجھ کمینے ہی اس سے منہ موڑتے ہیں۔ جو کوئی اس سے ہٹ گیا حق سے بھی دُور ہو گیا اور ضلالت کے اندھیرے دُور کر دے گا اور اُس پر اپنا غضب نازل کرے گا لہٰذا فکر کرو اپنے نفس کی کیونکہ خدا تمہارا راستہ بتا چکا ہے اور آج بھی جہاں تک تمہارے معاملات پہنچ چکے ہیں وہ جگہ بھی خسران کی حد اور کفر کا مقام ہے۔ تمہارے نفس نے تمہیں شر کے حوالے کر دیا ہے، گمراہی میں جھونک دیا ہے، تہلکوں میں ڈال دیا ہے اور تمہاری راہیں سنگلاخ بنا دی گئی ہیں۔

معاویہ کے نام ان مکاتب سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین آخر وقت تک اتمام حجت فرماتے رہے اور موعظۂ حسنہ سے کام لیتے رہے اور صداقت کی تلقین کرتے رہے۔

(رئیس احمد جعفری)

علیؑ نے اعلانِ غدیر کو مقامِ استدلال میں پیش نہیں کیا

اب رہا یہ سوال کہ حق سے محرومی کے موقع پر حضرت علیؑ نے غدیر کو ثبوت میں کیوں نہیں پیش کیا؟

—— حضرت علیؑ کو حق سے محروم کرنا کسی وقتی مخالفت کا نتیجہ نہ تھا۔ علیؑ کو نہ مانیں گے اس کا اعلان تو رسولؐ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ جب رسولؐ نے لکھنے کے لئے کاغذ طلب فرمایا اور حضرت عمر نے یہ کہہ کر لکھنے سے روک دیا کہ رسولؐ کو (معاذ اللہ) ہذیان ہو گیا ہے اور ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے (صحیح بخاری ج دوم جز ۳۰ صفحہ ۱۰۹۵) یہ کھلا ہوا چیلنج تھا کہ رسولؐ تمہاری بات کو نہ مانیں گے جبھی تو فوراً دوسرا فقرہ کہا گیا کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے —— اور حیرت ہے کہ اس گستاخی پر اور رسولؐ کے خلاف رسولؐ کی حیات میں لگنے والے نعرہ پر عالم اسلام میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا، نہ کسی کی تیوری پر بل آئے نہ کسی نے گستاخی کرنے والے کو برا بھلا کہا نہ کسی نے روکنے کی کوشش کی کہ رسولؐ کو کیوں اذیت دیتے ہو۔ معلوم ہوا مخالفین اپنی مخالفت کی اسکیم کو اتنا مضبوط بنا چکے تھے اور مسلمانوں کو اتنا ہموار کر چکے تھے کہ رسولؐ کی مخالفت پر اُن کے خلاف کوئی آواز اُٹھانے والا نہ تھا۔ تو ایسی شدید مخالفت میں جب کہ رسولؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا گیا تھا تو غدیر کی رسولؐ کی بات کو علیؑ کیسے ثبوت میں پیش کرتے —— نبیؐ کو وقت آخر تحریر لکھنے سے نہیں روکا گیا تھا بلکہ غدیر کے پیغام کے ماننے سے انکار کیا گیا تھا۔ علیؑ کی جانشینی کا اعلان صرف غدیر ہی میں نہیں ہوا تھا بلکہ رسولؐ نے جگہ جگہ اعلان کیا جس کی غدیر میں مکمل وضاحت ہو چکی تھی اور غدیر کے اعلان کے بعد مسلمانوں کے ردِ عمل نے مکمل وضاحت کا ثبوت دیا تو درحقیقت غدیر میں جانشینی کے اعلان کی باقاعدہ رسم ادا کی گئی تھی کہ اب کسی قسم کا کوئی شبہہ باقی نہ رہ جائے۔ مگر اس واضح اعلان کے بعد جو شدید مخالفت شروع ہوئی اس مخالفت کے پیش نظر رسولؐ نے چاہا کہ اسی پیغام کو تحریر میں لے آئیں مگر مخالفت کا طوفان اتنا بڑھ چکا تھا کہ رسولؐ کی بات بھی بے اثر ہو گئی رسول نہ لکھ سکے اور مخالفت کرنے والی جماعت کے نمایندہ نے کھل کر کہہ دیا کہ نہ مانیں گے تو ایسی صورت میں نبیؐ کے بعد اس پیغام کو اپنے حق کے ثبوت میں علیؑ کیسے پیش کر سکتے تھے۔

علیؑ احتجاج میں غدیر کے واقعہ کو پیش کرتے اگر قرطاس کا دردناک واقعہ پیش نہ آیا ہوتا۔ تحریر کے لئے کاغذ دوات مانگنے پر مسلمانوں کی شدید مخالفت اور شان رسولؐ میں گستاخی کرنے سے پتہ چلا کہ غدیر کے اعلان کی مخالفت جماعت مخالفت میں سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھی اور ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا —— واقعات کی ترتیب اچھی طرح سمجھا دیتی ہے کہ مسلمان غدیر میں وہی سمجھا تھا جسے رسولؐ سمجھا رہے تھے ورنہ رسولؐ کی مسلسل مخالفت نہ ہوتی —— غدیر میں غدیر رسولؐ کے طریقہ اعلان نے مخالفت کے دروازے بند کر دیئے تھے اور مسلمانوں کو سوائے علیؑ کو مبارکباد دینے کے کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ سارے مجمع نے مل کر علیؑ کو مبارکباد دی جب کہ اس سے پہلے بڑے بڑے معرکے علیؑ نے سر کئے، بڑی بڑی فضیلتیں علیؑ کو ملیں مگر کسی موقع پر علیؑ کو مسلمانوں نے مل کر مبارکباد نہیں پیش کی۔ آج غدیر میں پہلا اور آخری موقع تھا کہ اتنا بڑا مجمع علیؑ کو مبارکباد دے رہا تھا مبارکباد رسولؐ کے حکم سے دی گئی۔ معلوم ہوا رسولؐ مسلمانوں پر ظاہر کرنا

مزید وضاحت کے لئے کاغذ کیوں طلب فرمایا۔ واضح اعلان
کے بعد اب تحریر کی کیا ضرورت تھی؟

غدیر سے وفات رسولؐ تک کی تاریخ کا تجزیہ
بتائے گا کہ اس اعلان کے خلاف ایسی زبردست سازش
ہوئی جس کے نتیجہ میں رسولؐ کی اتنی شدید مخالفت کی
گئی کہ حضورؐ نے عملی مخالفت کرنے والوں پر کھلم کھلا
لعنت تک کی اور رسولؐ کی زبان سے لعنت سننے کے
بعد بھی رسولؐ کی بات نہ مانی گئی ــــ اور جب رسولؐ
نے کچھ لکھنا چاہا تو ذہن پر سنگین الزام لگایا گیا اور ساتھ
ہی اس بات کا اعلان بھی کیا کہ ہمارے لئے کتاب خدا
کافی ہے ــــ یہ فقرہ خود اعلان غدیر کی وضاحت
کر رہا ہے۔ جانتے تھے کہ جو رسول کہہ چکے ہیں وہی لکھیں
گے لہٰذا لکھنے کا موقع ہی نہ دیا جائے ــــ تحریر کی مخالفت
پر کہا جا سکتا ہے کہ ممکن تھا کسی دوسرے طریقہ سے تحریر
لکھ کر اُمت کے حوالے کر دیتے مگر اس تحریر کا فائدہ نہ
ہوتا کیونکہ مخالفت اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ
نبیؐ کے ذہن کو بھی بیکار کہا جا رہا تھا۔ ایسی شدید مخالفت
کے بعد جس صورت سے بھی تحریر لکھی جاتی مفید ثابت
نہ ہوتی ــــ رسول اعظمؐ بہرحال اپنے فرض سے سبکدوش
ہو چکے تھے۔ تحریر کے لئے کاغذ دوات منگا کر حجت
دیا کر فرض ادا کر دیا کیونکہ تحریر کے نام پر مخالفت ہوئی
اور یہ کہہ کر کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے اس کا
مطلب ہی یہ ہوا کہ جانتے تھے کہ کیا لکھا جائے گا۔

ذہنوں کو یہ سوال پریشان کر سکتا ہے کہ غدیر کے
اتنے واضح اعلان کے بعد کیسے اتنی شدید مخالفت ہوئی اور
مسلمان اس مخالفت میں کامیاب کیسے ہو گئے جس کے
نتیجہ میں یہ کہا بھی جاتا ہے کہ اگر غدیر میں رسولؐ نے حضرت
علیؑ کی جانشینی کا اعلان کر دیا تھا تو جب بعد رسولؐ
انتخاب خلافت ہوا تو حضرت علیؑ کو حق سے کیوں محروم
رکھا گیا اور اس صورت میں حضرت علیؑ نے اپنے حق کے
ثبوت میں غدیر کے واقعہ کو کیوں نہیں پیش کیا ــــ
یقیناً یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر جانشینی کا واضح
اعلان ہو گیا تھا تو پھر انتخاب کیسا؟ اور علیؑ کو حق سے
محروم کیوں رکھا گیا؟ اور رسولؐ کی کھلی ہوئی مخالفت
کیسے کی گئی۔ گزشتہ اور آئندہ واقعات اس مسئلہ کو حل
کرتے ہیں کہ رسول کی حیات میں مسلمان رسولؐ کی مخالفت
پر کیسے آمادہ ہو گیا ــــ تبوک سے واپسی پر رسولؐ کے
قتل کی کوشش کافروں نے نہیں کی بلکہ مسلمانوں نے کی
تھی کیونکہ تبوک کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جب رسولؐ
روانہ ہوئے تو حضرت رسولؐ کے قتل کی کوشش کافروں
نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے کی تھی کیونکہ
حضرت علیؑ کو
جانشین بھی بنایا اور حدیث منزلت بھی سنائی جس سے حضرت
علیؑ کی جانشینی کا اعلان مقصود تھا لہٰذا قتل رسولؐ کا
منصوبہ بن گیا۔ تو غدیر کے اتنے واضح اعلان کے بعد
تعجب کیا ہوتا ہے کہ علیؑ کی جانشینی کے سلسلہ میں نبیؐ
کی اتنی شدید مخالفت ہو جس کے نتیجہ میں حضرت علیؑ کو
حق سے محروم کر دیا جائے ــــ اور اگر غدیر کے اعلان
کے بعد مسلم کھلی مخالفت نہ ہوتی تو تعجب کا مقام
تھا لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی مخالفت ہوئی کہ رسولؐ
لشکر کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم دیتے رہے مگر حکم نہ مانا گیا
اور جب تحریر کے لئے کاغذ و دوات طلب فرمایا تو ذہن
پر الزام لگا کر لکھنے نہ دیا تو حضرت علیؑ کی جانشینی کے
سلسلے میں نبیؐ کی زندگی میں اتنی شدید مخالفت تھی تو بعد
رسولؐ اگر حضرت علیؑ کو حق سے محروم کر دیا جائے تو تعجب
کیا بلکہ بعد رسولؐ حق کے ملنے کا سوال ہی نہیں ہوتا
کیونکہ مسلمان کھل کر کہہ چکا تھا کہ ہمارے لئے کتاب خدا
کافی ہے۔

انوکھا طریقہ ذہن سوچنے پر مجبور ہے کہ غدیر میں خدا اور رسولؐ نے انوکھا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ رسولؐ یہ اچھی طرح محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان اسے پسند نہیں کرتا جسے میں اور میرا خدا پسند کرتا ہے جس پر حضرت عمر اور ابن عباس کا مکالمہ شاہد ہے۔ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۲۰ جز ۱۲ صفحہ ۹۱۔ اس منزل میں خدا کا پیغام کو پردہ میں رکھنا اور رسولؐ کا پیغام کے پہنچانے میں انوکھا انداز اختیار کرنا مسلمانوں کی سازش کا پتہ دیتا ہے ورنہ کسی معرکہ میں نہ ڈرنے والا رسولؐ آج ایک پیغام کے پہنچانے میں کیوں اتنا متردد نظر آرہا تھا اور تعجب نہ تھا کہ اگر خدا حفاظت کی ذمہ داری نہ لیتا یا اعلان کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا تو آج رسولؐ کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو کچھ دن کے بعد بستر بیماری پر تحریر لکھنے کے لئے کاغذ و دوات مانگنے پر کیا گیا تھا یا پھر کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جاتی جس سے رسولؐ کی بات بے اثر بنا دی جاتی —— اسی لئے قدرت نے اعلان کا طریقہ ایسا رکھا کہ اعلان سے پہلے کوئی سمجھ نہ سکے کہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور آخر میں بات وہی کہی جائے جس کا بار بار مختلف طریقوں سے اعلان ہو چکا ہے —— اس انداز اعلان سے مسئلہ کی مکمل وضاحت ہو گئی۔ سارا مجمع جو غدیر میں موجود تھا سن کر خاموش رہا علیؑ کو مبارکباد دی آج تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ اتنا بڑا مجمع علیؑ کو مبارکباد پیش کر رہا تھا ——:

یہ سوچا جا سکتا ہے کہ جب اس سے پہلے طرح طرح سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو چکی تھی اور اُمت جان چکی تھی کہ نبیؐ کے بعد کون ہوگا تو پھر غدیر کے اعلان میں کیا اہمیت رہی اور اتنا اہتمام کرنے کی ضرورت کیوں ہوتی —— یقیناً مسئلہ خلافت کی وضاحت ہو چکی تھی۔ اور مختلف طریقوں سے ہو چکی تھی مگر پھر بھی مسلمانوں کو کہنے کا موقع ملتا کہ عام مجمع میں کھل کر رسولؐ نے اعلان نہیں کیا اور اس انداز سے اس جانشینی کے مسئلہ کو پیش کیا گیا جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ عام مجمع میں مسئلہ کی اہمیت کے ساتھ اعلان ہو کیونکہ رسولؐ نے جہاں جہاں اس مسئلہ کی وضاحت کی وہ ایسے مواقع تھے جہاں رفتہ رفتہ اسلام کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ دعوت ذوالعشیرہ میں اعلان ہوا۔ علیؑ کے علاوہ کوئی ماننے والا نہ تھا میدان جہاد میں وضاحت کی تو جتنے لوگ شریک تھے انھوں نے دیکھا اور سنا باقی لوگوں کو کہنے کا حق ہوتا کہ رسولؐ کو اس مسئلہ کی کھلے عام وضاحت کرنا چاہیئے تھی۔

کفر مایوس یہ حقیقت ہے کہ آخری حج میں ہر جگہ سے سمٹ کر لوگ آئے تھے اور اتنا بڑا مجمع مسلمانوں کا اس سے قبل نہیں جمع ہوا تھا۔ ضرورت تھی کہ ہر جگہ کے لوگ شریک ہوں اور مسئلہ کو اس عنوان سے پیش کیا جائے کہ اس کی اہمیت ظاہر ہو اور دنیا سمجھے کہ خدا و رسولؐ کی نظر میں یہ منفرد مسئلہ تھا اس کے لئے ہر اعتبار سے غدیر کا میدان ہی مناسب تھا اور جو اعلان کا طریقہ اختیار کیا گیا وہی طریقہ ضروری تھا۔ رسولؐ کی دُور بین نگاہیں مسلمانوں کی طرف سے ہونے والی مخالفت کو محسوس کر رہی تھیں جس کے پیش نظر ایسا ہی کھلا ہوا اور واضح اعلان ضروری تھا جیسا غدیر میں رسولؐ نے کیا —— اس اعلان کے نرالے طریقہ نے باطل کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ کفر کو ہمیشہ کے لئے مایوسی ہو گئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولؐ نے غدیر میں جانشینی کا واضح اعلان کر دیا تو اب کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر کیا وجہ ہے کہ وقت آخر رسولؐ نے

کی جانشینی پر سب متفق نہ تھے کیونکہ اگر سب متفق ہوتے تو بعد میں جھگڑا کیوں ہوا ہوتا ـــ اس حقیقت کے باوجود کہ علیؑ کی جانشینی پر سب متفق نہ تھے۔ غدیر میں کوئی اختلاف نہ ہوتا اس بات کا ثبوت نہیں بن سکتا کہ جانشینی کا اعلان نہ تھا بلکہ اختلاف نہ ہونا اعلان جانشینی کا ثبوت ہے۔ اختلاف اُس وقت ممکن تھا جب پہلے سے مسئلہ واضح نہ ہوتا اور غدیر کا اعلان خلاف توقع ہوا ہوتا اعلان وہی تھا جسے سب جانتے تھے مگر جو طریقہ اعلان اختیار کیا گیا وہ خلاف توقع تھا اور اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کوئی اختلاف ہو جاتا۔ طریقہ وہ اختیار کیا گیا جس سے آخر وقت تک کوئی محسوس ہی نہ کر سکا کہ رسولؐ کیا اعلان کرنے والے ہیں اور اسی وجہ سے وقتی طور پر کوئی اختلاف نہ ہو سکا۔ اور اعلان کرنے کے سلسلے میں رسولؐ کا انداز خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسولؐ کو اختلاف کا یقین تھا۔

رسول کا اہتمام

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غدیر میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت علیؑ کے لئے تھا ـــ رسولؐ کی زندگی ختم ہو رہی تھی۔ ۲۳ سالہ تبلیغی سرگرمیاں تکمیل کی منزل میں تھیں آخری حج سے پلٹتے ہوئے رسولؐ پر خدا کا ایسا حکم نازل ہوا جس سے چلتے ہوئے قافلے رک گئے۔ حاجی سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔ حکم صرف اتنا نازل ہوا تھا کہ رسولؐ اُس پیغام کو پہنچا دو جو تم پر نازل کیا جا چکا ہے۔ کون سا پیغام تھا اس کو رسولؐ کا عمل بتائے گا۔ حکم خدا نازل ہونے کے بعد رسولؐ نے میدان صاف کرنے کا حکم دیا۔ حاجیوں نے مل کر میدان صاف کیا پالان شتر کا ممبر بنوایا دوپہر کا وقت تھا علیؑ کو ساتھ لے کر گرمی کو خیمہ سے نکلے۔ ممبر پر آئے خطبہ شروع کیا جس میں اپنی موت کی خبر دی اور لوگوں سے اُن کے نفسوں پر زیادہ متصرف ہونے کا اقرار لیا۔ آخر میں علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ" تقریر ختم ہو گئی مجمع منتشر نہ ہوا تھا کہ علیؑ کو مبارکباد دینے کا حکم نبیؐ نے دیا سب نے مبارکباد پیش کی اس سے ہر ذہن آسانی سے نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو کچھ بھی غدیر میں ہوا وہ صرف حضرت علیؑ کے لئے تھا اور وہ پیغام علیؑ ہی کے بارے میں تھا جس کے پہنچانے کا حکم اس سختی سے دیا گیا۔

اس اعلان میں اگر کوئی اہمیت نہ تھی تو ہر حکم کی طرح یہ حکم بھی رسولؐ پر نازل ہو جاتا کہ رسولؐ یہ کہہ دو مگر اس حکم کے لئے اتنا انتظام کہ پہلے نازل ہوا اور پہنچانے کے لئے وقت کا انتظار ہوتا رہا اور جب وقت آ گیا تو حکم ہوا پہنچا دو ـــ اہمیت و عظمت پیغام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ رسولؐ پیغام کے پہنچانے میں تامل کر رہے تھے اور جب قرآن نے واللہ یعصمک من الناس کہہ کر حفاظت کی ذمہ داری لی تو رسولؐ نے وہ پیغام پہنچایا جب کہ اس سے قبل رسولؐ کسی پیغام کے پہنچانے میں تردد نہیں محسوس کرتے تیئس سالہ تبلیغی زندگی میں کون سی سختی تھی جو برداشت نہیں کی۔ ہمیشہ مصیبتوں کی چٹانوں سے ٹکراتے رہے۔ دشمنوں کے مقابلہ پر گھبراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ آج نہ جانے کیوں رسولؐ متردد نظر آ رہے تھے۔ خدا کا پیغام پوشیدہ رکھنا اور پہنچانے سے قبل رسولؐ کا خوف محسوس کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اب تک جتنے پیغام اُمت کو سنائے گئے تھے اُن سب سے اہم تھا یہ پیغام اور اتنا اہم تھا کہ تمام پیغامات کے پہنچانے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہنے والا رسول حکم الٰہی اور اپنی دلی خواہش کے باوجود متردد تھا :

مسئلہ اٹھایا ہی نہیں کہیں اور نہ سہی غدیر میں تو اُمت کو رسولؐ کی زبان سے معلوم ہی ہوگیا تھا کہ رسولؐ عنقریب دنیا سے جانے والے ہیں تو پھر غدیر ہی میں ضرور مسلمانوں کو سوال کرنا چاہیئے تھا کیونکہ اس سے بہتر اعلان کا کوئی موقع بھی نہ ملتا۔ نہ اتنا بڑا مجمع ملتا نہ ایسی جگہ جہاں سارے مسلمان جمع ہوسکیں ـــــ مگر ہر طرف خاموشی تھی اتنے بڑے مجمع میں کوئی نہ بولا جب کہ سب کو فکر ہونا چاہیئے تھی کہ رسولؐ کے بعد کیا ہوگا اور کسے مانیں گے؟

یہ تو سوچا نہیں جاسکتا کہ مسلمانوں کی جرأت نہ تھی کہ رسولؐ سے ایسی بات کا سوال کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ رسولؐ سے سوال کرنے میں مسلمان جرأت سے کام لیتے تھے اور مجمع میں پڑھنے لکھنے [illegible] آتے بلکہ ہر بات کرنے والے موجود تھے جو کسی منزل میں خاموش رہنے والے نظر نہیں آتے ... رسولؐ نے ... اگر بھرے مجمع میں سوال نہ کیا گیا تو تنہائی میں کسی نے پوچھ لیا ہوتا۔ رسولؐ جب خیمے میں آتے وہاں جاکر سوال کر لیا جاتا یا مسلمانوں کی کوئی ٹولی مشورہ کے لیے بیٹھتی کہ اب کیا ہوگا کسے مانیں گے؟ ـــ مدینہ والوں کو اگر فکر نہ تھی کہ رسولؐ تو ابھی مدینہ جا ہی رہے ہیں وہیں جا کر کچھ طے ہو جائے گا تو دیہات والوں کو دور کے قریوں سے آنے والوں کو فکر ہوتی یا جو ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے نہیں ابھی تک حالات کا بھی پتہ نہ تھا وہی اس بات کی جستجو کرتے کہ رسولؐ کے بعد کسے مانیں گے؟ ــــ وقت کا تقاضا تھا کہ خیالی گھوڑے دوڑائے جاتے، قیاس آرائیاں ہوتیں، دیہات والے شہر کے لوگوں پر نظر دوڑاتے [illegible] کون ایسا ہے جس کے لیئے اُمید کی جاسکتی ہے۔ سارے مسلمان [illegible] کہ رسولؐ کے پاس بیٹھنے والوں کا جائزہ لیتے کہ ان میں کون رسولؐ سے زیادہ نزدیک ہے، رسولؐ کی نظر التفات کس کی طرف زیادہ ہے فطری طور پر ذہنوں میں یہ سوال [illegible] تھا

کیونکہ یقین تھا کہ رسولؐ زیادہ دن زندہ نہ رہیں گے، یہ بھی یقین نہ تھا کہ اب اس کے بعد رسولؐ کی زیارت نصیب ہوگی یا نہیں ـــ مگر تاریخ گواہ ہے اس منزل پر شہری مسلمان، دیہاتی مسلمان، پُرانے مسلمان، نئے مسلمان مدینہ کے قریب کے رہنے والے یا دُور دراز منزلوں سے آنے والے نبی کے قریب بیٹھنے والے یا جنھیں نبیؐ کی زیارت کا کبھی کبھی شرف حاصل ہوتا تھا سب کے سب خاموش رہے کسی کا ذہن اس مسئلہ کی طرف ملتفت ہوا ہی نہیں کسی نے نبیؐ کے بعد کے لیئے سوچا ہی نہیں۔

اور حیرت تو اس پر ہے کہ مجمع میں وہ شخصیتیں موجود تھیں جنھیں رسولؐ کی خلافت کی اتنی فکر تھی کہ جنازہ دفن ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا انتخاب کی خاطر رسولؐ کا دفن و کفن تک چھوڑ دیا ـــ تو جن کی نظر میں خلافت کا انتخاب اتنا اہم اور ضروری تھا انھیں بھی آج فکر نہیں تھی خاموش نظر آتے ہیں۔ حالانکہ جو بعد رسولؐ کرنا تھا اس کے فیصلہ کے لئے غدیر سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا۔ کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں کوئی گفتگو ہوئی ہو، کوئی مشورہ ہوا ہو، کسی کے متعلق مسلمانوں نے قیاس آرائی کی ہو کچھ نہیں، غدیر میں صرف خاموشی اور اس کے بعد علیؑ کو مبارکباد معلوم ہوا مجمع کے ذہن میں "نبیؐ کے بعد علیؑ" اس کے علاوہ کوئی تصور تھا ہی نہیں اور غدیر کا اعلان اتنا واضح اور صاف ہوا تھا کہ دیہات کا رہنے والا نیا مسلمان بھی جانتا تھا کہ جانشینی کا اعلان ہوچکا اور جنھیں معلوم نہیں تھا انھیں بھی معلوم ہوگیا کہ رسولؐ نے جانشینی کا اعلان کرایا۔ غدیر کے اعلان کا طریقہ ہی ایسا اختیار کیا گیا کہ جس سے ہر سطحی ذہن بھی اچھی طرح محسوس کرلے کہ نبیؐ کے بعد علیؑ جانشین ہیں۔

یقیناً ذہن سوچیں گے کہ غدیر میں اگر اعلان جانشینی ہوا ہوتا تو لوگوں کو خاموش نہیں رہنا چاہیئے تھا کیونکہ علیؑ



نبی اکرمؐ کے بعد کون؟

(تاج الواعظین جناب مولانا سید مظاہر علی صاحب قبلہ واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ)

مرسل اعظم جہاں تحریک اسلام کو پیش کر کے کامیاب بنانے کی ذمہ داری لے کر آئے تھے۔ اس کے ساتھ حضور کا یہ فرض بھی تھا کہ قیامت تک اس کے بقاء و استحکام کا مکمل انتظام کر کے جائیں کیونکہ نبوت آپ پر ختم ہو رہی تھی۔ اس کے لئے اپنے بعد کے ہادی کا تقرر ضروری تھا۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب کوئی انسان دنیا سے جانے لگتا ہے اور اپنے بعد کوئی اہم یادگار چھوڑ کر جاتا ہے تو اس کا مکمل انتظام کر کے جاتا ہے کہ اسے کوئی مٹا نہ سکے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور کوشش کرتا ہے اور اس کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ رکھتا ہو۔

حضور سرور کائنات اسلام جیسی عظیم یادگار چھوڑ کر جا رہے تھے تو کیا حضور کو اس بات کی فکر نہ ہوگی کہ یہ یادگار کیسے محفوظ رہے گی۔ کن ہاتھوں میں محفوظ رہے گی کون اسے دل و جان سے عزیز رکھے گا؟ کون اس کی بقاء و استحکام کے لئے قربانیاں دے سکتا ہے؟

کسی کو فکر نہیں

رسولؐ کے بعد شاہان مدینہ کو اس بات کی بے انتہا فکر رہی کہ ہمارے بعد کون ہوگا [illegible]

میں خاموش بیٹھے نظر آتے تھے۔ پوچھنے پر یہی جواب ملتا تھا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ جاتے جاتے شوریٰ کمیٹی بنا کر گئے ــــــ رسولؐ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے ثبوت فراہم ہو کہ رسولؐ کو فکر تھی کہ میرے بعد کون ہوگا۔ نہ کسی نے رسولؐ کو خاموش بیٹھ کر سوچتے ہوئے دیکھا نہ کسی نے رسولؐ کو اس سلسلہ میں کسی سے مشورہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اس فکر کا نہ پایا جانا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ جانشین کا تقرر ہو چکا تھا۔ رسولؐ کو یہ فکر نہ تھی کہ اپنے بعد کسے بناؤں۔ فکر اُسے ہوتی ہے جس کی نظر میں بعد کے لئے کوئی جانشین منتخب نہ ہو۔ رسولؐ تو دعوت ذوالعشیرہ سے مسلسل اعلان کرتے چلے آ رہے تھے۔ فکر صرف اتنی تھی کہ جس کا اعلان کیا ہے اُسے منوایا کیسے جائے ــــ رسولؐ اپنی زندگی میں اس کا متعدد بار اعلان کر چکے تھے۔ اس کا مسلمانوں کو علم بھی تھا۔ اگر علم نہ ہوتا تو رسول کو اُمت پریشان کر دیتی۔ قدم قدم پر سوال ہوتا حضرت آپ کے بعد کسے مانیں؟ جس جنگ کے لئے رسولؐ قدم نکالتے پہلے یہی سوال ہوتا کہ حضرت پہلے جانشین کا تقرر فرما دیں کہیں آپ کی جان چلی گئی تو ہم کیا کریں گے۔ اُمت نے

اگر کھو لنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کے دروازوں کو نہ کھول دیتا ؟"

ممکن ہے کوئی سوال کرے کہ اُن اعلیٰ کمالاتِ انسانی کے ہوتے ہوئے کیا وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کا عہد خلافت خانہ جنگیوں اور الجھنوں میں گذرا۔ ہمارے خیال میں اس کے کئی وجوہ ہیں۔

(۱) آپ کے زمانے میں حالات اتنے بدل گئے تھے اور اموی اس قدر با اقتدار ہو گئے تھے کہ اس سیلاب کو روکنا آسان نہ تھا۔ کسی نے خود حضرت علیؑ سے اعتراضاً کہا کہ حضرات شیخین کے دور میں یہ انتشار نہ تھا جو آپ کے دور میں ہے۔ تو فرمایا کہ اُن کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔

(۲) حضرت علیؑ دین کے معاملات میں اپنے بھائی تک کے ساتھ بے جا مراعات جائز نہیں سمجھتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی غیر مستحق کو دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس بھی اسی بنا پر آخر میں کشیدہ ہو گئے۔ حق پسندی کی وجہ سے لوگ چندان آپ کے گرویدہ نہ تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ آپ نے فوج کو احکام بھیجے اور وہ سستی یا سرتابی سے پیش آئی۔

(۳) امیر معاویہ کا شمار عرب کے زیرک لوگوں میں تھا۔ سوء اتفاق سے عرب کے تین اور زیرک اس کے حاشیہ نشین و مددگار تھے یعنی مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو بن العاص اور زیاد بن ابیہ اول الذکر کا دخل یزید کی تحریک میں اور ثانی الذکر کا نیزوں پر قرآن بلند کرانے اور تحکیم میں جو رول رہا وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اس کے علاوہ زیاد سا ذلیل طبیعت کا انسان بھی اور بھی سب پر عیاں ہے۔ حضرت علیؑ ان باتوں کو سمجھتے تھے جیسا کہ آپ کے خطبات وغیرہ سے ظاہر ہے مگر اس طرز کار کو اچھا نہ جانتے تھے اور اپنے بلند اصولوں سے نیچے آنا پسند نہ فرماتے تھے۔

(۴) حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے غزوات میں جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کے قرابت دار آپ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

غرض حضرت علی علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ سمندر لاکھ طغیانی پر ہو۔ آندھیاں ہزار آئیں اور کوہ پیکر موجیں آسمان سے ٹکرائیں مگر آپ اپنی اور اپنے رفقا کی کشتی طوفانی دھارے کے مقابلہ میں کھینچتے ہوئے ساحل نجات کی طرف لے جا رہے ہیں من رکبها نجا ومن ترکها غرق وهوی۔ جو کشتی میں سوار ہو گیا وہ پار ہو گیا اور جس نے چھوڑ دیا وہ ڈوب گیا۔

علی امام من است و منم غلام علیؑ
ہزار جان گرامی فدائے نام علیؑ

---

(۱) اپنے منشی عبید اللہ بن ابی رافع سے فرمایا۔ دوات صاف رکھو۔ قلم کی زبان لمبی ہو۔ سطروں کا فاصلہ کافی اور حروف ملا کر لکھو (کٹے کٹے نہ ہوں) اس لیے کہ یہ (باتیں) حفظ تحریر کے نکھار کا سبب ہیں۔"

اگر بتعمق سے دیکھا جائے تو اس اعتراض کی بنا ہی سرے سے فاسد ہے۔ اگر سیاست سے مراد آج کل کی اصطلاح میں ڈپلومیسی ہے تو یقیناً حضرت علیؑ کی ذات اس سے کہیں رفیع و اعلیٰ ہے۔ ڈپلومیسی میں جائز اور ناجائز ہر طریقہ اور ذریعہ سے حریف کو زک دینا روا سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت علیؓ کی دیانت ایک ثانیہ کے لیے بھی ایسی پالیسی کو پسند نہیں کر سکتی تھی۔ خود فرماتے ہیں لولا الدین ادھی الناس۔ اگر دین کی پابندی نہ ہوتی تو میں سب سے زیرک شخص ہوتا۔

اور اگر سیاست حکمرانی کا نام ہے جو علی منہاج النبوۃ ہو تو آپ کی سیاست نہایت کامل اور استوار تھی۔ آپ کے خطبات، فرامین اور مراسلات جو آپ نے اپنے عمال کو روانہ فرمائے ہیں اور جن میں جہانبانی کے چھوٹے اور بڑے تمام جزئیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے برابر ان کے طریق عمل پر نکتہ چینی کی ہے صاف بتا رہے ہیں کہ آپ ایک عظیم الشان حکیم سیاست تھے۔ جو علمی اور عملی ہر اعتبار سے صحیح سیاست کی راہ پر گامزن تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ خانہ جنگیوں میں گھرے رہے اور آپ کے عہد خلافت میں انتظامات ملکی اور فتوحات خارجی کی جانب ایسی توجہ نہ کی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان کے آخر عہد میں مروان اور دوسرے فسادی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے حالات اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ آپ کو ایک لمحہ کے لیے اطمینان نہیں ملا۔ مگر اس میں حضرت علیؑ کا کیا قصور؟ آپ نے جس وقت عنان خلافت دست اقدس میں لی ہے یہ منصب پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر بن چکا تھا۔ ان مشکلات کو دیکھ کر کوئی دوسرا جنرل ہمت ہار دیتا۔ لیکن ان ناسازگار حالات کے باوجود حضرت علیؓ کا حوصلہ و تدبر تھا کہ ایک طرف اصحاب جمل جیسے باوقار حضرات سے نبٹ رہے تھے۔ دوسری طرف شام کی با اقتدار پارٹی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ تیسری طرف خوارج جیسے متشدد جنگجوؤں سے نبرد آزما ہو رہے ہیں اور حریفوں کو شکست پر شکست دے رہے تھے۔ اسی کے ساتھ دوسرے اہم امور سے بھی غافل نہیں تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ اپنی خلافت میں برابر عمال پر احتساب۔ محاصل کی نگرانی۔ مسلم و غیر مسلم رعایا پر شفقت فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ کرمان اور فارس کی بغاوتوں کا فرو کرنا اور سیستان اور کابل کی مہموں کا سرانجام دینا آپ کی خلافت کا کارنامہ ہے۔ مسلمان تو آپ کی طریق حکومت کے مداح تھے ہی۔ غیر مسلم بھی پکار اٹھے کہ اس عرب نے تو نوشیروانی طرز حکومت کی یاد تازہ کر دی۔ جو لوگ آپ کی حکومت کو کثرت فتوحات کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں جس کی طرف علامہ جلیل حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے اشارہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں:

" باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ان کو کیسے دکھایا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؑ پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے جب اس قسم کی باتیں میرے کانوں تک پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آتا ہے کہ علیؑ کی پچھلی زندگی پر تنقید کرنے والے اُن کی زندگی کی ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے ہیں وہ اسلامی اقلیم میں ایران و مصر و شام و عراق کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادسیہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہو سکتی تھی؟ وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست اُن کے دشمنوں کو اٹھانی پڑی لیکن یرموک کی خوشی پر شادیانے بجانے والوں سے کوئی پوچھے کہ ارے کمبخت یرموک تک تم پہونچ بھی سکتے تھے

نے بیعت کی ہے جنھوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے بیعت کی تھی اس بنا پر معاویہ یا اُس کے ساتھیوں کا بیعت نہ کرنا قادح خلافت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حدیث بخاری کی رو سے بغاوت ٹھہرے گا۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے کہا یہ صورت اُس وقت تک قائم رہی جب تک سیدنا حسنؓ نے دست برداری نہ فرمائی۔ اُس کے بعد معاویہ کی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی اگرچہ وہ اور ان کے بعد کے حکمراں عرف عام میں خلیفہ کہلاتے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے منصب خلافت قبول فرمایا تو صحابۂ رسولؐ نے کہا۔

واللہ یا امیر المؤمنین لقد زینت الخلافۃ وما زانتک ورفعتہا وما رفعتک وھی کانت احوج الیک منک الیہا۔	کہ اے امیر المؤمنین آپ نے زینت بخشی خلافت کو زینت نہیں دی اور آپ نے اُس کو بلند کر دیا اُس نے آپ کو بلند نہیں کیا اور اُس کو آپ کی زیادہ ضرورت تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ کو اس کی ضرورت

(اسد الغابہ ج ۴ ص)

اگر بالفرض آپ کو سرے سے خلافت نہ حاصل ہوتی تو بھی آپ کے فضائل و مراتب میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کی مثال سے یہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ مقربان الٰہی میں بعض ایسے نفوس گزرے ہیں جن کو دشمنوں کے ہاتھ حبس و قتل کی ایذا اٹھانی پڑی۔ اکثر ایسے حضرات تھے جن کو ظاہری حکومت میسر نہیں آئی۔ لیکن کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ ان وجوہ سے عند اللہ و عند الناس ان کے مراتب علیا میں کوئی فرق آگیا؟ حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل کا انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ آپ پر الزام لگایا گیا کہ باوجود قدرت۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص لینے میں تساہل سے کام لیا۔

اس ناپاک سیاسی لغو اور زہریلے پروپگنڈے نے جو کہ حضرت علیؓ کے خلاف دنیائے اسلام میں پھیلایا گیا آنحضرت کی بیعت کو کافی نقصان پہنچایا۔ دشمنان حضرت علیؓ نے اس کو خوب ہوا دی اور اچھالا اور جنگ جمل و صفین کا باعث یہی بہتان ہوا۔

حضرت عثمانؓ در اصل بلوے میں مارے گئے۔ ان کی زوجہ نائلہ جو موقعہ پر موجود تھیں اور جن کے ہاتھ کی انگلیاں اپنے شوہر کی مدافعت میں کٹ گئی تھیں دیکھ قاتلوں کی نشاندہی سے قاصر رہی تھیں۔ تاہم سیدنا علیؓ مرتضیٰ نے خلیفہ ہوتے ہی تحقیقات کی۔ محمد بن ابی بکر کا نام لیا گیا۔ مگر حضرت عثمانؓ کی زوجہ نے گواہی دی کہ محمد ابن ابی بکر شریک قتل نہ تھے۔ خلفائے راشدین پر کچھ ممکن تھا کہ حضرت علیؓ محض شبہ پر کسی ایک یا چند آدمیوں کو قصاص کے لیے حوالے کر دیتے۔ یہ درست ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بہت سے مخالفین نہ کہ قاتلین لشکر مرتضوی میں داخل ہو گئے تھے لیکن مخالفت اور چیز ہے اس لئے کہ نفس مخالفت میں تو بہت سے اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔ تاہم جنگ جمل کے روز آپ نے مشتبہ اشخاص کو بھی جدا کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے خود حضور علی مرتضیٰ کے علم و اجازت کے بغیر شب میں جنگ چھیڑ کر معاملہ کو اور پیچیدہ کر دیا۔

سیاست۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سیاست نہیں جانتے تھے یا اگر آپ نزدیک زر اندیشگی سے کام لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ پر روحانیت اتنی غالب تھی کہ سیاست کی طرف توجہ نہ فرما سکتے تھے لیکن

... عنق قا

بعض ... کے وار ایک ہی دفعہ میں حریف کو کاٹ دیتے تھے جب سر پر مارتے تھے تو پوری لمبائی میں اور جب پہلو پر مارتے تھے تو چوڑائی میں حریف کا جسم دو پارہ ہو جاتا تھا۔

اصحاب جمل کو سخت شکست دینے کے بعد جب حضرت علیؑ صفین میں نبرد آزما ہوئے تو آخر میں قریب تھا کہ فتح آپ کے قدموں کا بوسہ لے لیکن نیزوں پر قرآن بلند کرنے کی چال کام کر گئی اور آپ کی فوج میں تفرقہ پڑ گیا۔ جنگ نہروان کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ اگرچہ خوارج بڑی دلیری سے لڑے مگر شیر خدا کے مقابلہ میں اُن کا یہ حال ہوا گویا کسی نے حکم دیا ہو۔ موتوا فماتوا (مر جاؤ پس سب مر گئے)

سخاوت حضرت علیؑ کے پاس مال و دولت کا کیا کام۔ آپ نے اور سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہؑ نے جس فقر و قناعت سے زندگی بسر کی ہے تاریخ اس کی گواہ ہے۔ حتیٰ کہ خلافت کے زمانہ میں بھی یہی حال رہا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بیت المال میں مال کثیر آیا۔ آپ نے کھڑے کھڑے سب مستحقین کو بانٹ دیا اور بیت المال میں جھاڑو دلوا کر نماز ادا کی۔ حالانکہ آپ کے گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ تاہم جو قلیل مقدار ذاتی مال کی ہوتی آپ اُس کو بھی راہ خدا میں خرچ کر دیتے اور اپنے اہل و عیال کے لیے جمع کرنا ناروا سمجھتے تھے۔ آپ کا تین روز برابر روزہ رکھنا اور مسکین و یتیم و اسیر کو اُٹھا کر کھانا دے دینا مشہور ہے۔

زہد و مبارک :۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے زاہدوں کا تذکرہ ہوا۔ انھوں نے فرمایا:۔ ازھد الناس فی الدنیا علیؑ بن ابی طالب یعنی دنیا میں یا دنیا کی طرف سے سب سے زیادہ بے رغبتی کرنے والے حضرت علیؑ تھے۔ معاویہ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے رفیق ضرار اسدی کا سے آپ کے اوصاف بیان کرنے کو کہا۔ ضرار نے اول معذرت چاہی جب اصرار ہوا تو حضرت علیؑ کے عدل۔ علم و ہنر۔ خضوع خشوع۔ انابت۔ عبادت۔ خلق کی تصویر اس موثر انداز میں کھینچی کہ معاویہ رو پڑا اور بولا خدا ابوالحسن (حضرت علیؑ) پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ (عقد فرید)

جناب علیؑ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دنیا کو ایسی طلاق دی ہے جس کے بعد رجوع ممکن نہیں۔ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے۔ یا صفراء و یا بیضاء غری غیری۔ (اے سونے چاندی اوروں کو جا کر فریب دے میں تیرے فریب میں آنے والا نہیں)

حضرت علیؑ کی عبادت کے متعلق حضرت عائشہ کا فرمانا کہ کان ما علمت صواما قواما (جہاں تک مجھے علم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے) ایک روشن حقیقت ہے۔ ان فضائل و مزایا کے ساتھ جب آپ کا سبقت سے محفوظ رہنا۔ سبقت اسلام۔ خاتون جنت کا شوہر ہونا اور دوسری خصوصیات بھی پیش نظر رکھی جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت علیؑ کی مبارک زندگی شروع سے آخر تک نہایت تابناک اور آپ کا کیرکٹر بہت بلند تھا۔ دراصل آپ اُن انسانوں میں سے تھے جن کو آسمان بڑی گردشوں کے بعد پیدا کرتا ہے جن کی سیرت انبیائے عظام کے قدم بہ قدم تھی اور جن کو اسلام دوسری قوموں کے سامنے فخر سے پیش کر سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے مرگ کے بعد لوگوں نے آپ پر بیعت خلافت کے لیے زور ڈالا۔ آپ نے انکار فرمایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ لوگ اہل حل و عقد میں شامل نہیں ہیں۔ آخر مہاجرین و انصار کے اصرار پر آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ایک مراسلہ میں معاویہ کو بھی لکھا کہ مجھ سے اُن مہاجرین و انصار

تقاضہ حضرت علیؑ کے
... ہے جو بالآخران کی شہادت

... حیثیت سے قطع نظر اگر تاریخی حیثیت
... تھی سیدنا حضرت علیؑ کا رتبہ نہایت
... سیرت بے داغ نظر آئے گی۔

حکمت :

سب سے پہلے حکمت کو لیجیے۔ آپ کا علم و فضل۔ آپ کے فتاوی اور قضایا۔ آپ کے کلمات اور خطبات آج بھی فصاحت کا آئینہ اور بلاغت کا گنجینہ ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو براہ راست افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد کیا گیا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ ترمذی نے یہ حدیث نقل کرکے اس کی غرابت کا اظہار کیا ہے۔ مگر حال ہی میں مصر کے ایک عالم احمد بن محمد نے ایک کتاب فتح الملک العلی اسی مبحث پر لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ یہ حدیث مختلف طرق سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی مؤید دوسری حدیث اقضاہم علیؑ۔ علیؑ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ صحاح میں وارد ہے۔

حضرت عمر

کا ارشاد ہے۔ علیؑ اقضانا (علیؑ ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) آپ اکثر فرماتے تھے اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابوالحسن یعنی ایسی مشکل سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کے حل کرنے کے لیے ابوالحسن (علیؑ) نہ ہوں۔ ایک موقعہ پر آپ نے کہا لولا علی لھلک عمر (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ

حضرت علیؑ کے فیصلوں کو سن کر خود سرور کائناتؐ نے خوشنودی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ما اجد فیھا الا ما قال علی (میرا بھی وہی فیصلہ ہے جو علیؑ کا ہے) دوسرے موقعہ پر ارشاد کیا الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت (خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیت کو حکمت ودیعت کی (ازالۃ الخفاء)

حضرت ابن مسعود ۔ افرض اھل المدینۃ واقضاھا علی ابن ابی طالب اہل مدینہ میں سب سے زیادہ فرائض کا علم رکھنے والے اور بہتر فیصلہ کرنے والے علی بن ابیطالبؑ ہیں۔

حضرت ابن عباس ۔ جو حضرت علیؑ کے شاگرد تھے کہتے تھے اذا حدثنا ثقۃ عن علی انفتیا لا نعدوھا جب ہم کو معتبر ذریعہ سے علیؑ کا فتوی مل جاتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے (یا دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

حضرت عائشہؓ ۔ ام المومنین فرماتی ہیں۔ انہ اعلم من بقی بالسنۃ۔ خدا جانتا ہے جو لوگ رہ گئے ہیں ان میں علیؑ سب سے زیادہ عالم سنت ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب ۔ مشہور تابعی۔
لم یکن احد من الصحابۃ یقول سلونی الا علی۔ صحابہ میں سے کوئی علیؑ کے سوا ایسا نہ تھا جو کہتا ہو کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو۔

چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ اجلہ صحابہ نے حضرت علیؑ سے مسائل پوچھے ہیں مگر حضرت علیؑ نے صحابہ سے پوچھا ہو ایسی کوئی مثال نہیں ملی۔

حضرت عبداللہ بن عباس :-

کان لعلی ما شئت من ضرس قاطع فی العلم وما کان لہ	علیؑ کو علم میں زبردست پایہ حاصل تھا۔ نیز کنبہ والوں کے ساتھ خوش مزاجی اسلام

کہتا ہوں تو میرے کان بہرے ہو جائیں۔

مسلم میں یہ بھی ہے کہ معاویہ نے سعد کو حضرت علی کو لعنت کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی تین فضیلتیں ایسی بیان فرمائی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک مجھے میسر ہوتی تو میرے لیے دنیا کی دولت سے بڑھ کر ہوتی۔ ایسی حالت میں اُن کو کیوں کر بُرا کہہ سکتا ہوں۔ وہ تین فضیلتیں یہ ہیں۔ حدیث منزلت جو اوپر بیان کی گئی۔ حدیث عطائے رایت روز خیبر اور آیت مباہلہ میں شرکت (جبکہ نصاری کے لیے مقابلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم خدا کے حضور میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں تو رسول مقبولؐ جناب علیؑ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا اور جناب حسنینؑ کو لے کر باہر نکلے اور عرض کی خدایا یہ میرے گھر والے ہیں) مسلم میں عطائے رایت کے سلسلہ میں یہ اور ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھے سرداری کی تمنا کبھی اس روز کے سوا کبھی نہیں ہوئی اور میں منتظر تھا کہ اس خدمت کے لیے بلایا جاؤں لیکن حضور سرور کائنات نے حضرت علیؑ کو یہ عہدہ تفویض فرمایا۔

۳۔ ترمذی۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں۔

لقد عهد الى النبيؐ الله لا يحبك الا مومن ولا يبغضك الا منافق۔	بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ قول دیا ہے کہ تم سے مومن کے سوا کوئی محبت نہ کرے گا اور منافق کے سوا کوئی دشمنی نہ کرے گا۔

ترمذی نے خلاف معمول اس حدیث کو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

۴۔ ابن ماجہ

ابن ماجہ نے بھی ترمذی والی حدیث منزلت۔ حدیث خیبر اور حضور کے تین فضائل والی حدیث کی توثیق کی ہے اور اس کی سنن میں ذیل زیادہ ہیں۔

هذا ولی من انا مولاه اللهم وال من والاه اللهم عاد من عاداه۔	یہ (علی) اُس کے ولی ہیں جس کا میں مولیٰ ہوں خدایا اُس سے محبت کر جو علیؑ سے محبت کرے اور اُس کو دشمن رکھ جو علیؑ سے دشمنی کرے
الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة وابوهما خير منهما	حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے باپ اُن سے افضل ہیں
عليؑ مني وانا منه ولا يؤدی عنی الا انا او علی	علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے کوئی (امانت وغیرہ) بجز علیؑ کے کوئی ادا نہ کرے گا۔
قال علی انا عبد الله واخو رسوله وانا الصديق الاكبر لا يقولها بعدی الا كذاب صليت قبل الناس سبع سنين۔	حضرت علی نے فرمایا میں خدا کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد اگر کوئی ایسا کہے گا تو وہ جھوٹا ہوگا میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز ادا کی ہے۔

۵۔ امام نسائی۔

علی مرتضیٰ ـــــ مجموعۂ صفات کمالات



جناب ایم زمرد حسین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر وپبلر آف فارسٹ
کاشانۂ خورشید ـــــ سول لائن علی گڑھ

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ تین سو آیات حضرت علیؑ کی شان میں قرآن پاک میں خصوصی طور پر نازل ہوئی ہیں۔ عمومی آیات کا تو شمار بھی دشوار ہے جن کے بارے میں طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

ما انزل اللہ یا ایھا الذین امنوا
الا وعلیؑ امیرھا وشریفھا ولقد
عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی
غیر مکان وما ذکر علیا الا بخیر۔

یعنی جس جگہ قرآن میں یا ایھا الذین آمنوا ہے۔ حضرت علی اُس کے امیر و سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کئی موقعوں پر اصحاب کرام پر عتاب فرمایا۔ مگر حضرت علیؑ کا ذکر ہمیشہ تعریف کے ساتھ کیا۔ مستند احادیث خصوصاً صحاح ستہ کی روایات درج ذیل ہیں :-

۱۔ بخاری (۱) قال النبیؐ لعلی انت منی وانا منک۔

نبیؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔

(ب) لاعطین الرایۃ غدا رجلا یفتح اللہ علی یدیہ یحبہ اللہ ورسولہ ویحب اللہ ورسولہ

نیز رجب کئی جلیل القدر صحابہ خیبر کے مقابلہ سے ناکام لوٹے تو فرمایا) کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جس سے خدا اور رسول محبت کرتے ہیں اور جو خدا اور رسول سے محبت کرتا ہے اور خدا اُس کے دونوں ہاتھوں پر فتح دے گا۔

(ج) قال لعلی اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ

حضور نے علیؑ سے فرمایا کیا تم اُن سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔

۲۔ مسلم۔ مسلم نے بھی حدیث مذکورہ بالا کی روایت کی ہے اور اس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جو اس کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میرے کانوں نے یہ حدیث حضور سردار کائناتؐ سے سُنی ہے اور اگر میں غلط

زمیں سے مل گیا ہے سلسلہ امواجِ کوثر کا
کنارِ جوئے زمزم چشمۂ جود و کرم آیا

نہ پوچھو شادمانی و نشاطِ مرسلِ امی
نوشتِ مصحفِ قرآنِ باری کا قلم آیا

علیؑ کی منتظر تھی مصلحت اعلانِ بعثت کی
علیؑ آئے تو اعلانِ نبوت دم بدم آیا

ترے نازک لبوں سے لالہ و گل کو ہنسی آئی
تری زلفوں سے زلفِ زندگی میں پیچ و خم آیا

گلابوں میں مہک آئی ترے رُخ کے پسینے سے
غزالوں کو تری رفتار کی شوخی سے رم آیا

ترے تیور میں تیری خوئے نازک کی لچک آئی
تری شمشیر میں تیرے خطِ ابرو کا خم آیا

گلابوں میں مہک آئی ترے رُخ کے پسینے سے
غزالوں کو تری رفتار کی شوخی سے رم آیا

ترے تیور میں تیری خوئے نازک کی لچک آئی
تری شمشیر میں تیرے خطِ ابرو کا خم آیا

ترے وحشی اُٹھے تو جھک گئی پیشانیٔ کسریٰ
ترے وحشی چلے تو ٹھوکروں میں جامِ جم آیا

سخی کے در پہ سائل آ گیا تو اس کے دامن تک
کرم امواج در امواج آیا یم بہ یم آیا

محبت سے کوئی بولا کوئی حیرت سے خیبر میں
علم آیا علیؑ آئے، علیؑ آئے علم آیا

مُبارک آلِ ہاشم آلِ ابراہیمؑ کو نظمی
حرم سے سب صنم نکلے، نگہبانِ حرم آیا

قطعہ

رجب کی تیرھویں ہے نکلا شب کا نور ہوتا ہے
مزا تو جب ہے ذرّے بھی جوابِ طور ہوتا ہے
علی کا عشق منتظر صد ہیں تنہا مسکراتے ہیں
تو غیروں میں ہمیشہ تنہا بشر یک نعرہ ہوتا ہے
شہ خیبر نظر صبا بنارسی

قطعہ

جمالِ مہر کہاں رُخِ بوتراب سے کہاں
دیکھا ہو جائے سر ازدوق اتنی ہے کہاں
ابھی تو چیر ابھی از در تو بت ہی تو ہے کہاں
تمہارے لعل کا نسبت اسد اللہ کہاں
علی ہی ساقی و خزینہ ہے سب کہاں
مری شراب وہ کہاں گلاب کہاں

(تسنیم کاظمی اے، ٹی، ماڈل ٹاؤن دہلی)

جنوں کے دیدۂ حیراں میں جب عکسِ صنم آیا
دلِ آوارۂ دشتِ تمنّا تا حرم آیا

جنوں میں چاک دامانی سے رسوائی نہیں ہوتی — کہ تختِ مصر پہ اک چاک داماں کا قدم آیا
جنوں گزرا درِ زندان و چاہِ دشتِ کنعاں سے — جنوں بالائے دار و پیشِ پیکانِ ستم آیا
جنوں کا یہ اثر ہے عمرِ رفتہ بھی پلٹتی ہے — زلیخا کا شباب و حسن در عہدِ ہرم آیا
جنوں خانہ بدوشِ غم تلاشِ شہرِ جاناں میں — اگر نکلا سرِ صحرا [illegible] لوح و قلم آیا
جنوں نے جب قدم سنگِ درِ دلدار پہ رکھا — حجر پر گرمیٔ رفتار سے نقشِ قدم آیا
جنوں کے اک تبسم سے بہارِ رنگ و بو آئی — جنوں کے ایک آنسو میں زمانے بھر کا نم آیا
جنوں کے سامنے شمشیر مثلِ شاخِ گل لچکی — جنوں کے روبرو خنجر مثالِ جامِ جم آیا
جنوں آوارۂ غربت جنوں بے سازِ بے ساماں — مگر آیا خرد کی بزم میں تو الم آیا
جنوں جہدِ مسلسل، قصدِ محکم، کاوشِ پیہم — جنوں کا سر حدِ ادراک سے آگے قدم آیا
جنوں ہے بے نیازی منزلِ تسلیم کی حد میں — جنوں کی منزلِ تسلیم میں [illegible] حرم آیا
جنوں نے نفس بیچا مرضیٔ مولا کی قیمت میں — جنوں کے ہاتھ میں سرمایۂ لطف و کرم آیا
جنوں کے دوش پر [illegible] وفا آیا [illegible] — قصیدے [illegible] آہنگِ شیراز و عجم آیا
سُنا دے مطلعِ حسنِ وفا رنگِ تغزل میں — صریرِ کلک میں سازِ وفا کا زیر و بم آیا

وفا سے گل [illegible] حسن [illegible] سر [illegible] آیا
کہ [illegible] شیراز [illegible] آیا

وفا کے در پہ آیا سر بہ سجدہ [illegible] — [illegible] سر پہ خم آیا
وفا کرار ہے خیبر شکن ہے گل [illegible] — وفا کے [illegible] دین کی دعوت [illegible] آیا
وفا مشکل کشا ہے [illegible] — [illegible] کا بھرم آیا
وفا کی ضربِ افضل ہے زمانے بھر کی طاعت سے — [illegible] میں [illegible] آیا
وفا تقدیسِ کعبہ ہے وفا ہے آیۂ تطہیر — وفا [illegible] رسالت پر قدم آیا
وفا سوئی اگر فرشِ نبوت پر شبِ ہجرت — سر [illegible] پیمبر کا [illegible] کم آیا
وفا جاگی شبِ اسریٰ تو معراجِ پیمبر کا — نظر [illegible] حسن [illegible] بدم آیا
وفا کا دائرہ کھنچتا ہے پرکارِ محبت سے — [illegible] مرکز حرم آیا
سُنادے مطلعِ ثالث کو نظمی اہلِ محفل میں — حرم کے ساتھ ذکرِ جشن مولودِ حرم آیا

حدیثِ عالمِ ھُو کا کشفِ سِرّ [illegible] آیا
سرِ دنیائے حادث پیکرِ [illegible] آیا

حسامِ دیں پناہ و طرّۂ دستارِ پیغمبر — مہِ بیت الرسول و نجمِ تابانِ حرم آیا

لا علیٰ اِلّا علی

(جناب مہدی نظمی لکھنوی)

زمینِ تشنۂ گلزار پہ ابرِ کرم آیا
کہ چشمِ نرگسِ شہلا کے ہر ڈورے میں نم آیا

چلی لیلائے ظلمت گوندھ کر بکھرے ہوئے گیسو
کہ تیرہ خاکداں میں آفتابِ صبحِ دم آیا

عروسِ لالۂ نوخیز نے کی زینتِ عارض
چمن کی سنبلوں کے گیسوؤں میں پیچ و خم آیا

نگارِ گل پہ شبنم نے نچھاور کردیئے موتی
دلِ آزردۂ بلبل کو ضبطِ جوشِ غم آیا

سراب ریگِ صحرائے وفا کے تشنہ کاموں کو
مبارک باد دیجے ابرِ فیضان و کرم آیا

لچکتی ڈالیوں کو آگیا تسلیم کا انداز
پئے گلگشتِ گلشن باغبانِ ذی حشم آیا

خزاں شدّاد کی جنت میں جاگی لے کے انگڑائی
ہوا بدلی، زوالِ موسمِ باغِ ارم آیا

نوید امن و پیغام امان و مژدۂ آزادی
نگارِ بت شکن غارت گرِ جور و ستم آیا

بسانِ گل دلِ تہذیب کا ناسور خندہ ہے
کہ جادہ سازِ غم، نشتر زنِ زخمِ الم آیا

رہِ عرفاں کا سنگِ میل اہلِ عشق کی منزل
صراطِ بندگی و جادۂ حق کا ارم آیا

یہاں اہلِ جنوں ٹھیرے تو اسرارِ خودی سمجھے
یہاں اہلِ خودی پہونچے تو ترکِ بیم و غم آیا

یہاں آئے خرد والے تو سمجھے حکمتِ دنیا
یہاں اہلِ قلم بیٹھے تو اندازِ رقم آیا

یہاں سازندگانِ بزمِ عرفان و طریقت کو
کمالِ نغمہ سنجی و شعورِ زیر و بم آیا

یہاں سازِ لبِ زخمِ جگر سے زمزمے پھوٹے
یہاں بینشِ نظر عکسِ رخِ زہرہ نعم آیا

یہاں زخمہ زنِ تارِ رگِ جاں کے نغمے سے
لبِ فریاد میں سوزِ اذانِ صبحِ دم آیا

یہاں آئینۂ ذہن و تصور نے جلا پائی
یہاں فکرِ رسا و فہمِ مضمونِ اہم آیا

یہاں پہنچ بلاغت سیکھ کر اہلِ سخن اٹھے
یہاں اربابِ حکمت کو بیانِ کیف و کم آیا

یہاں آئے فقیرانِ توکل تو پئے تسلیم
شکوہِ قیصرانِ روم و شاہانِ عجم آیا

یہاں اہلِ شہادت کے لہو میں زندگی دوڑی
یہاں اہلِ محبت کی رگِ پا میں زمم آیا

یہاں سلماں یہاں بوذر یہاں مالک یہاں میثم
یہاں جو شخص آیا فخرِ اربابِ ہمم آیا

یہاں سایہ کیا اکرام و الطافِ الٰہی نے
یہاں خیرالبشر خیرالوریٰ خیرالامم آیا

یہاں پیدا نظر کے اک اشارے پر شہِ خاور
یہاں جنت سے اکثر خوانِ اثمارِ نعم آیا

یہاں نظمی سنادے مطلعِ رنگیں کہ محفل میں
سخن دانوں کو کیفِ بادۂ شعر العجم آیا

اور یہ نہیں فرمایا کہ علیؑ کو وہاں رکھتا جہاں حق ہو۔"

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ علامہ شاہ ولی اللہ محدثؒ ہند حضرت علی علیہ السلام کو معصوم کامل مانتے تھے اور حضرت علیؑ کے افعال کو مطابقِ حق نہیں بلکہ حق کو مطابقِ افعالِ علیؑ سمجھتے تھے اور یہ استفادہ انھوں نے حدیث رسولؐ سے کیا ہے۔ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حق کا پابند نہیں بنایا بلکہ حق کو علیؑ کا پابند کر دیا ——

حق کہاں ہے؟ کا سوال اب غلط ہے اور اس کو تلاش کرنا ایک فعلِ عبث ہے اب تو علیؑ کو تلاش کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں ہیں؟ جہاں علیؑ ہوں گے لامحالہ حق وہیں ہو گا۔ اجماع، شوریٰ، استخلاف، دربارِ حکومت، جمع قرآن کمیٹی، مسجد، منبر، محرابِ عبادت اور میدانِ جنگ ہر جگہ یہ دیکھنا ہو گا کہ علیؑ ہیں یا نہیں، موافق ہیں یا مخالف ہیں، علیؑ کے نقش قدم دیکھتے چلئے، حق ملتا چلا جائے گا۔

ابوالائمہ، مولودِ کعبہ، حق کے رہبرِ اعظم، دوشِ نبوتؐ کے سوار، قرآن کے وارث، الکعبہ کے محافظ، خطیبِ منبر سلونی اپنے ایک نالائق محب اور گنہگار و ادنیٰ ترین غلام کا سلام قبول کرو!

حضرت علیؑ کا ایک مکتوب

محمد بن ابی بکر کے قتل پر عبداللہ ابن عباس کو!

دشمن نے مصر فتح کر لیا اور اللہ کی رحمت ہو محمد بن ابی بکر پر جو شہید ہو گیا۔ اس خیر خواہ فرزند[1] کی شہادت کا ثواب ہمارے لئے خدا ہی کے پاس ہے۔ یہ فرزند زبردست جدوجہد کرنے والا تھا تیغ براں تھا مدافعت کا ستون تھا۔ حادثے سے پہلے میں نے لوگوں کو اس کی حمایت میں کھڑے ہونے کے لئے ہر ممکن طریقے سے اُبھارا۔ علانیہ اور خفیہ دعوتیں دیں۔ جوش دلانے میں کسر نہ اُٹھا رکھی مگر ہوا یہ کہ جو آئے تھے دل کی ناخوشی سے آئے تھے۔ کچھ لوگوں نے جھوٹے عذر کر دیئے اور کچھ لوگ پاؤں توڑ کے بیٹھ رہے خدا سے دعا ہے کہ مجھے ان لوگوں سے چھٹکارا دے دے۔ جلد سے جلد چھٹکارا دے دے۔ اگر دشمن سے دو بدو جنگ کرتے ہوئے شہادت کی آرزو نہ ہوتی اور مر جانے پر دل ٹھہر نہ چکا ہوتا تو میں ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ گزارتا۔ ان سے ملنے کی میرے دل میں کبھی خواہش ہی پیدا نہ ہوتی۔

[1] فرزند اس لئے فرمایا کہ حضرت ابوبکر کی وفات پر امیرالمومنین نے محمد کی والدہ سے شادی کر لی تھی اور محمد کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔

پر دنیا کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ عیاری
مکاری کا اسلام کی راہوں میں کوئی عملی دخل نہیں ہے
علیؑ کو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ حق تک پہنچنے کے لیے
باطل کا سہارا لیا جاتا ـــ اگر یہی کچھ کرنا ہوتا تو آج سے
بہت پہلے ہی خلافت کا تخت علیؑ کے قدموں کے نیچے
جھکا ہوتا۔ بات صرف اتنی تھی کہ قرآن و سنت پیغمبرؐ کے
ساتھ سیرت شیخین پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیجئے ـــ علیؑ
کا صرف ایک "ہاں" سے عظیم انقلاب پیدا ہوتا۔
انقلاب آتا اور یہ آنے والا انقلاب جہاں مدینہ سرکار
کی سیاست بدل دیتا وہیں عقیدۂ امامت کو بھی تہہ و بالا
کر دیتا۔ علیؑ کی یہ "ہاں" انھیں مدینہ کا تخت دے دیتی
بادشاہ بنا دیتی اور وہ ایک عظیم حکمراں سمجھا جاتے مگر ان
کی یہ "ہاں" الٰہی منصب اور خداوندی عہدہ کے وقار
کو مجروح کر دیتی، عصمت کی آبرو پامال ہوتی اور نبوی
اعتماد کے بنیاد پر کاری ضرب پڑتی ـــ لہٰذا مولائے
کائنات علیؑ نے سیرت شیخین پر عمل کرنے سے صاف انکار
کر کے آئے ہوئے تخت سلطنت اور مدینہ حکومت کو
جوتیوں کی ٹھوکر رسید کر دی ـــ تو اب کیسے ممکن ہے
کہ حکومت پالینے کے بعد اپنے اس کردار پر آنچ آنے
دیں گے اور معاویہ کو بحال کر کے اپنی عدالت کو داغدار
کریں گے۔ حضرت امیرؑ کی طیب و طاہر زندگی میں ایک لمحہ
بھی ایسا نہیں آیا جس پر عدم حق کا شبہ ہو سکے۔ علیؑ کی
حق پروری و حق پسندی اور حق نوازی شہرہ آفاق ای لیے
ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی [illegible] رعایت کے قائل نہ تھے

علیؑ اور حق!

جناب امیر علیہ السلام حق کے سلسلے میں بے حد سخت اور متشدد تھے۔ اس کا اندازہ خود حضرت عمر کو بھی تھا۔ انھیں یقین تھا کہ علیؑ [illegible] ایک اپنی کھسکنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے

بلکہ وہ دوسروں کو بھی حق کی راہ پر چلانے کے لئے مصر ہیں۔
چنانچہ اپنے مرض موت میں عمر ایک شخص کا جواب دیتے
ہوئے کہتے ہیں کہ:ـ

والذی نفسی بیده لو استخلفتموه لاقامکم
علی الحق وان کرهتم۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۵۸
حیدرآباد)

"واللہ۔ اگر علیؑ کو میرے بعد حاکم بنا دیا جائے
تو وہ تم سب کو حق کے راستے پر کھڑا کر دیں گے چاہے تم
اس کو برا ہی کیوں نہ مانو"

حضرت علیؑ کی اس حق پسندی ہی کی بنا پر حیات رسولؐ
کے بعد مدینہ سرکار نے ان کو خانہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر
مجبور کیا۔ کیوں کہ مدینہ سرکار کو یقین تھا کہ حضرت
علیؑ کو حکومت کے جس شعبہ میں بھی جگہ دی جائے گی وہ
اپنے ماتحتوں کو حق کے راستہ پر چلائیں گے حکومت کی
پالیسیوں کی ان کو کوئی پرواہ نہ ہوگی

محدث مند شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:ـ

اذا تمت العصمة کانت افاعیله کلها حقه
لا اقول انها تطابق الحق بل هی الحق بل الحق
امر ینعکس من تلک الافاعیل کالضوء من
الشمس والیه اشار رسول اللہ ؐ حیث دعا اللہ
لعلی وادر الحق حیث دار ولم یقل ادره حیث
دار الحق۔

(تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲ طبع ۱۹۳۶ء)

"جب عصمت کامل ہوتی ہے تو اس کا ہر کام حق ہوتا
ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کام حق کے مطابق ہوتا ہے بلکہ
وہی حق ہوتا ہے ـــ نہیں بلکہ حق کا صدور ان امور
سے یوں ہوتا ہے جیسے سورج سے کرنیں نکلتی اور پھیلتی ہیں
اور اس کی طرف رسول اللہ نے حضرت علیؑ کے لئے اللہ سے
دعا کی تھی کہ میرے اللہ حق کو وہیں رکھنا جہاں علیؑ ہوں

کے خطوط کو واضح، حق کی راہوں کو روشن اور سیرت نبوی کو زندہ کرسکیں ۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت علیؑ کیا کریں گے؟ اس کا جواب بیعت کے بعد فوراً دیا گیا۔ اپنی حکومت کی پالیسی کا جناب امیر علیہ السلام ان لفظوں میں اعلان فرماتے ہیں :۔

والذی بعثہ بالحق لتبلبلن بلبلۃ ولتغربلن غربلۃ ولتساطن سوط القدر حتیٰ یعود اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم ولیسبقن سابقون کانوا قصروا ولیقصرن سباقون کانوا اسبقوا

(نہج البلاغہ)

قسم ہے اُس خدا کی جس نے محمد مصطفٰےؐ کو رسول بنایا تم لوگ اچھی طرح چھینٹے جاؤ گے اور پوری طرح چھانے جاؤ گے اور دیگ کے اُبال کی طرح تہہ و بالا کئے جاؤ گے یہاں تک کہ تمہارا ادنیٰ اعلیٰ ہو جائے گا اور اعلیٰ ادنیٰ ہو جائے گا اور سبقت کرنے والے جو پیچھے رہ گئے تھے (پھر) بڑھ جائیں گے اور بڑھے ہوئے لوگ پیچھے کو دب جائیں گے۔"

یعنی پورے نظام حکومت، تہذیب تمدن اور پورے اسلامی معاشرہ میں انقلاب آجائے گا اور جو جہاں کا ہے وہیں کر دیا جائے گا۔ حق حقدار تک پہنچا دیا جائے گا۔ یہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنی حکومتی پالیسی کا اعلان نہیں بلکہ تمام باطل پرستوں اور سرمایہ داروں کے خلاف اعلان جنگ فرمایا ہے۔ اس اعلان میں نبوی جاہ و جلال موجود ہے جس طرح اعلان رسالت سے صنادید قریش گھبرا گئے تھے اسی طرح اعلان امامت سے مدینۂ سرکار کی عملداری میں رہنے والے تمام سرمایہ داروں اور زر پرستوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

تخت حکومت پر قدم رکھا اور حق کو حقدار وں تک پہنچانے کی فکر شروع ہو گئی۔ حد یہ ہے کہ ناجائز طور پر حضرت عثمان نے جو جاگیریں اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی تھیں اُن کو بھی واپس لینے لگے اور اپنے مضبوط و مصمم ارادہ کا یوں اعلان فرمایا :۔

" واللہ لو وجدتہ قد تزوج بہ النساء وملک بہ الاماء لرددتہ " (نہج البلاغہ)

" بخدا اگر میں اس (مال خدا) کو (اس حالت میں بھی) پاتا کہ اس سے عورتوں کا نکاح کیا گیا اور کنیزیں خریدی گئیں جب بھی اس کو واپس لے لیتا۔"

صد ہزار افسوس کہ اُمّ المومنین عائشہ اور معاویہ نے بلادِ اسلامی میں ایسا خلفشار پیدا کر دیا کہ حضرت علیؑ جنگوں میں منہمک ہو گئے اور پھر جا بجا تک قتل کی شامی سازشوں نے شمع حیات علیؑ گل کر دی ورنہ سارے حقوق ظالموں سے چھین کر ستم رسیدہ حقداروں تک پہنچائے جاتے اور پھر فدک بھی اولادِ سیدہ زہراؑ کو واپس ملتا۔

دنیوی لحاظ اور سیاسی اعتبار سے درست ہے یہ کہنا کہ کچھ دنوں کے لئے یہی مناسب تھا کہ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دیا جائے جب پورا اقتدار قائم ہو جاتا تو پھر اُس کو ہٹا دیتے۔ یہ رائے اُن لوگوں کی نظروں میں تو وقیع ہو سکتی ہے جو ملک کو عقیم سمجھتے ہیں جو دنیا طلبی ہی کو مقصودِ زندگی بنا چکے ہوں لیکن علی ابن ابی طالبؑ جیسے حق پسند اور انصاف پرور کی نظروں میں اس مشورہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ جب یہ مشورہ جناب امیر کو دیا گیا تو آپ نے فرمایا :۔

ان اقررت معاویہ علیٰ ما فی یدہ کنت متخذ المضلین عضدا

(استیعاب ابن عبد البر جلد ا صفحہ ۲۵۹)

" اگر میں معاویہ کو اُس کی موجودہ جگہ (گورنری) پر بحال رہنے دوں تو اس کا (کھلا) ہوا مطلب یہ ہے کہ میں گمراہوں اور بے دینی پھیلانے والوں کو اپنا قوت بازو بنا رہا ہوں۔"

علی بن ابی طالب علیہ السلام نبوی سیاست کو ایک اُم

"میں اس حدیث کے سلسلے میں کچھ نہ کہوں گا۔" جناب امیر المومنین نے زبیر کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ "جب تک تم یہ نہ بتادو کہ اس کے اندر کون کون ہے۔"

زبیر نے اس حدیث کے ذیل میں آٹھ دوسرے آدمیوں کا نام لے کر نویں نمبر پر اپنا نام لیا ــــ تو حضرت علیؑ نے فرمایا:۔

"یہ نو آدمیوں کے نام ہوئے، دسواں کون ہے؟"

"دسویں تم ہو۔"

"اچھا تو تم کو میرے جنتی ہونے کا اقرار ہے؟" ــ جناب امیرؑ نے زبیر سے سوال کیا۔

"بالکل۔"

"مگر مجھ کو تمھارے جنتی ہونے سے قطعی انکار ہے۔"

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے حدیث عشرۂ مبشرہ کو جعلی و فرضی ہونے کا اعلان میدانِ جنگ میں کردیا جہاں ہزاروں لوگ اس اعلان کو سُن رہے تھے۔

دربارِ مرتضوی میں عرب کو عجم پر، آزاد کو غلام پر، رئیسوں کو غریبوں پر یا گوروں کو کالوں پر کوئی برتری نہیں تھی اس لئے حضرت علیؑ میدانِ جنگ کے بہادروں اور فوجیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے اور اُن سب کو برابر سے مال تقسیم کرتے تھے جب کہ آپ کا حریف معاویہ اور حاکمانِ مدینہ کا انداز اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ کمزور و نادار اور بے اثر لوگوں کی حق تلفی کرکے سرداروں اور با اثر لوگوں کو دے دیتے تھے۔ [illegible] حضرت علیؑ سے ان لوگوں کا یہی مطالبہ تھا جسے عدالت مآب علیؑ نے بپائے حقارت ٹھکرا دیا۔ اُنھیں اس کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ کون میرے ساتھ رہ جائے گا اور کون مجھ سے الگ ہو جائے گا۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس امتیازی تقسیم اور نابرابری کا دستور حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ مرسل اعظمؐ کے عہد معدلت مہد میں بھی تقسیم بالسویہ ہی کا اُصول جاری رہا۔

محافظ دین علیؑ

حضرت علیؑ کو سیرت نبوت اور اسوۂ رسالت کی پابندی ضروری تھی، اُن کو اسلام کے حدود کے اندر رہ کر حکومت کرنی تھی اس لئے اسلام کے قانون کی خلاف ورزی، قانون کے محافظ حضرت علیؑ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ البتہ حاکمانِ مدینہ اور معاویہ کو پوری پوری آزادی تھی کہ وہ اپنے فائدہ پر اسلام کے ہر قانون و دستور کو قربان کرسکتے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ ان لوگوں کی نظروں میں دنیا اور مال دنیا ہی سب کچھ تھا اس لئے اس کو اپنانے اور بچانے کے لئے اسلام کے ہر قانون اور دستور بلا حق و صداقت اور انسانیت و شرافت کو بھی دنیا اور مال دنیا پر قربان کرسکتے تھے ــ مگر جناب امیرؑ دین ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اس لئے وہ بڑی آسانی دین پر دنیا، مال دنیا اور دنیا کے جملہ لوازمات کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپ کی نظروں میں دنیا کی حیثیت بھوسے زیادہ تھی۔

صفین جاتے ہوئے محافظ اسلام علیؑ منزل ذی وقار پر قیام فرماتے ہیں۔ ایک دن ابن عباس کا جناب امیرؑ کے خیمہ کی طرف سے گزر ہوا تو انھوں نے دیکھا حضرت علی علیہ السلام اپنی پرانی اور بوسیدہ جوتیوں کو ٹانک رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے اُن کو دیکھ کر مڑ کر پوچھا۔ "ماقیمۃ ھذا النعل" تمھارے نزدیک ان جوتیوں کی کیا قیمت ہوگی؟

"لا قیمۃ لھا"۔ ابن عباس نے جواب دیا۔ "ان بوسیدہ جوتیوں کی اب کوئی قیمت نہیں ہے۔"

"واللہ لھی احب الی من امرتکم" جناب امیرؑ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم یہ جوتیاں میرے نزدیک تمھاری حکومت (تخت سلطنت) سے بہتر اور اچھی ہیں۔"

"الّا ان اقیم حقا او ادفع باطلا" میں تو اس حکومت کو ٹھوکر مار دیتا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میرے ذریعہ حق قائم اور باطل دفع ہو گا۔" (نہج البلاغہ)

علوی پالیسی

حضرت علی علیہ السلام نے حکومت کو محض اس لئے قبول فرمایا تھا کہ دین

اس کو آپ لے لیں۔"

"مگر قنبر" علی بن ابی طالب علیہ السلام نے سمجھاتے ہوئے نرم لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ "یہ لباس تمہارے لئے مناسب ہے کیوں کہ تم جوان ہو ــــ اور یہ موٹا جھوٹا میرے لئے ٹھیک ہے کیوں کہ میں بوڑھا ہوں۔"

قنبر غلام تھے احساس کمتری کی بنا پر اگر وہ جناب امیرؑ کو آقا سمجھ کر عمدہ لباس پہننے کی صلاح دیں تو کوئی حرج نہیں مگر علیؑ یہ کیسے کہہ دیں کہ اسی لئے تمھیں عمدہ لباس دے رہا ہوں تاکہ تم یہ نہ محسوس کرو کہ ہمارے یہاں غلام کو پست سمجھا جاتا ہے۔ حکیم الٰہی نے قنبر کو ایسا جواب دیا کہ غلامی کا نام تک نہ آنے دیا۔ اور قنبر یہ محسوس بھی نہ کر سکے کہ علیؑ اس طرح مجھے پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں ــــ قرآن حکیم کے قائم کردہ معیار برتری و فضیلت ــــ تقویٰ ــــ کے علاوہ جناب امیر علیہ السلام دوسرے تمام دنیاوی معیار و افتخار کو ناپسند فرماتے تھے۔

خواہ مخواہ کے ناز و افتخار اور فتنہ و فساد سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ایھا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ وعرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ"

(نھج البلاغہ)

"لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات (صبر و صلح) کی کشتیوں سے شق کرو اور مخالفت کے راستوں سے دور ہٹ جاؤ اور فخر و مباہات کے تاجوں کو اتار پھینکو۔"

صلح و آشتی اور امن و امان کی زندگی بسر کرنے کے اصول کو چند فقروں میں پیش کر دیا گیا ــــ صلح و آشتی، جنگ و جدال اور امن و امان کی فضا فتنہ و فساد میں تب ہی تبدیل ہوتی ہے۔ جب بیجا ناز اور خواہ مخواہ کے افتخار پر انسان اکڑتا اور ڈینگیں مارتا پھرتا ہے۔ جن قوموں کو زندگی کے یہ گر یاد ہیں اُن کا ہر قدم ترقی کی طرف اُٹھتا ہے اور جنھوں نے اسے بھلا دیا وہ آج بھی نکبت و افلاس اور ذلت و رسوائی کی گندگی میں ملوث ہیں۔

فتنے تب ہی دب سکتے ہیں جب اُن کو صبر و سکون اور صلح و آشتی کے ذریعہ دبایا جائے اور صلح و آشتی کا راستہ تب ملے گا جب آدمی مخالفت و مخاصمت کے راستہ سے دور ہو جائے۔ ضد اور ہٹ دھرمی، ناز اور غرور فتنوں کو بڑھا تو سکتے ہیں لیکن دبا نہیں سکتے۔

عظیم کردار

اسی لئے طلحہ و زبیر اور اُن کے جیسے سینکڑوں افراد جناب امیرؑ سے جدا ہو گئے آپ کے فوجی اسی لئے آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے کہ اُن کو خاطر خواہ یہاں سے مالی منفعت نہیں ہوتی تھی۔ اب تک وہ جن باتوں کے عادی رہے ہیں وہ چیز حضرت علیؑ کے یہاں اُن کو نظر ہی نہیں آئی۔ یہاں تو ذاتی گفتگو کے موقع پر بیت المال کا چراغ تک گل کر دیا گیا اور جب طلحہ و زبیر نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:۔

"چراغ مسلمانوں کے پیسہ سے جل رہا ہے ذاتی گفتگو میں اس کو جلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

اس واقعہ کے دوسرے ہی دن دونوں بزرگ مدینہ سے رخصت ہو کر مکہ آ کر علیؑ کے مخالف گروہ میں شامل ہو گئے اور بصرہ کی جنگ کے ہیرو بنے۔

میدان جنگ میں جناب امیرؑ اور بھاگتے ہوئے زبیر سے ملاقات ہوئی تو زبیر نے حضرت علیؑ سے شکایت کی:۔

"علیؑ! تم مجھ کو جہنمی کہتے ہو؟"

"اگر میں تم کو جنتی سمجھتا تو جنگ کیوں کرتا" حضرت علیؑ نے زبیر کو جواب دیا۔

"کیا آپ نے حدیث عشرہ مبشرہ نہیں سنی"۔ زبیر نے مرعوب کن لہجہ میں اپنے جنتی ہونے کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی۔

بدولت ضلالت کی گھٹا ٹوپ اندھیری راتوں سے نکل کر ہدایت کی صبح تک پہنچے۔" (نہج البلاغہ)

جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اس دعوی کی حضرت عمر کس عمدگی سے تصدیق فرماتے ہیں ذیل کے واقعہ میں ملاحظہ فرمایئے ـــــ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی شارح نہج البلاغہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے دربار میں ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب امیر علیہ السلام پر دعویٰ دائر کیا۔ آپ وہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر جناب امیر علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے ابوالحسن آپ اپنے مدعی کے برابر آجائیے۔ باہم سوال و جواب ہوا اور مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ بعد فیصلہ جناب امیرؑ اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے مگر غصہ سے آپ کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

"آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہے کیا میں اس کا سبب دریافت کر سکتا ہوں؟" حضرت عمر نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا۔

"ضرور۔"

"کیا مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی جو آپ کو ناگوار محسوس ہوئی ہو"۔ حضرت عمر نے پوچھا۔

"ہاں" جناب امیرؑ نے حضرت عمر کو جواب دیا۔

"آخر وہ کون سی بات ہے؟" حضرت عمر نے تعجب سے پوچھا۔

چونکہ عرب میں کنیت سے معززین کو خطاب کیا جاتا تھا اس لئے حضرت امیر علیہ السلام کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کو اسی کنیت سے خطاب کیا جاتا تھا۔

"تم نے مجھے میرے مدعی کے سامنے میری کنیت سے پکارا جب کہ مدعی کو اس کے نام سے پکارا گیا۔" جناب امیر علیہ السلام نے حضرت عمر کو جواب دے کر ان کی غلطی پر انھیں متنبہ کیا اور یاد دلایا کہ عدالت کے سامنے اسلامی قانون کی رو سے کسی کے ساتھ کوئی رعائت نہیں کرنی چاہیے اور اگر رعایت ہو تو پھر مدعی و مدعا علیہ دونوں اس رعایت کے مستحق ہیں۔

حضرت عمر نے دوڑ کر جناب امیر علیہ السلام کو گلے سے لگا لیا اور پیشانی کا بوسہ دے کر کہا:-

بابی انتم بکم هدانا الله وبکم اخرجنا من الظلمة الی النور

"میرا باپ تم پر قربان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہی ذریعہ ہماری ہدایت کی اور تمھارے ہی ذریعہ ہمیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی منزل تک پہنچایا۔"

اسلامی مساوات! نضیلتوں کی آغوش میں پلنے والے علیؑ کو مساوات

اسلامی کا کس قدر پاس و لحاظ ہے اسی واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے جو اتنی سی نابرابری کو بھی برداشت نہ کر سکے حق ہے کہ اس کو مزدوروں کے حق کا محافظ اور غریبوں کے دکھ درد کا ساتھی سمجھا جائے۔ عدم مساوات کے اس معمولی سے واقعہ پر اپنی شدید برہمی کا مظاہرہ کر کے جناب امیر المومنین علیہ السلام نے آگاہ کر دیا کہ اگر کسی دور میں مہاجر و انصار اور عرب و عجم میں نابرابری کا سلوک روا رکھا گیا تو اس طریقہ کار کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہو گا۔

انسان سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کسی قسم کی کوئی برتری نہیں ہے۔ نہ مہاجرین کو انصار پر نہ عرب کو عجم پر اور نہ آزاد کو غلام پر۔ جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام اس امر میں کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب مولائے کائنات چھوٹا اور موٹا لباس خود اپنے لئے اور عمدہ لباس قنبر کے لئے پسند فرماتے ہیں ـــــ قنبر کہتے ہیں:-

"آقا یہ لباس آپ زیب تن فرمائیں۔"

"نہیں قنبر وہ تم استعمال کرو۔" علیؑ نے جواب دیا۔

"آقا! چونکہ آپ آقا ہیں اور یہ لباس عمدہ ہے اس لئے

کہ گلشنِ اسلام کی بہاروں کا نام ہے علیؑ۔

کعبہ جواب دے گا علیؑ نہ ہوتے تو میں بت خانہ ہوتا عبادت خانہ نہیں بن سکتا تھا۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کا جواب ہو گا۔ رسولِ کبریاؐ کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی اگر علیؑ نہ ہوتے۔ شعب ابی طالب آواز دے گا ہمارے فاقوں میں مزید اضافہ ہوتا اگر علیؑ نہ ہوتے۔ شبِ ہجرت بسترِ نبوت آواز دے گا کفار کا منصوبۂ قتلِ نبوت میں کامیاب ہو جاتے اگر علیؑ نہ ہوتے ___ غزواتِ نبوت سے جواب ملے گا بدر کا معرکہ ہوتا مگر اسلام کا سورما کوئی نہ ہوتا۔ اُحد کی جنگ ہوتی مگر اسلام کا کوئی سادنت نہ ہوتا۔ خندق کی مہم میں کلِ کفر تو ہوتا لیکن علیؑ نہ ہوتے تو کوئی کلِ ایمان نہ ہوتا عمرو سے خود سر کو سرنگوں کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو خیبر کی جنگ میں علم ہوتا مگر کوئی علمدار نہ ہوتا، میدانِ جنگ ہوتا مگر کوئی "رجلِ کرار" نہ ہوتا۔ حنین کا معرکہ ہوتا مگر کوئی غازی نہ ہوتا۔ قرآن آواز دے گا علیؑ نہ ہوتے تو قرآن ہوتا مگر وارثِ قرآن نہ ہوتا۔ سورۂ توبہ پکارے گا علیؑ نہ ہوتے تو سورۂ توبہ ہوتا مگر سورۂ توبہ کا مبلغ نہ ہوتا۔ جنت کا جواب ہو گا علیؑ نہ ہوتے تو جنت ہوتی لیکن سردارانِ جنت نہ ہوتے۔ کوثر ہوتا مگر ساقی نہ ہوتا۔ صحابہ کی صفوں میں سے جابرؓ نکل کر آواز دیں گے علیؑ نہ ہوتے تو مومن و منافق کی معرفت نہ ہوتی طیب الولادت و خبیث الولادت کا فرق نہ معلوم ہوتا۔ عمر کہیں گے علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

جنابِ آدمؑ فرمائیں گے علیؑ نہ ہوتے تو میری توبہ قبول نہ ہوتی۔ جنابِ نوحؑ فرمائیں گے علیؑ نہ ہوتے تو سفینہ طوفان سے ساحل تک نہ آتا۔ جنابِ ابراہیمؑ آواز دیں گے علیؑ نہ ہوتے تو آگ گلزار نہ ہوتی، جنابِ عیسیٰؑ بتائیں گے علیؑ نہ ہوتے تو صغر سنی میں میں گفتگو نہ کر سکتا اور مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے علیؑ نہ ہوتے تو میری لختِ جگر فاطمہؑ مثلِ مریم نا کتخدا رہتی۔ میں مقروض رہ جاتا کوئی قرض کا ادا کرنے والا نہ ہوتا ___ اور اگر علیؑ نہ ہوتے تو میرا جنازہ بغیر دفن رہ جاتا کوئی لاش کا اُٹھانے والا نہ ہوتا ___ اسلام کی پوری تاریخ ہر قدم پر علیؑ علیؑ کہتی نظر آ رہی ہے۔ علی بن ابیطالب علیہ السلام کو اسلام سے ہٹا کر دیکھا جائے تو اسلام کاغذ کی چند سطروں کا نام ہے اور بس غرض کہ علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام کی شخصیت کو ہٹا لینے کے بعد تاریخِ اسلام میں خلا ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اسلام کی تاریخ گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور جب علیؑ کے ساتھ اسلام کو دیکھا جائے گا تو وہ ایک زندہ اور زندگی بخش مذہب نظر آئے گا۔ اسلام کی تاریخ کا تکملہ علیؑ کی ذات سے وابستہ ہے۔

علیؑ منارِ ہدایت

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات سے اسلام سربلند ہوا، کعبہ کا وقار محفوظ رہا۔ رشد و ہدایت کی راہیں کھلی رہیں، قرآن کا پیغام باقی رہا، الٰہی فرمان اور نبوی ارشاد کا بھرم رہ گیا ___ حیاتِ نبوت کے بعد ارتداد و ضلالت کی ایسی آندھیاں چلیں جس میں اچھے اچھوں کے قدم ڈگ گئے۔ لوگوں کے قدم اسلام کے صراطِ مستقیم سے کھسک گئے اور رجعتِ قہقری اختیار کر لی ___ اس دورِ فتن میں مولودِ کعبہ اور جانشینِ نبی اکرم جنابِ امیر علیہ السلام نے علم کی مشعل روشن کر کے بھٹکے ہوئے مسافروں کو راہِ حق دکھائی۔ ان کے کردار کی روشنی میں اسلام کے اصول و ضوابط روشن ہو گئے۔ سیرتِ نبوت اور اُسوۂ رسالت اُجاگر ہو گئے۔ مولائے کائنات جنابِ امیر علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

بنا اهتديتم في الظلماء وتسنمتم العلياء
وبنا انفجرتم عن السرار (نہج البلاغہ)

"تم لوگوں نے ہمارے ہی ذریعہ کفر و جہالت کی تاریکی میں ہدایت پائی اور اسلام کی بلندی تک پہنچے اور ہمارا ہی

راہوں کی ساری دشواریوں کو ختم کر دیا اس لئے پروردگارِ عالم نے شہزادیٔ عرب خدیجۃ طاہرہؑ کے منور سر پر ووجدک عائلًا فاغنیٰ (اے نبیؐ آپ کو تنگدست پاکر کیا ہم نے آپ کو مالدار نہیں بنا دیا) کا جگمگاتا تاج رکھ دیا۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شریکِ حیات ہیں شہزادیٔ نور سیدہ زہراؑ بنت نبیؐ جو خاتونِ جنت اور شفیعۂ روزِ محشر ہیں جن کے سر کا تاج ہے سورۂ ہل اتیٰ اور جن کے گلے کا ہار ہے آیۂ تطہیر ـــــ انھیں کی پاکیزہ نسل اور طیب و طاہر ذریت "اہل البیت" ہے۔ اس گھر کے دستور کا نام قرآن ہے اور آئین کا نام اسلام ہے

صاحبِ خلقِ عظیم کے بعد علی بن ابی طالب کو درسِ اخلاق دینے کے لئے قدرت نے منتخب کیا۔ صاحب علمک ما لم تکن تعلم کے بعد علیؑ ہی کو درس گاہِ نبوت اور دانش کدۂ رسالت کے دستار کے تحفظ کے لئے چنا اور مختارِ مشیت کے بعد علیؑ ہی کو مظہرِ قدرت بنایا۔

امامِ اہلسنت علامہ جلال الدین سیوطی کے قول کے مطابق مختارِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندرونِ خانۂ کعبہ دعا فرمائی تھی۔ ویسی ہی دعا جیسی جناب موسیٰ نے فرمائی تھی ـــــ "پروردگار تو میرے لئے میرے سینے کو کشادہ فرما اور میرا کام میرے لئے آسان کر اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنادے اس کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کردے اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنادے۔" (قرآن مجید)

یہی دعا حضور علیہ السلام نے کی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا حوالہ دے کر دعا فرمائی (درِ منثور ج ۴ طبع مصر ۱۳۱۴ھ صاحب تفسیر ثعلبی نے تو لکھا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے فقرات کہتے کہتے آنحضرت نے فرمایا:۔

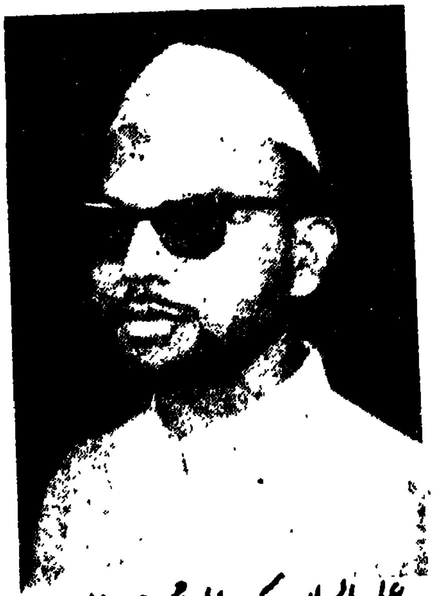
واجعل لی وزیرا من اھلی علیا۔ میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنادے ـــ حدیثِ منزلت گواہ ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے درمیان جناب امیرؑ مثلِ ہارون ہیں اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نہ موسیٰؑ و ہارونؑ کے درمیان کوئی فرق و فاصلہ رہا ہے اور نہ آنحضرتؐ و جناب امیرؑ کے درمیان رہے گا۔ کعبہ میں مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانشین کی دعا کی تھی اس لئے اسی کعبہ میں ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل کو اثرِ دعا کا ظہور ہوا یعنی اندرونِ خانۂ کعبہ مولودِ کعبہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

علیؑ نہ ہوتے تو

اسلام کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیجئے اور پھر بتائیے ـــ علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ اور یہ سوال ایک بار نہیں۔ تاریخ کے ہر موڑ پر اس کو دہرایا جائے گا۔

ـــ علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟

کعبہ سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا ـــ دعوتِ ذوالعشیرہ سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ شعبِ ابی طالب سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، شبِ ہجرت، بسترِ نبوت سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، غزواتِ نبوی سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا قرآن سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ سورۂ توبہ سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ جنت سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، کوثر سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، صحابۂ کرام سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، انبیا سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا اور پھر مرسلِ اعظم سے پوچھئے علیؑ نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ انھیں سوالوں میں اسلام کی پوری تاریخ پوشیدہ ہے۔ اگر آپ کو سوالوں کے جواب مل جائیں اور علیؑ کا نام نہ آئے اور آپ مطمئن بھی ہو جائیں تو سمجھئے کہ حضرت علیؑ بھی ایک مسلمان تھے اور بس اور اگر ہر جگہ ذکرِ علیؑ کے بغیر خاک اُڑتی نظر آئے تو تسلیم کیجئے



اگر علیؑ نہ ہوتے؟

رئیس الواعظین عالیجناب مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ
واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

صاحبانِ ایمان پر پروردگارِ عالم نے یہ عظیم احسان کیا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اُن کے درمیان مبعوث برسالت فرمایا اس عظیم احسان کا تذکرہ خود قرآن حکیم نے بھی متعدد مقامات پر فرمایا ہے —— لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا —— اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں کسی کے احسان مند ہو جائیں تو منطقی طور پر اللہ تعالیٰ ممنونِ احسان ہو جائے گا۔ کیا عجب کہ سرورِ عالم کی پرورش اور کفالت سے لے کر دعوتِ ذوالعشیرہ کی گواہی اور نصرتِ اسلام کے لئے ایک ایسے پاکیزہ خاندان اور طیب وطاہر نسل کا انتخاب کیا گیا۔ آگے چل کر جس کو "اہل البیت" کے عظیم خطاب سے نوازنا مقصود تھا —— اس خاندان کو "اہل البیت" بنانے کے لئے فخرِ خاندان علی بن ابی طالب علیہ السلام کو تعبیر خلیل و ذبیح —— کعبہ محترم —— میں پیدا کیا گیا۔ کسی سالک راہِ خدا سے اگر پوچھا جائے کہ راہِ خدا کی آخری منزل کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی کہے گا کہ "خدا کا گھر" —— یعنی سالکانِ راہِ خدا کے عرفان کی جو انتہا ہے وہ حضرت علی علیہ السلام کی ابتدا ہے۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کے والد محترم جناب ابوطالب علیہ السلام کو مربی نبوت اور کفیل رسالت بنا کر اُن کے سرپر افتخار پر الم یجدک یتیما فاوی (اے نبیؐ ہم نے آپ کو یتیم پاکر کیا پناہ نہیں دی) کا تاج رکھ دیا۔ تیرہ چشم مسلمان جناب ابوطالب علیہ السلام کی شان میں جس قدر چاہے بے ادبی کرے لیکن قرآن حکیم کے صفحات پر یہ آیۂ کریمہ جب تک موجود رہے گی جناب ابوطالب علیہ السلام کی اس رفعتِ شان اور علو منزلت و عظمت کا ڈنکا بجتا رہے گا۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی والدۂ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد علیہا السلام ہیں جن کی آغوشِ محبت میں سرورِ عالم کو ماں کی ممتا کی چاشنی ملی اسی لئے آپ فرمایا کرتے تھے فاطمہ بنتِ اسد میری ماں کے بعد ماں ہیں —— اُمّی بعد اُمّی —— اُن کے کفن کے لئے اپنا پیراہن عطا فرمایا اور رحمتِ عالم دفن کرنے سے پہلے مادرِ علیؑ کی قبر میں لیٹے۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خوش دامن ملیکۃ العرب شہزادیٔ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ ہیں جنھوں نے اپنی ساری دولت مرسل اعظمؐ کے حوالہ کر کے اسلام کی تبلیغ

خانۂ کعبہ میں علیؑ کا ورود

جناب صفدر عباس صاحب سوزخوان قلعہ معلّیٰ محمود آباد

یہ ماہِ رجب اور یہ راتیں، یہ فضائیں ۔۔۔ چھائی ہیں ہر اک سمت مسرت کی گھٹائیں
سبزے پہ مچلتی ہوئی مستانہ ہوائیں ۔۔۔ جیسے کسی بدمست ترنم کی صدائیں
شاعر کی نظر ماہِ دو ہفتہ سے لڑی ہے
بکھرائے ہوئے بال کوئی حور کھڑی ہے

وہ مطربۂ حسن کا دلدوز ترنم ۔۔۔ وہ عشق کے معصوم سے ہونٹوں پہ تبسم
وہ حسرت و ارماں کے سمندر میں تلاطم ۔۔۔ بستی ہی چلی جاتی ہے دنیائے توہم
اک پردہ نشیں اب بھی نگاہوں سے جدا ہے
جذبات کے کاندھوں پہ قیامت سی بپا ہے

ہر نوکِ زباں کلیوں کے فطرت کی کہانی ۔۔۔ سوکھی ہوئی پتی بھی ہے صنعت کی نشانی
یہ کالی گھٹاؤں سے برستا ہوا پانی ۔۔۔ یاد آ گئی ایسے میں مجھے اپنی جوانی
میں سبزۂ نوخیز کی مانند ہرا تھا
دامن مرا فردوس کے پھولوں سے بھرا تھا

سب کچھ ہے مگر دل کسی صورت نہیں لگتا ۔۔۔ اک وہ جو نہیں رنگِ بہاروں کا ہے پھیکا
دن رات بڑے درد سے روتا ہے پپیہا ۔۔۔ کن آنکھوں سے دیکھے کوئی بلبل کا تڑپنا
ان ہجر کے ماروں کو کوئی جلد دوا دے
گر یہ بھی نہ ممکن ہو تو پھر زہر پلا دے

یہ شب کا دھندلکا، یہ فضاؤں کا سسکنا ۔۔۔ یہ رات کا سناٹا یہ تاروں کا چمکنا
سن سن کی صداؤں میں، یہ شاخوں کا لچکنا ۔۔۔ کیا خوب ہوا ایسے میں پھولوں کا مہکنا
مایوسی و ناکامی کا تختہ الٹ جائے
یہ شاعرِ فطرت کی جوانی پلٹ آئے

غنچوں سے عیاں وہ لبِ وحدت کا تبسم ۔۔۔ وہ ہوش ربا آج مؤذن کا ترنم
وہ جام بکف حوروں کا اندازِ تکلم ۔۔۔ میخوار بھلا ایسے میں کیسے رہیں گم سم
امڈی ہوئی میخانے پہ پھر آج گھٹا ہے
ہاں ساقیا ایسے میں پلا دے تو مزا ہے

کعبے میں کھلا وہ گلِ گلزارِ مشیت ۔۔۔ کفار سے پڑھوائے گا جو کلمۂ وحدت
دنیا میں بڑھائے گا یہی دین کی عظمت ۔۔۔ بالیدہ و شاداں نظر آتی ہے رسالت
وہ کون ہے، وہ شیرِ خدا جانِ نبیؐ ہے
مولائے جہاں ساقیٔ کوثر ہے، علیؑ ہے

کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آج بھی لاکھوں انسان دامن مراد بھر کر واپس جاتے ہیں۔ نجف اشرف وہ زمین ہے جہاں ایک سانس لینا چار سال کی عبادت کے برابر ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے جو امیرالمومنین میں ایک روز یا ایک شب رہنا سات سو سال عبادت سے بہتر ہے۔ کیا کہنا ترا اے نجف تو وہ زمین ہے وہ بلند تربت ہے جس کے شوق زیارت میں ہر مومن کا دل تڑپتا ہے تیرے فضائل کہاں تک لکھے جائیں تو وہ زمین ہے جہاں سے ستر ہزار شہید بے حساب جنت میں جائیں گے تیری خاک کے سنگریزے درِ نجف کہلائیں جن پر نظر کرنا عبادت۔ کیا کہنا تیرا تو وہ بقعیہ مبارک ہے جہاں سب سے پہلے عبادت کی گئی اس لیے کہ جب خدا نے ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے پشت کوفہ نجف کی طرف سجدہ کیا۔

ولائے علیؑ

سید جرار حسین صاحب بی اے جرار اکبرآبادی

الفت آل احمدؐ بھی درکار ہے قلبِ انسان میں روشنی کے لیے
میں سمجھتا ہوں واللہ کافی نہیں بس کتابِ خدا زندگی کے لیے
دیکھ کر فاطمہؑ کو بڑھاتے قدم۔ مسکرا کر یہ بولی جبیں حرم
آیئے آیئے فاطمہ آیئے! منتظر ہے مشیت علیؑ کے لیے
منہ کے بل گر رہے ہیں زمیں پر صنم اللہ اللہ یہ معراج جاہ و حشم
بن رہے ہیں حرم میں علیؑ کے قدم باعث ناز دوش نبیؐ کے لیے
شانِ حیدر میں قرآن کی آیتیں ہو کے نازل یہ سمجھا رہی ہیں ہمیں
نامکمل ہے فہرست ایمان کی گر محبت نہیں ہے علیؑ کے لیے
گو پیمبرؐ کے الفاظ پرجوش تھے پھر بھی اصحاب خندق میں خاموش تھے
اُٹھ کے ہر بار حیدرؑ نے سمجھا دیا حوصلہ چاہیے سروری کے لیے
مال دنیا نہیں تو کوئی غم نہیں دل مرا اک شہنشاہ سے کم نہیں
میں نے دامن میں بھر لی ولائے علیؑ اور کیا چاہیے زندگی کے لیے
ہم نے جرار مشکل کشا کہہ دیا اور نصیری نے بڑھ کر خدا کہہ دیا
ذات حیدر میں ہیں وہ کمالات بھی جو ضروری نہیں آدمی کے لیے

سب سے زیادہ تھی اس نے جواب دیا اگر میرے لئے جان کی امان ہو تو اس واقعہ کے راز کو بیان کروں۔

ہارون رشید نے امان دی بڈھے نے کہا یہاں حضرت علیؑ کی قبر مطہر ہے خداوند عالم نے اس کو حرم قرار دیا ہے کوئی ایسا نہیں ہے جو پناہ لے اور اس کو امان نہ ملے یہ سننا تھا کہ ہارون نے فوراً پانی منگوایا وضو کیا نماز پڑھی اور واقعہ سے متاثر ہو کر اس نے سفید پتھر کی قبر اور سرخ مٹی کا قبہ اور مختصر چہار دیواری جس میں چار دروازے بنوائے اس کرامت کو اکثر مورخین نے لکھا ہے ابن خلکان نے وفیات الاعیان دمیری نے حیات الحیوان۔

ابن طاؤس نے فرحتہ الغری، درحافظ نے کفایت الطالب میں اسکے بعد رفتہ رفتہ صحن اور قبہ میں مختلف تبدیلیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ عضد الدولہ بویہی نے جو سنہ ۳۷۱ ہجری جب زیارت کی تو مال کثیر صرف کر کے طرح طرح کے قیمتی جواہرات سے آراستہ کیا جس سے ظاہری شان و شوکت و آرائش میں کافی اضافہ ہو گیا۔

عمدۃ الطالب صفحہ ۴۴ میں ہے یہ عمارت انتہائی خوبصورت تھی جس کے لئے عضد الدولہ نے اوقاف معین کئے تھے۔ قبل اس کے یہ عمارت جلائی جائے ۷۵۵ھ ہجری تک اسکا وجود تھا ابن بطوطہ نے ۷۲۷ ہجری میں اس عمارت کا مشاہدہ کیا تھا (ابن بطوطہ ج [illegible]) اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ ترمیم ہوتی رہی۔ [illegible] قبہ مینار اور ایوان میں ساگونی پتھر لگے ہوئے تھے۔

سلطان نادر شاہ ۱۱۵۶ ہجری میں زیارت کیلئے گیا اور زر کثیر صرف کر کے پتھر نکلوا کر سونا چڑھوایا اور قیمتی تحائف خزانہ علویہ میں رکھے۔

صاحب تاریخ نادری صفحہ ۳۹۲ پر لکھتے ہیں۔ نادر شاہ نے سونا چڑھوانے کا حکم دیا خادموں نے فرمان شاہی کی تعمیل بڑے انہماک کے ساتھ کی۔ اسی زمانہ میں صرف اجرت ۵۰ ہزار توماں کے برابر صرف ہوئی ہر زمانہ میں معجزات و کرامات کا سلسلہ جاری رہا اور صاحبان عقیدت پیدا ہوتے رہے خصوصاً ملوک و سلاطین بہت متاثر ہونے لگے اور ان کے دلوں پر حضرت علیؑ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔

دارالسلام میں ہے ایک مرتبہ سلاطین آل عثمان کا بادشاہ سلطان مراد نجف اشرف کی زیارت کے لئے جا رہا تھا جب چار فرسخ نجف رہ گیا اور اس کی نگاہ قبہ پر پڑی فوراً گھوڑے سے اتر آیا۔

مصاحبین نے پیادہ ہونے کا سبب پوچھا وہ جواب دیتا ہے جب میری نگاہ حضرت علیؑ کے قبہ پر پڑی تو حضرت کی عظمت و ہیبت کے تصور سے میرے اعضا کانپنے لگے اور مجھ میں سواری کی طاقت نہ رہی۔

مصاحبین نے پھر کہا راستہ دور ہے آپ پیدل نہیں چل سکتے بہتر ہے قرآن سے فال دیکھ لیجئے اس وقت بادشاہ نے قرآن کھولا تو پہلے ہی صفحہ پر یہ آیت نکلی فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی

اس وقت آیت کا اتنا اثر ہوا کہ پیادہ برہنہ پا زیارت سے مشرف ہوا۔

کیا کہنا نجف اشرف کا جہاں سکونت و وقار سایہ فگن ہے جہاں روحانیت برس رہی ہے جہاں آفتاب کی کرن سب سے پہلے قبر منورہ پر پڑ کر تشنگان علوم کو تحصیل علم کی دعوت دیتی رہتی ہے جہاں ہر وقت نجف رشتی السیل کا نمونہ ہر وقت آبشار علم سیلابی شکل میں نجف سے رواں رہتا ہے۔

جو خوابگاہ امیرالمومنین ہونے کے علاوہ جناب آدم و نوح جناب ہود و صالح علیہم السلام ہزاروں صدیقین علماء کا مدفن بھی تھے نجف مرکز مشرق عرب العجم نجف مرکز دانشمندان و مفکرین نجف مرکز اساتذہ و طلاب علوم دین نجف ملت جعفریہ کے علماء فقہاء کا مرکز نجف قبلہ گاہ وفود کعبۂ زائرین چاہے امراء ہوں یا غرباء سب کا جبہ سائی

نامی پہلوانوں کی گردنیں جھکادی جس کی ضربت کی شہرت زمین سے آسمان تک تھی جو بھی مقابلہ کے لئے آیا وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو گیا مگر کبھی کسی کو حضرت علی کے مقابلے میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی یہی وجہ تھی کہ خوارج و بنی امیہ کے دلوں میں بغض و حسد کی آگ بھڑک رہی تھی وہ ہر وقت موقع کے متلاشی تھے تاکہ اپنے آباد اجداد کے خون کا بدلہ لیں اگر ان کا بس چلتا تو وہ رحلت کے بعد بھی نہ چھوڑتے حضرت علی کی وفات کے بیس سال بعد ۶۱ھ ہجری کربلا میں عداوت کی جھلک آپ کو نظر آئے گی جس سے اندازہ ہوتا ہے جب امام حسینؑ اتمام حجت کر رہے تھے جب حسین دشمنوں سے اپنی بے گناہی کا کلمہ پڑھوا رہے تھے اس وقت دشمنوں نے حسین کی بے گناہی کے ساتھ ساتھ حضرت علی کی عداوت کا اعلان کیا۔ حضرت علی سے عداوت کی گواہی شام کے دیں گے غیاث الدین فرحۃ الغری صفحہ ۱۰۲ پر لکھتے ہیں۔ شام میں آج تک یوم الجمعہ یوم الذنب مشہور ہے اس لئے کہ بنی امیہ حضرت پر سب وشتم ضروری سمجھتے تھے یہ بات بالکل واضح ہے دشمن جب حق پر نہیں ہوتا ہے تو اپنے فریق مخالف کو ذلیل کرنے کی ہر امکانی کوشش کرتا ہے اس کا نقطۂ نزاع سے دور کا بھی لگاؤ نہ ہو مخالفین چھوٹی چھوٹی احادیث گڑھتے ہیں لاکھوں درہم صرف کرتے تھے فرحۃ الغری صفحہ ۱۰۱ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ا صفحہ ۳۶۱ میں الکافی سے منقول ہے۔

معاویہ نے سمرہ بن جندب کو ایک درہم دیئے تاکہ وہ یہ روایت کرے کہ یہ آیت امیرالمومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ومن الناس یعجبک قولہ فی الحیات الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث و النسل واللہ لا یحب الفساد

اور آیہ ثانیہ ابن ملجم کے لئے نازل ہوئی ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔

روایت بتاتی ہے سمرہ نے ایک لاکھ درہم قبول نہیں کیئے اس کا انکار بڑھتا گیا اور ادھر سے انعام میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ چار لاکھ پر معاملہ طے ہو گیا۔

قبر کا ظہور

۱۶۵ھ ہجری سے آپ کی قبر پوشیدہ رہی سوائے اولاد امام اور خواص کو کسی کو علم نہ تھا یہاں تک کہ بنی امیہ کا پر آشوب زمانہ گذرا منتخب التواریخ صفحہ ۵۸ پر ہے جب امام جعفر صادق علیہ السلام مقام حیرہ میں وارد ہوئے تو آپ نے شیعوں کو قبر کا نشان بتایا۔ قبر مطہر پر پہلی عمارت بنی عباسیہ کے پانچویں خلیفہ ہارون رشید نے ۱۷۵ھ ہجری میں بنوائی جیسا کہ ریاض السیاحہ صفحہ ۳۶ میں ہے لیکن نزہۃ القلوب صفحہ ۱۳۴ میں ہے کہ یہ عمارت ۱۶۵ھ ہجری میں بنی لیکن بہرحال اتنا مسلم ہے کہ پہلی عمارت ہارون رشید نے بنوائی جس کا سبب ظہور کرامت ہے جس کا ذکر عمدۃ الطالب کے صفحہ ۴۳ پر ہے خلاصہ یہ ہے ایک مرتبہ ہارون رشید کوفہ کی بستی کی طرف ہارون رشید شکار کے لئے نکلا باز اور کتوں کو ہرن کے پیچھے دوڑایا تھوڑی دیر تک کتے ہرن کو پیچھے [illegible] مگر جب [illegible] نے ایک جگہ جھاڑیوں میں پناہ لی تو باز اور کتے آگے نہ بڑھ سکے اور واپس چلے آئے مگر جب ہرن دوبارہ نکلی تو شکاری کتوں نے پھر پیچھا کیا پھر ہرن نے اسی جگہ پناہ لی اور کتوں کے قدم آگے نہ بڑھ سکے جب متعدد بار ایسا ہی ہوا تو ہارون رشید کے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ آخر کیا بات ہے کس چیز نے کتوں کے قدم آگے بڑھنے سے روک دیئے اس نے قبیلہ بنی اسد کے ایک بڈھے سے سوال کیا جس کی عمر

اور فاطمہ کو علیؑ کے لئے ۔ ابن عباس کہتے ہیں آپ کو
مرتضیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ تمام امر میں مرضی خدا او
رسول کا پیروی کرتے تھے ۔

وفات

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شب جمعہ ۱۹ ر
رمضان المبارک آپ کے سر اقدس پر عبدالرحمٰن ابن ملجم
نے ضربت لگائی جس کے سبب سے آپ کی شہادت ۲۱ رمضان
سنہ ۴۰ ہجری کوفہ میں ہوئی بنا برمشہور ۶۳ سال کی عمر میں
آپ نے رحلت کی ۔

مدفن

۲۱ رمضان کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت
حاصل ہے یہ وہ قیامت کی صبح تھی جب ارکان ہدایت
منہدم ہوگئے اسلام اپنی بے کسی پر نوحہ کناں تھی حسنین
یتیم ہوگئے بچوں کے سر سے شفیق باپ کا سایہ اٹھ گیا
صاحبزادوں نے اپنے پدر بزرگوار کو پشت کوفہ سرزمین نجف
میں دفن کیا نجف ایک سطح بلند ہے جو کوفہ کی مغربی جانب
تقریباً ۴ میل کے فاصلہ پر واقع تھا مگر آج چونکہ آبادی
دونوں طرف سے بڑھ رہی ہے اس لئے فاصلہ کم ہے
علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں
لکھتے ہیں وہ اجماع اور تواتر اس امر پر ہے کہ امیرالمومنین
مقام غری میں دفن ہیں جو آج کل عوام و خواص کی
زیارت گاہ ہے ۔ النقیب غیاث الدین عبدالکریم
بن طاؤس المتوفی سنہ ۶۹۳ ہجری نے اپنی تالیف
فرحۃ الغری المتوفی فی قبر امیرالمومنین میں تمام اخبار
متواترہ کو جمع کیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ کا
مدفن نجف اشرف ہے ۔ نجف کے مختلف اسماء میں بعض
کا ذکر خاص کر اخبار اہلبیت میں ملتا ہے جیسے طور، ظہر

جودی، ربوہ .... وادی السلام وغیرہ لیکن
لسان ائمہ طاہرین علیہم السلام میں زیادہ تر نجف غری
اور مشہد کے الفاظ ملتے ہیں شیخ صدوق علیہ الرحمہ
نے علل الشرائع مطبوعہ ایران صفحہ ۲۲ باب ۲۶ میں
وجہ تسمیہ کے ذیل میں یہ روایت لکھی ہے امام جعفر صادق
علیہ السلام سے منقول ہے نجف ایک بہت بڑا پہاڑ تھا
جس کے متعلق جناب نوح کے بیٹے نے کہا تھا ساوی الی جبل
یعصمنی من الماء وحی ہوئی یا جبل المقصح بک منی
فوراً وہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باریک خاک ہوگیا
اس کے بعد ایک بہت بڑا دریا ہوگیا جسکو نی کہتے
تھے پھر وہ خشک ہوگیا تو لوگ نی جف کہنے لگے پھر
چونکہ یہ زبان پر ثقیل تھا اس لئے رفتہ رفتہ کثرت
استعمال سے نجف ہوگیا تاریخ عراق میں نجف کہنے کی
وجہ یہ لکھی ہے چونکہ نجف بلند جگہ پر واقع ہے جس کی
بلندی ۳۵ گز سے کسی طرح کم نہیں ہے اور نجف لغت
میں وادی کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو بلند ہو۔

قبر کے مخفی ہونے کی وجہ

حیات الحیوان میں ہے حضرت نے وصیت کر دی تھی کہ قبر مطہر مخفی
رہے اس لئے آپ بنی امیہ سے مطمئن نہ تھے بنی امیہ
کا تقلابی دور انسانیت سوز حرکات آپ کے پیش نظر تھے
اس کے علاوہ قبر کے مخفی ہونے میں بے شمار مصالح
مضمر تھے ۔ خاندان رسالت سے بنی امیہ کو جو عداوت
تھی اس سے ہر تاریخ دان بخوبی واقف ہے جس کی گواہی
تاریخ کی عبرتناک داستانیں دیں گی سید الشہداء کی
قبر پر جو واقعات رونما ہوئے اس سے کوئی شخص انکار
نہیں کرسکتا ۔ حضرت علیؑ نے چونکہ میدان کارزار میں
بڑے بڑے شجاعان عرب کو تہہ تیغ کیا جن کی بہادری کا
کا دنیا کلمہ پڑھ رہی تھی جس کی ضربت نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

رجلا من الانصار وکنتم اذجاء علیؑ
فقال من ھذا یا انس فقلت علیؑ فقام
مبتشرا فاعتنقہ۔
رسالتمآب نے فرمایا اے انس پہلا وہ شخص جو اس
دروازے سے داخل ہوگا وہ امیر المومنین سید المسلمین
قائد الغر المحجلین۔ اور خاتم الوصیین ہوگا۔
انس کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا خدا کرے
اس وقت انصار سے کوئی شخص آجاتے اتنے میں علی آگئے
پیغمبر نے پوچھا کون ہے جواب دیا علی۔ رسالتمآب فوراً
خوش ہو کر کھڑے ہو گئے اور معانقہ کیا۔ اس روایت
کو اکثر مورخین نے لکھا ہے ینابیع المودہ صفحہ ۱۲۵
کفایۃ الطالب صفحہ ۔۔ تاریخ ابن قتیبہ صفحہ ۱۴۱
جس میں تصریح کی ہے کہ حضرت امیر المومنین میں ابوبکر نے
بھی اس لقب کا اقرار کیا ہے لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد
یہ لقب ہر اس شخص کو دیا جانے لگا جو مدعی خلافت ہوا۔
اگرچہ اس لقب کا اطلاق جب ہوتا ہے فوراً حضرت کی
ذات سمجھ میں آجاتی ہے۔

وصی

یہ لقب رسالتمآب نے اس لئے دیا تاکہ لوگوں کو معلوم
ہو جائے کہ آپ نبی کے قائم مقام ہیں پیغمبر نے اپنی زندگی
میں مختلف عنوان سے جانشینی کا اعلان و اظہار کر دیا
تھا لیکن وفات کے بعد مخالفت شروع ہوگئی اور مسلمانوں
نے سقیفہ میں بیٹھ کر اپنا خلیفہ آپ بنا لیا۔

ولی

یہ لقب بھی قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔
خداوند عالم فرماتا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ
والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و
یوتون الزکوۃ وھم راکعون۔
تمام مفسرین کا اجماع ہے یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام
کی شان میں نازل ہوئی جو آپ کی ولایت کو ثابت کر رہی
ہے استیعاب جز ثالث صفحہ ۲۰ میں ہے رسالتمآب نے
امیر المومنین سے فرمایا انت ولی کل مومن بعدی

امین

یہ لقب رسالتمآب نے دیا جیسا کہ ذخائر العقبی صفحہ ۷۰
میں ہے رسالتمآب نے فرمایا انما انت یا علی
انت صفی وامینی۔ آپ نے جب مدینہ سے ہجرت
کا ارادہ کیا تو امیر المومنین کو امین کی حیثیت سے رہنے
کا حکم دیا تاکہ لوگوں کی امانتیں ان تک پہونچا دیں۔

ہادی

یہ لقب بھی قرآن میں موجود ہے۔ انما انت منذر
ولکل قوم ھاد رسالتمآب نے فرمایا انا المنذر
وعلی الھادی وبک یا علی یھتدی
المھتدون۔ میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہادی
اے علی تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے

بیضۃ البلد

یہ لقب آپ کے والد بزرگوار نے دیا۔

مرتضیٰ

ابن صباغ فصول میں صفحہ ۳۰ پر لکھتے ہیں مرتضیٰ لقب
دینے کا سبب یہ ہوا ایک مرتبہ جبرئیل پیغمبر کے پاس آئے
اور کہا یا محمد ان اللہ تبارک وتعالی اللہ ارتضی
علیا لفاطمۃ وارتضی فاطمۃ لعلی
اے محمد خداوند عالم نے علی کو چن لیا فاطمہ کے لئے اور

کنیت

(۱) لوگ آپ کو ابوالحسن اور ابوالسبطین کہا کرتے تھے ابوالحسن آپ کی مشہور ترین کنیت ہے امام حسین بھی آپ کو ابوالحسن کہتے تھے۔

(۲) اور امام حسن آپ کو اباالحسن کہتے تھے۔

(۳) رسالتمآب آپ کو اباالریحانتین بھی فرماتے تھے (مراد حسنین علیہما السلام ہیں) ذخائر عقبیٰ صفحہ ۵۶ میں امام احمد سے مروی ہے رسالتمآب نے فرمایا۔

السلام علیک یا اباالریحانتین۔

ابوتراب

وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے چونکہ اختصار مدنظر ہے اسلئے تمام وجوہ نہیں، ذکر کیے جائیں گے۔ بخاری کی روایت کی بنا پر رسالتمآب نے علی کو مسجد میں سویا ہوا پایا آپ کے پہلو پر خاک اڑکر جم گئی تھی۔ پیغمبر نے خاک کو جھاڑتے ہوئے فرمایا قم یا اباتراب اسی روایت کو مختلف الفاظ کے ساتھ علامہ محب الدین طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں ذکر کیا ہے لیکن سید صدر نے اس کی توجیہ یوں کی ہے ابوتراب کثرت عبادت وصلوٰۃ کی طرف کنایہ ہے اس لئے کہ زمانہ سابق میں مسلمان مٹی پر سجدہ کیا کرتے تھے امیرالمومنین کی پیشانی پر کثرت سجود کی وجہ سے مٹی لگی ہوتی تھی اس لئے پیغمبر نے قم یا اباتراب فرمایا یہ معنوں میں تم اکثر العباد کے ہے۔

یہ توجیہ مناسب تر ہے اسی رائے کی علامہ ابن ابی الحدید کی تحریر سے بھی ہوتی ہے وہ صفحہ ۲ جزو اول شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں پیغمبر نے امیرالمومنین سے فرمایا۔ اجلس انما انت ابوتراب۔

امیرالمومنین اس کنیت کو زیادہ پسند فرماتے تھے

القاب

آپ کے القاب بکثرت ہیں جو آپ کے شرف ومنزلت کا واضح ثبوت ہیں بعض کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) صدیق اکبر۔ رسالتمآب برابر دیکھتے تھے کہ میرے ہر قول کی تصدیق علی اپنے قول فعل سے کرتے تھے اسلئے آپ نے یہ لقب دیا۔

(۲) فاروق۔ اس لئے کہ آپ حق وباطل میں امتیاز کرتے تھے۔

(۳) یعسوب۔ دراصل شہد کی مکھیوں کے سردار کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یعسوب کا اطلاق سید اور ہر اس شخص پر ہونے لگا جو قوم کا سردار اور بزرگ ہو۔ ابوذر سے مروی ہے رسالتمآب نے علی کو مخاطب کرکے فرمایا انت الصدیق الاکبر وانت الفاروق الذی یفرق بین الحق والباطل وانت یعسوب الدین۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ابوالحسنین کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ انت یعسوب المومنین وقائد الغر المحجلین ایک روایت میں ہے رسالتمآب نے فرمایا ھذا یعسوب المومنین

(۴) امیرالمومنین۔ یہ آپ کا مشہور لقب ہے ابن عباس سے مروی ہے رسالتمآب فرماتے ہیں ما انزل اللہ فی القرآن آیۃ یقول فیھا یاایھا الذین آمنوا الا وعلی رئیسھا و امیرھا۔

خداوند عالم نے کوئی ایسی آیت نازل نہیں کی جس میں یاایھا الذین آمنوا سے صاحبان ایمان کو مخاطب کیا ہو مگر یہ کہ علی ان کے رئیس وامیر ہیں اس کے علاوہ دوسری حدیث اس سے بھی زیادہ صریح ہے یاانس اول من یدخل علیک من ھذا الباب امیرالمومنین وسید المسلمین قائد الغر المحجلین وخاتم الوصیین قال انس قلت اللھم اجعلہ

حضرت علیؑ کی خواب گاہ نجف اشرف

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صالح صاحب قبلہ مجتہد
پروفیسر جامعہ سلطانیہ لکھنؤ



ولادت

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں حضرت کی ولادت باسعادت بروز جمعہ ۱۳ ماہ رجب المرجب ۳۰ سال عام الفیل گزرنے کے بعد خانہ کعبہ میں ہوئی۔ حضرت کی ولادت کو اس اعتبار سے ایک خاص اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے اس لئے کہ آپ اشرف اماکن اشرف بقاع اشرف مواضع مکہ معظمہ اشرف مواضع مسجد اور سید ایام شہر حرام خانہ کعبہ ملتی ہوئی سوائے امیرالمومنین کے دوسرا کوئی کعبہ میں پیدا ہوا

اسماء

چونکہ ولادت کے بعد ہی سے آثار شجاعت ظاہر ہونے لگے اور آپ کو انتہائی طاقت ور پایا اس لئے والدہ گرامی نے آپ کا اسم گرامی حیدر رکھا حیدر اسد کے ناموں سے ہے یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے اسلئے کہ آپ سبط اسد ہیں کلۃ اژدر کے دو ٹکڑے کر دینا آپ کی شجاعت کا معمولی کرشمہ تھا۔

عربی ماحول کو دیکھتے ہوئے حیدر نام رکھنا کوئی حیرت کی بات نہ تھی اس لئے کہ آپ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد عربیہ و قرشیہ تھیں فصاحت و بلاغت و شجاعت عربوں کے موروثی صفات ہیں جس میں خاندان قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا خصوصیت سے زمانہ جاہلیت میں شجاعت پر فخر کیا جاتا تھا جس کا تذکرہ قصائد میں ملتا ہے۔ خود امیرالمومنین جب عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے آتے ہیں تو آپ نے اس نام پر فخر کیا ہے انا الذی سمتنی امی حیدرہ

(۲) جناب ابوطالب چاہتے تھے کہ ایک ایسا نام رکھا جائے جو اس مولود کی شایان شان ہو اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ فرزند مستقبل میں بڑی شخصیت کا مالک ہوگا۔

شیخ البطحا اسی فکر میں تھے کہ ایک ایسا نام رکھوں جو اسلام کی تاریخ کے افق پر آفتاب بن کر چمکے اس وقت خداوند عالم نے آپ کو الہام کیا اس مولود کا نام علی رکھو یہ نام آپ کے مشہور اسماء سے ہے جو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں مشہور تھا۔ آپ زمین و آسمان میں علی ہیں۔ یہ علو سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں اور واقعاً اسی نام نے اسلام کی تاریخ کو بلند کر دیا اگر اسی نام کو علیحدہ کر دیا جائے تو پھر تاریخ اسلام ادھوری رہ جائے گی۔

پڑھو درود سناتا ہوں مطلع ثانی
جو ہو حسینؑ نفر و لا آب آب ہو جائے

دعا خلیلؑ کی ہے مستجاب ہو جائے
جمال ختم رسلؐ بے نقاب ہو جائے

نبیؐ کی گود ہی میں انتخاب ہو جائے
قدم زمیں پہ نہ ہوں بوترابؑ ہو جائے

کوئی عرب کے خداؤں میں ہے جو آج کے دن
نصیریوں کے خدا کا جواب ہو جائے

جبین کعبہ جھکی ہے بتوں کی کیا ہستی
ملک کی تاب نہیں باریاب ہو جائے

اسی کو اذن ملاقات ہے جو آج کے دن
شریک نور رسالتمآبؐ ہو جائے

ٹھٹک رہا ہے وہ بنت اسدؑ کی گود کا شیر
کہاں ہے آئے تصدق شباب ہو جائے

نظر کرے تو ذرا بازوئے علیؑ پہ کوئی
شبک نگاہ میں خیبر کا باب ہو جائے

شکستِ جیش کی خبر دے رہی ہے دنیا کو
جو موج سامنے آئے حباب ہو جائے

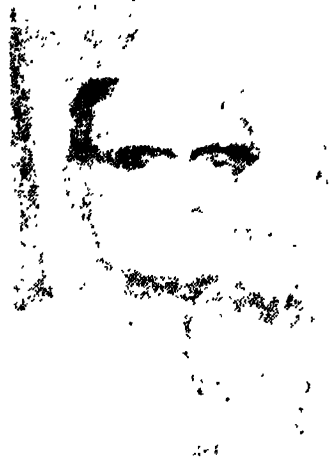
اشارہ ابروؤں کا ذوالفقار بن جائے
جو کہہ دے منہ سے خدا کی کتاب ہو جائے

نبیؐ ہی سمجھے گی دنیا اسے خدا کی قسم
اگر نبیؐ کی جگہ محو خواب ہو جائے

علیؑ نبیؐ کی جگہ اور نبیؐ علیؑ کی جگہ
یہ ایک رات میں سب انقلاب ہو جائے

شکست کہتے ہیں کس کو شکست کیا شئے ہے
جو نام لے لے کوئی کامیاب ہو جائے

مری حیات کا حاصل یہی ہے اے کاظم
متاع حبّ علیؑ دستیاب ہو جائے



آغوشِ بنتِ رسولؐ میں شیرِ خدا

(جناب حکیم محمد کاظم صبا بنارسی)

شکستِ توبہ بہ جامِ شراب ہوجائے
گناہ آج بہ رنگِ ثواب ہوجائے

جو دیکھنی ہو تمھیں میرے ظرف کی وسعت
اٹھا لو ہاتھ میں ساغر حباب ہوجائے

سرور و کیف کا عالم ارے معاذ اللہ
گلوں پہ قطرۂ شبنم شراب ہوجائے

حیات دوڑ رہی ہے ہر ایک ذرہ میں
اجل سے کہہ دو ذرا محوِ خواب ہوجائے

یہ کہہ رہا ہے مقدر سیاہ بختوں کا
سیاہی شبِ غم آفتاب ہوجائے

مسرتوں کا تقاضہ ہے سوزِ پنہاں سے
سکوں کی شکل میں ہر اضطراب ہوجائے

جفا کو ڈھال دے کچھ یوں وفا کے سانچے میں
وہ خواب اور یہ تعبیرِ خواب ہوجائے

یہ ذوق و شوق بڑھیں یوں حیات کی موجیں
عروسِ موت سمٹ کر حباب ہوجائے

کچھ اس ادا سے چھلک جائے دل کا پیمانہ
ہر ایک سانس میں اک انقلاب ہوجائے

پلا دے ساقیا وہ مے کہ جس کے پیتے ہی
ہمارا جوشِ ولا کامیاب ہوجائے

خودی نثار ہو خود بیخودی کے عالم پر
جو ایک مطلعِ نو لاجواب ہوجائے

مذہب میں جائز و صحیح ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صفت کے دو طریقہ ہوتے ہیں ایک کا تعلق صرف ذات سے ہوتا ہے اور ایک حدود ذات سے ماورا ہوتی ہے۔ انسان جاہل پیدا ہوتا ہے۔ عاجز پیدا ہوتا ہے خاموش پیدا ہوتا ہے لیکن غیر انسان نہیں پیدا ہوتا یہ صفت بہر حال اس کے ساتھ رہتی ہے اور ہر وقت رہتی ہے بلکہ ناقابل جدائی بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صفت قابل جدائی بھی ہوتی ہے اور ناقابل جدائی بھی ذات سے الگ بھی ہوتی ہے اور ذات سے متحد بھی فرق صرف یہ ہے کہ ذات سے متحد صفت در حقیقت ذات ہی ہوتی۔ یہ صفت اسے فرض کر لیا جاتا ہے۔ ورنہ ذات سے ہٹ کر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

انسانیت انسان کے علاوہ کوئی مفہوم نہیں ہے

جیسے علم و قدرت پر قیاس کیا جا سکے۔ رب العالمین کے یہاں ذاتی کمالات کو اس طرح سمجھنا چاہیئے جس طرح انسان کے یہاں انسانیت کو سمجھا جاتا ہے وہ با کمال ہے لیکن اس کا کمال انسان کی انسانیت کی طرح ذاتی بلکہ عین ذات ہے۔ انسان کی ذات سے صرف انسانیت کا اندازہ ہوتا ہے اور مالک کی ذات سے علم۔ قدرت، حیات جیسے جملہ صفات کمالیہ کا استخراج ہو سکتا ہے جو علمی اصطلاح میں صفات کہے جائیں گے لیکن حقیقی اعتبار سے عین ذات ہوں گے اور بس۔

"لشهادة كل موصوف انه غير الصفة و شهادة كل صفة انها غير الموصوف فمن وصفه فقد قرنه و من قرنه فقد ثناه و من ثناه فقد جزاه و من جزاه فقد جهله"

حضرت علیؑ کا خط

معاویہ گورنر شام کے نام

جو آغاز خلافت میں شام کے گورنر معاویہ بن ابی سفیان کو لکھا

اللہ کے بندے علیؑ امیر المومنین کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام

اَمَّا بَعْدُ

تم اپنے خاندان کے بارے میں میرا عذر جانتے ہو۔ اور اپنے خاندان کے معاملے میں میری بے گناہی کی بھی تمہیں پورا علم ہے۔ یہاں تک کہ وہ واقعہ پیش آنے والا ہی تھا اور جسے روکا نہیں جا سکتا تھا۔ بات لمبی ہے۔ گفتگو بہت ہے۔ مگر جو ہو چکا ہو چکا اور جو سامنے آنے والا تھا سامنے آگیا اب تم پر ضروری ہے کہ لوگوں سے میری بیعت لو اور اپنے آدمیوں کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ۔

تھا اس اصول و قوانین انسانی ذہن سے اتنا قریب تھے کہ انھیں ایک معمولی دماغ کا انسان بھی ذرا رہنمائی سے سمجھ سکے اور قبول کر سکے۔

توحید ایسا ہی ایک تصور ہے جسے عقل و ادراک کی رہبری اور رہنمایان عقل و مذہب کی ادنیٰ راہنمائی سے حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اخلاص و نفی صفات کے مسائل ایسے آسان نہیں ہیں ان کے ادراک کے لیے اعلیٰ صلاحیت اور فلسفیانہ استعداد درکار ہے، صفت و موصوف کے فلسفہ کا سمجھنا ضروری ہے۔ دونوں کا باہمی رابطہ کا ادراک ضروری ہے اور پھر یہ فیصلہ کرنا ناگزیر ہے، کہ صفت کے زائد بر ذات ہونے کے مفاسد و عیوب کیا ہیں!

یہ تمام باتیں مذہب کو مطلوب ہیں ان کا علم ایک باشعور مذہبی انسان کے لیے ضروری ہے لیکن انھیں اصول میں شمار نہیں کیا جا سکتا ورنہ انسانی دنیا کا اکثر و بیشتر حصہ اصول سے محروم ہو جائے گا اور ذہنی طور پر اصول سے محروم ہو جانے والا عملی طور پر مذہب کے قوانین کو نہیں اپنا سکتا اور نتیجہ کے طور پر وہ اصلاح عالم کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا جس کی تحقیق و ایجاد کے لیے مذہب نے اس کرۂ ارض پر قدم رکھا تھا۔

توحید کے تصور میں بھی مختلف مدارج پائے جاتے ہیں کبھی توحید عدد کے اعتبار سے ہوتی ہے جہاں ایک کے بعد دوسرے کا امکان بہر حال رہتا ہے کبھی جنس و نوع کے اعتبار سے ہوتی ہے جہاں ایک ایک جنس اور ایک ایک نوع میں ہزاروں افراد پائے جاتے ہیں۔ کبھی ترکیب و تالیف کے اعتبار سے ہوتی ہے جہاں چند اجزاء کو یکجا کر کے ایک بنا لیا جاتا ہے —— ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی وحدت واقعی وحدت نہیں ہے۔ جسے وحدت تسلیم کر لیا جائے وہی وحدت ہے اور جس کا تجزیہ کر لیا جائے اس کی وحدت پاش پاش ہو جاتی ہے اسلام نے تصور وحدت میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ کسی قسم کی دوئی، زوجیت ترکیب وغیرہ نہ پیدا ہونے پائے ورنہ وہ وحدت صرف فرضی ہوگی اور اس کی پشت پر ایک کثرت کام کر رہی ہوگی جو وجود کے استقلال اور عالم کی ایجاد کو روک دینے کے لیے کافی ہے۔ "کمال توحید الاخلاص لہ و کمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ" توحید کا کمال اخلاص اور اخلاص کا کمال نفی صفات میں ہے۔

صفت موصوف سے الگ اور مغائر ہوتی ہے اور دونوں یکجا ہو کر ایک مجموعہ کو تشکیل دیتے ہیں اور مجموعہ استقلال کو فنا کر دینے کے لیے کافی ہے جو ایجاد کائنات کے لیے شرط اول کی حیثیت رکھتا ہے۔

صفت کو [illegible] اور ترکیب کا تصور دوئی پیدا کرتا ہے —— دوئی تجزیہ کی طالب ہے جہاں دونوں میں ایک جزء مشترک اور ایک جزء وجہ امتیاز ہوتا ہے اور تجزیہ اس اصلی تصور وحدت کو بھی گم کر دیتا ہے جو عقل نے فطرت کے سہارے قائم کیا تھا۔

تصور وحدت فنا ہوتا ہے تو خالق مخلوق نما بن کر ذہن میں آتا ہے تو انسان اشارہ کرنے لگتا ہے اشارہ سے محدودیت پیدا ہوتی ہے اور کبھی اسے آسمان کے نیچے سوچتا ہے کبھی آسمان کے اوپر —— کبھی آغاز وجود پر غور کرتا ہے کبھی طرز ایجاد پر —— اور اس طرح وہ پورا نظام معرفت درہم برہم ہو جاتا ہے جسے مذہب نے فرض عینی اور عقل نے لازم ولابدی قرار دیا تھا۔

توحید کے لیے ایسے تمام تصورات کا اجمالی طور پر ذہن سے الگ [illegible]

[illegible]

معرفت [illegible]

اب سوال صرف یہ ہے کہ جب صفت کا اضافہ اتنے علمی مشکلات پیدا کرتا ہے تو کیا خدا کو تمام صفات سے عاری مان لیا جائے اور کیا ایسا ماننا [illegible] نگاہ

فطرت کی آواز دبائی نہیں جا سکتی، جبلت کے تقاضوں کو پامال نہیں کیا جا سکتا، وجدان کے فیصلہ کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ انسان کو چاروناچار اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ "گویا درون پردہ صد رنگ کائنات ایک کارساز ذہن ہے اک باشعور ذات"۔

دین نے اسی فطرت کی آواز اور وجدان کے فیصلہ کو اپنی عمارت کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ "اول الدین معرفتہ" آغاز دین معرفت الٰہی ہے لیکن صرف اتنی معرفت کافی نہیں ہے جو تقاضائے فطرت و جبلت ہے۔ اتنی معرفت تو تمام باشعور مخلوقات میں مشترک ہے اتنا ادراک تو حیوانات میں بھی ہے۔ پھر انسان کا نقطہ امتیاز کیا ہے؟ اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی سند کیا ہے؟

ضرورت ہے کہ اس معرفت پر جلا کی جائے اس تصور کو ابھارا جائے۔ اس خاکہ میں رنگ بھرا جائے اور اسکے نقوش کے دھندلکے کو مٹایا جائے لیکن یہ کیونکر ہو؟

اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تصور کو تصدیق سے بدلا جائے۔ تصور جملہ باشعور مخلوقات میں مشترک ہے، مفرد معلومات ہر ذی شعور کا حصہ ہیں تصدیق استدلال چاہتی ہے اسے ترتیب معلومات کی ضرورت ہے وہ تمہید مقدمات اور استنباط نتائج کا تقاضا کرتی ہے اور تمام باتیں عقل کے استعمال ہی سے ہو سکتی ہیں جو اشرف المخلوقات کا نقطہ امتیاز ہے۔ کمال عقلی و ذہنی تو ادراک تصور نہیں ہے بلکہ تصدیق بھی ہے "کمال معرفتہ التصدیق" معرفت کا کمال تصدیق ہے۔

تصدیق کے مراحل کا طے کر لینا اور اسکے مقدمات کا فراہم کر لینا پھر آسان ہے مقدمات فطرت سے قریب اور مبادی وجدان سے ہم آہنگ ہیں لیکن یہ طے کرنا دشوار ہے کہ کس بات کی تصدیق کی جائے تصور میں کیسا رنگ بھرا جائے اور خاکہ کے نقوش کو کیونکر ابھارا جائے؟ اس کیلئے بھی عقل کے ادراک اول پر زور دینا پڑے گا اور یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ جس فطرت نے تصور صانع کی طرف متوجہ کیا تھا اس کا تقاضا کیا تھا؟ ایسی صنعت کا صانع کیسا ہو سکتا ہے؟ تخلیق کائنات کا کام بے نیاز کے ہاتھوں انجام پائے گا یا محتاج و نیازمند کے ہاتھوں؟ بے نیازی کی ضرورت ہے تو بے نیاز ایک ہوگا یا ایک سے زیادہ ہو کر بھی ایک دوسرے سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔ یہی فیصلہ عقل کا کمال اور مذہب کی معراج ہے "کمال التصدیق به توحیده" تصدیق کا کمال یہ ہے کہ اسے واحد و یکتا مانا جائے اس کا کوئی شریک و سہیم تسلیم نہ کیا جائے شرکت، انفرادیت و استقلال کو ختم کر دیتی ہے اور غیر مستقل کائنات کو ایجاد نہیں کر سکتا۔

اسلام نے اپنے اصول دین و مذہب میں اسی توحید کو پہلی اصل قرار دیا ہے جس کا ایک واضح راز یہ ہے کہ اسکے قبل کے مراحل تصور و تصدیق صرف فطری یا قریب الفطرۃ تصورات ہیں جن میں ہدایت مذہب اور ارشاد دین کی تقریباً کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی خاص عقل و فکر کے استعمال ہی کی ضرورت ہے اور مذہب اسلام صرف فطرت کی آواز دہرانے نہیں آیا تھا۔ بلکہ انسانی عقلوں کو بیدار کر کے انھیں دعوت فکر و نظر دینے آیا تھا۔

توحید کے بعد کے اعلیٰ مراتب بھی اصول مذہب میں شامل نہیں کئے گئے اور ان کے بغیر بھی انسان کو حدود مذہب میں شامل تصور کر لیا گیا ہے اسلئے کہ مذہب کے صرف اعلیٰ استعداد کے افراد اور بلند درجہ کے ذہین انسانوں کے لیے نہیں آیا

امیر المومنینؑ کا تصورِ وحدت

"نہج البلاغہ کی روشنی میں"

(سرکار علامہ السید ذیشان حیدر صاحب قبلہ مجتہد، الہ آباد)

کانوں میں آواز آئی اور ذہن مرکز صوت کی طرف متوجہ ہو گیا — پشت پر ہاتھ پڑا اور تصور مارنے والے کی طرف مڑ گیا — پیروں کے نقش دکھائی دیئے اور رہبر کی تلاش شروع ہو گئی — سامنے کوئی منظر نظر آیا اور توجہ صاحب منظر کی طرف مبذول ہو گئی۔

کسی نے ذہن کو نہ جھنجھوڑا کہ آواز بغیر مرکز صوت کے بھی ہو سکتی ہے — کسی نے تصور کو نہ روکا کہ ہاتھ بغیر صاحب ید کے بھی اٹھ سکتا ہے — کسی نے جذبہ تلاش پر پہرے نہ بٹھائے کہ نقش قدم بغیر رہرو کے بھی بن سکتے ہیں — کسی نے توجہ کو یا بند نہ بنایا کہ منظر صاحب منظر کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے مدارج طے کئے جنرل نالج میں کمال حاصل کیا، معلومات عامہ پر عبور پیدا کیا، انتظامیہ سنبھالنے کا شوق پیدا ہوا۔ امتحان کی منزل میں آ گئے۔ ممتحن نے سوالات شروع کئے۔

ریل گاڑی کس نے ایجاد کی؟
ہوائی جہاز کس نے بنایا؟
ٹیلیفون کس کی ایجاد ہے؟
ٹیلیویژن کس نے ایجاد کیا؟
راکٹ کا خیال کس کے ذہن میں ابھرا؟

طالب علم نے تمام سوالات کے جوابات دیئے اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل کیا۔ دنیا سے داد و تحسین وصول کی۔ کمال علم کا مظاہرہ کیا اور تحقیق و تفحص کے کمال کی سند لے لی۔

ایک دوسرے طالب علم نے کمال "ذہانت" کا ثبوت دیا۔ اس نے ہر سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہی "کسی نے نہیں" — "یہ سب از خود ایجاد ہوئے ہیں" اخبارات میں خبر چھپی، علمی دنیا نے مذاق اڑایا امتحان میں ناکامیاب ہوا — اور آخر میں "مجنون" کا اعزازی لقب ملا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حرکت بغیر محرک کوئی ایجاد بغیر موجد — اور کوئی صنعت بغیر صانع نہیں ہو سکتی —؟

اگر ایسا ہے تو مذہب نے کیا برا کہا تھا۔ "افی اللہ شک فاطر السماوات والارض" کیا خدا ہی میں شک ہے جس نے سارے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے — کوئی مخلوق بغیر خالق اور کوئی مصنوع بغیر صانع نہ ہو سکے اور کائنات بغیر رب العالمین عالم وجود میں آ جائے —؟ ایں چہ بوالعجبی است۔

علیؑ کو یاد کرتا ہوں

(جناب باقر رضوی امانت خانی)

میں اپنے جبرئیلِ فکر کی امداد کرتا ہوں
کہ عرشِ مدحِ احمدؐ پر علیؑ کو یاد کرتا ہوں

علیؑ کا نام لکھتا ہوں زبانِ شکلِ میثم پر
نرالا رنگِ مدحِ مرتضیٰ ایجاد کرتا ہوں

علیؑ کا نام اُٹھتے بیٹھتے کیوں کر نہ میں لوں گا
بھلاتا جو نہیں مجھ کو اُسے میں یاد کرتا ہوں

بڑھاتا ہوں ولائے مرتضیٰؑ کو قلب میں اپنے
ملک آکر بسیں بستی نئی آباد کرتا ہوں

مسرت اہلِ محفل کی تو ذیلی حیثیت کی ہے
علیؑ کی مدح کر کے مصطفیٰؐ کو شاد کرتا ہوں

مرے حجِ عقیدت کے مناسک کوئی کیا جانے
میں کعبے کے قریں آکر علیؑ کو یاد کرتا ہوں

خبر کعبے سے لائے گا وہ حیدرؑ کے تولد کی
میں اپنے طائرِ افکار کو آزاد کرتا ہوں

شبیہِ مرتضیٰؑ ہے بائے بسم اللہ کا نقطہ
ہر اک آغازِ آیت پر علیؑ کو یاد کرتا ہوں

بیاں کرتا ہوں اب مولودِ کعبہ کی ولادت کا
میں یوں روشن چراغِ محفلِ میلاد کرتا ہوں

علیؑ کا نام جب مومن سے سنتا ہوں دمِ آخر
سنبھالا لیکے اپنی ٹھوکروں کو یاد کرتا ہوں

چلاتا ہوں خیالِ شہپرِ جبرئیلؑ کا خامہ
پہ شاگرد سے اب مدحتِ اُستاد کرتا ہوں

مرے ہر کام میں اس وجہ سے ہوتی ہے آسانی
کہ جب مشکل پڑے مشکل کشاؑ کو یاد کرتا ہوں

برنگِ نو ثنا اخلاصِ دل سے کر کے حیدرؑ کی
سپردِ جذبۂ حق گوئی نقاد کرتا ہوں

یہ منشا ہے کہ رحمت کو تری اک جوش آجائے
وسیلے سے علیؑ کے اے خدا فریاد کرتا ہوں

نصیری میں نہیں ہرگز مگر فطرت یہ ہے باقر
علیؑ جب یاد آتے ہیں خدا کو یاد کرتا ہوں

نے عقبہ ثلاثہ پکڑ کر علیحدہ کرنے کے اور کوئی خدمت انجام نہیں دی بس رسول سے دشمن کو چھڑا دیا اگر قتال اسی کا نام ہے تو سبحان اللہ ہر بیچ بچاؤ کرنے والے کو مقاتل کا ٹائٹل نصیب ہو جائے گا پھر آپ کا قتال پہلے ہی مرحلہ میں تمام ہو گیا جب کہ قاعدہ غزوات بعد میں ہوتے انفاق کا بھی آپ کے قتال جیسا حال ہے کہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے قبل ہجرت انفاق فرمایا اور اپنا تمام مال کو ان مسلمانوں پر صرف کر دیا جو ابتدا میں کفار کے ہاتھوں ستائے جا رہے تھے اگر کسی مسلمان کو کافر ایذا دیتے تھے تو آپ اپنا مال خرچ کر کے ان کو ٹھیک سے نجات دلایا کرتے تھے اور دے دلا کر چھڑاتے بچاتے تھے غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا چنانچہ بلال کو آپ نے خریدا اور ایک سال فرسے آزادی دلائی جہاں تک شاہ صاحب نے مسلمانوں کو تکلیف سے چھڑانے میں مال ابوبکر کے صرف ہونے کا ذکر کیا ہے، تو کتابوں میں نہ حضرت ابوبکر کے مال کی مقدار مذکور ہے کہ وہ کس حد تک تھا۔ تفصیل صرف کہیں ملتی ہے کہ کن کن مسلمانوں کو آپ نے مال نے خلاصی دلائی ایک بلال کا نام لیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے انھیں خرید کر آزادی دلائی۔ جن بلال کے لیے استیعاب ابن عبد البر میں ہے (مولی رسول اللہ) یہ خود رسول کے خرید کردہ غلام تھے اب یہ رسول سے تصفیہ کی بات ہے۔

بہرحال محدث دہلوی نے افضلیت شیخین کا مقابلہ تو مرتب کر دیا لیکن فضیلت حسب ترتیب خلافت کے مکمل اثبات میں خلیفہ ثالث کی افضلیت امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب سے ثابت کرنا رہ گئی پورا افضلیت کا چکر نہ گھوم سکا، یہ سچ ہے کہ سورج ہتھیلی سے بڑا ہے۔ شاہ صاحب نے ہتھیلی سے حضرت علی کے فضائل کے سورج کو چھپانے کی کوشش فرمائی جو ہتھیلی شاہ صاحب کی نظر کو تو سورج کے دیکھنے سے محروم کر سکتی ہے لیکن سورج ڈھک جائے ممکن نہیں امیر المومنین کی فضیلت و افضلیت ایسی مسلم بات ہے کہ ہزار راہ رخ بدلے جائیں کہیں نہ کہیں گاڑی پھنس ہی جائے گی بحق یعلو ولا یعلیٰ حق خود بلند ہے کسی کے بلند کیے بلند نہیں ہو سکتا فضیلت علی کا کوئی جواب نہیں۔

حضرت علیؑ کا مکتوب

عبداللہ بن عباس کے نام

آدمی کبھی وہ چیز پا کے خوش ہو جاتا ہے جس سے محروم ہونے والا نہیں اور کبھی ایسی چیز کی محرومی اسے مغموم کر دیتی ہے جو حاصل ہونے والی نہیں ہوتی لہذا تمھاری خوشی ایسی کامیابی پر ہو جو آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور تمھارا افسوس بھی آخرت ہی کی کسی چیز کی محرومی پر ہو دنیا کی کسی کامیابی پر تمھاری خوشی زیادہ نہ ہونے پائے اور دنیا کی چیز سے محرومی بھی تمھیں غم گین نہ کرے تمھاری پوری فکر موت کے بعد کے لیے ہونی چاہیے۔

ضرورت تھی کہ وہ حضرت علیؑ سے کہتے کہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ خلافت کے خواہش مند ہیں تو میں ہرگز خلیفہ نہ ہوتا مجبوری اب یہی ہے کہ لوگ مجھے منتخب کر چکے۔ نہ بصورت نص چھ ماہ تک بغیر بیعت حضرت علی اور بنی ہاشم اور اصحاب خاص گھر میں بیٹھے رہتے نہ حضرت علیؑ کو بیعت لینے کیلئے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچتے ہوئے دربار خلافت میں پیش کیا جاتا نہ شیخ انصار جناب سعد ابن عبادہ کو جن، کو تیر سے مارا جاتا۔ یہ تو حال شاہ محدث دہلوی کے دعوی فوقیت بالنفس کا ہے جو بیان ہوا۔ محدث دہلوی کی دوسری کاوش افضلیت شیخین علی سائر اصحابہ ہے تو اس کے ذیل میں ایک فقرہ یہ ہے "و دیں اقوی وجود افضلیت کمال تمکن فی الارض است بظہور دین مرتضیٰ بر دست خلیفہ وایں اکر اصل اصول در ثبوت خلافت خاصہ وعامہ بیان است۔ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۱ مطبع صدیقی بریلی۔

ثبوت افضلیت میں سب سے قوی وجہ زمین پر ایسا اقتدار خلیفہ کے ہاتھوں دین کا ظہور پانا ہے اس لئے کی خلافت خاصہ و عامہ کے ثبوت کے لئے اصل اصول یہی دو باتیں ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ شیخین سے زیادہ کسی نے فتوحات کئے نہ زمین پر حکومت جمائی اس لئے آپ حضرات توسیع ملک کی بنا پر افضل خلفاء رہوئے۔ حالانکہ اگر یہی اصل اصول ثبوت خلافت کے لئے ہے تو مسلمان بادشاہوں میں اس وقت سے اب تک بہت سے مقتدر گذرے ہیں جنھوں نے ملک کو بڑی سی بڑی وسعت دی اور الناس علی دین ملوکھم کے مصداق کی حیثیت سے بادشاہ کے دین میں پھیلاؤ بھی پیدا ہوا بڑی سے بڑی افضلیت کی دلیل ابن مسعود سے یہ روایت محدث صاحب نے نقل کی ہے اما مکم افضلکم یعنی رسول نے فرمایا کہ امام تم سے افضل ہے جس سے حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کو چسپاں کیا ہے جب کہ عہد رسول میں دوسروں نے بھی نماز پڑھائی ہے۔ پھر پورے طور پر حضرت ابوبکر کا نماز پڑھانا بھی تو کتابوں سے ثابت نہیں ہوتا جس نماز کی امامت کا ذکر ہے اس کو پڑھئے تو حضرت ابوبکر کی فضیلت نمایاں ہونے کے بجائے منقصت ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کو یہ معلوم ہونے پر کہ آپ نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے آپ بحالت مرض اٹھے اور گھر سے مسجد میں گئے صفوں کو چیرتے پھاندتے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس پہونچے رسول کو دیکھ کر ابوبکر پیچھے سرک گئے یوں رسول نے نماز پڑھائی لکھا یہ جاتا ہے کہ ابوبکر نے رسول کی اقتدا میں نماز پڑھی اور باقی نمازیوں نے ابوبکر کی اقتدا یعنی ایک نماز دو پیش نماز یہ کہنا مشکل ہے کہ نمازی رسول کے نماز پڑھانے پر بھی اپنی پہلی نیت پر باقی رہے جب کہ حضرت ابوبکر رسول کو دیکھتے ہی نیت اقتدا کرلی اور پیچھے سرک گئے اس نماز کے پڑھانے کا حکم دینے والی آپ کی بیٹی جناب عائشہ تھیں اور رسول کا نہ تھا۔

قصہ نماز سورہ برأۃ کے واقعہ سے ملتا جلتا ہے وہاں بھی سورہ برأۃ آپ لے کر چلے تھے اور راستہ میں حضرت علیؑ نے بحکم رسول سورہ واپس لے لیا تھا اور خود جا کر مشرکین مکہ کے سامنے رسول کے حکم سے تلاوت کی اب جس طرح آپ کے پرستار امیر حاج کہہ کر سورہ برأۃ کے واپس لئے جانے پر پردہ ڈالتے ہیں اور اس کی شرم کو اس طرح مٹاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر امیر حاج تھے اور حضرت علی آپ کی ماتحتی میں ایک جانے والے تھے۔ محدث دہلوی اس طرح اس جس نماز کا ابھی ذکر ہوا اس کی امامت کو افضلیت ابوبکر کی دلیل قرار دیتے ہیں شاہ ولی اللہ نے اثبات فضیلت شیخین میں حضرت ابوبکر و عمر کے انفاق و قتال کا قبل فتح مکہ و قبل ہجرت نبوی ذکر فرمایا ہے یعنی جب حضرت علیؑ نے انفاق و قتال میں حصہ بھی نہیں دیا تھا اس وقت انھوں نے دین کی راہ میں قتال بھی کیا اور انفاق بھی ثبوت قتال میں عقبہ بن ابی معیط کا قصہ بخاری سے نقل کیا ہے جس واقعہ میں ہوا اس بات کے کہ حضرت ابوبکر

بصورت تفضیل یعنی خلفاء میں سے مثلاً شیخین کو ایک دوسرے سے افضل کہنے پر یا حضرت علی کو شیخین سے افضل کہنے پر یا حضرت عثمان میں ایک کو دوسرے سے افضل کہنے پر یا خوشی۔ معافی۔ توقف یا کفر کو بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن عبد البر نے حضرت عمر کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے کہ عبد الرزاق نے معمر سے یہ بات کہی کہ اگر کوئی عمر کو ابوبکر سے افضل کہے تو ہم ناخوش نہ ہوں گے یوں ہی اگر کوئی حضرت علی کو ابوبکر و عمر سے افضل کہے تو ہم ناراض نہ ہوں گے جواہر عقدین میں ہے کہ اہل سنت ایسے شخص کو کافر نہیں کہتے جو حضرت علی کو ابوبکر پر فضیلت دے ۔

ازیں قسم بہت سے فتاوی و اقوال موجود ہیں ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے علماء نے بہت چھان بین کر کے یہ فتاوی دیئے ہیں ۔ فضیلت حسب ترتیب خلافت کی بات جو اسی منشار سے کہی گئی کہ فضیلت میں حضرت علی گھٹ کر چوتھے درجہ پر پہونچ جائیں ۔ افضیلت شیخین سے آگے بڑھائے نہ بڑھ سکی یہ بات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے پہلے کی ہے لیکن کہنے والے نے محض کہنے ہی پر اکتفا مناسب سمجھی فضائل خلفاء و صحابہ کے نقل کیے لیکن کوئی افضیلت پر بحث یا محاکمہ و تبصرہ پیش کرنے کی ہمت نہیں کی محدث دہلوی نے استدلال سے مظبوط بنانے کے لئے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں اس پر خاص توجہ کی اور اشراف و الہام کے زور پر اپنے مرکز سے ہٹ کر دو تازہ تلویحات پیش فرمائے ایک خلافت کا نص ہونا حالانکہ علماء سابقین لکھتے چلے آئے کہ خلافت نہیں بلکہ یہ مسئلہ فرعی ہے امت کے اختیار میں دیا گیا ہے کہ وہ اجماع ۔ شوری ۔ استخلاف ۔ قہر و غلبہ جس صورت سے بھی چاہے کسی کا انتخاب کرے ۔ دوسرے افضلیت شیخین تمام صحابہ پر ۔ انھیں دو باتوں کے مکمل ہونے پر افضلیت کا فیصلہ تھا محدث دہلوی نے بظاہر یہ لکھ کر اپنے خیال میں جو خدمت بھی انجام دے دیئے ، لیکن آپ کے لکھنے پر کہ خلافت بالنص ثابت ہے دوسروں کی تسکین تو درکنار خود کے حاشیہ نشینوں حلقہ بگوشوں کو تسلی حاصل نہ ہوئی چنانچہ فتاوی عزیزیہ میں ایک شخص نے لانبا چوڑا سوال آپ کے بیٹے شاہ عبد العزیز صاحب تحفہ سے کر ڈالا جس میں اس نے یہی بات اپنے پیر و مرشد سے دریافت کی کہ آپ کے والد بزرگوار ازالۃ الخلفاء میں خلافت کے نصی ہونے کے قائل ہیں اگر واقعہ یہی ہے تو قرآن و حدیث کے نصوص ثقیفہ بنی ساعدہ میں کیوں نہیں پیش ہوئے جس کا جواب ، شاہ عبد العزیز نے یہ دیا ہے کہ اس جلدی کے موقع پر ان سب یا ذکر . . . .

کا کہاں موقع و محل تھا وہ اجمال کی صورت اور یہ اس کی درحقیقت تفصیل ہے بہت خوب شاباش خوبصورت جواب سے شاہ صاحب کے حلقہ بگوشوں کو تسکین ہوگئی ہو لیکن دنیائے عقل و ہوش کو اس سے ہرگز تسکین نہیں ہو سکتی ۔ بالفرض موقع تفصیل کا نہ تھا تو کیا اس کا موقع نہ تھا کہ کوئی ایک اس پورے مجمع میں یہ اعلان کر دیتا کہ بات چیت کی ضرورت نہیں خلافت پر نص موجود ہے ایک آیت ایک حدیث پڑھ کر کہہ دیا جاتا کہ یہ ہے نص مزید تفصیل اگر درکار ہو تو یہاں سے ہٹ کر دریافت کر لینا لیکن وہاں قرآن و حدیث کا نام تک نہ آیا ۔ بجائے قرآن و حدیث گرما گرمی کی باتیں ہوتی رہیں منا و منکم کی آواز بلند ہوئی اور سار ت کا باہمی ٹوٹ ہونا شروع ہو گیا نص تو بجائے خود ایسا بھاری پتھر تھا کہ جس کے بعد کوئی بھی مسلمان سر نہیں اٹھا سکتا تھا غل غپاڑے کی کشا کشی کے بجائے خاموشی سے مسئلہ خلافت طے تمام ہوتا جس کے بعد نہ حضرت علی کو شکایت کا موقع تھا نہ حضرت ابوبکر کو آپ سے عذر و معذرت کی چنداں

نہ ان تمام اختلافات کا ذکر مقصود ہے جو درباره فضیلت بین الصحابہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں مجھے تو صرف اس امر کی طرف اپنے ناظرین کو متوجہ کرنا ہے کہ وہ گروہ جو امیرالمومنین کی افضلیت کا قائل نہیں ہے اس کے لئے حضرت علیؑ کی فضیلت سنگ گراں بن گئی جس مصیبت سے چھٹکارے کی یہی تدبیر تھی کہ جیسے فضیلت حسب ترتیب خلافت مان لی جائے یوں بات ختم ہو۔ لیکن یہ اگر گھر کی بات ہوتی تو چپکے سے کارروائی ممکن ہو جاتی بات کو دنیا کے سامنے پیش بھی ہونا تھا غیروں کو کافی پاپڑ بیلنا پڑے ہزار جتن کے بعد کہیں یہ بات کہنا ممکن ہوئی اس ناہموار راہ کے ہموار بنانے میں پہ اپنے موقف سے ہٹنا بھی پڑا شیعوں کے معقول استدلال کو جس کو غیر معقول کہہ کر رد کر چکے تھے اپنی ضرورت سے قبول بھی کرنا پڑا مگر اس کاوش وکوشش کے باوجود بات بنائے نہ بنی فضیلت علی اور بھی آئینہ ہو کر سامنے آگئی یہ بات بن جاتی اگر حضرت علی کو چوتھا خلیفہ نہ قرار دیا جاتا اور خلافت علی علیہ السلام کا عقیدہ شیعوں ہی سے مخصوص رہتا لیکن الجھن کی بات تو یہی ہے کہ آپ مسلمانوں کے مسلم الثبوت خلیفہ ہیں یہاں تک کہ محمد وجماعت اور وہابی الخیال طبقہ میں بھی جہاں یہ آواز بلند ہے کہ حضرت علی کی خلافت ہی منعقد نہ ہو سکی اجماع شوری استخلاف قہر وغلبہ تین اصول سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک اصل کے ماتحت آپ کی خلافت منعقد نہیں ہو سکی اس کا صاف نتیجہ یہی تھا کہ پھر آپ ہمارے خلیفہ بھی نہیں ہیں لیکن اس کے قائل ہوتے ہوئے بھی آپ کو بھی چوتھا خلیفہ ہی سمجھتے ہیں۔

آج مسلمان صحابہ وخلفاء میں جس کسی کو بھی افضل مانتے سمجھیں ان کی خوشی کی بات ہے ورنہ افضلیت کا قصہ کب کا طے تمام ہو چکا خود صحابہ کے درمیان، صدر اسلام میں بات ختم ہو چکی۔ اس وقت کوئی دوسرا زیر بحث ہی نہ تھا بات تھی تو صرف اس قدر کہ علی افضل ہیں اور بس۔ خلفاء ثلاثہ بھی اس بات کو سمجھتے اور جانتے تھے جیسا کہ ان کے اعترافات سے ظاہر ہے اور اگر اس وقت کوئی دوسرا آپ کا شریک یا فضیلت میں اونچا ہوتا تو وہ افضلیت کی بنا پر عہدہ کا طالب بنتا۔ ہجرت، قرشیت کو وجہ فضیلت نہ بناتا جس بات میں دوسرے بہت سے برابر کے شریک موجود تھے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ صدر اسلام میں درباره افضلیت صحابہ کا کیا خیال تھا۔ استیعاب ابن عبد البر میں بذیل حالات امیرالمومنین علی علیہ السلام تحریر ہے۔ کہ جناب سلمان فارسی جناب مقداد جناب بن ارت جابر ابن عبد اللہ انصاری ابو سعید خدری زید بن ارقم یہ تمام حضرات حضرت علی کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں بذیل حالات ابو طفیل عامر بن واثلہ کنانی جن کو آٹھ سال رسول کی زندگی کے میسر ہوئے لکھا ہے یہ حضرت ابو بکر وعمر کے معترف تھے لیکن حضرت علی کو ان سے بڑھ کر فضیلت والا جانتے تھے

علامہ سلیمان قندوزی حنفی نے بعض مشائخ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو بکر خیر اور علی افضل ہیں۔ حافظ ابو نعیم نے سفیان ثوری کے حالات رقم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جب کوفہ میں تھے تو ان کا طریق ومسلک اہل کوفہ کا تھا یعنی حضرت علی کو ابو بکر وعمر سے افضل جانتے تھے لیکن کوفہ سے جب بصرہ پہونچے تو رائے بدل دی اب ابو بکر وعمر کو حضرت علی سے افضل سمجھنے لگے۔

ان صحابہ وصوفیاء کے اظہار خیال پر توجہ دینے کے ساتھ ان فتاوی واقوال پر بھی توجہ کی ضرورت ہے جو فضیلت وافضلیت کے متعدد بڑے علماء نے تحریر کیے ہیں جن میں

باسمہ تعالیٰ

فضیلتِ علی کا کوئی جواب نہیں

جناب مولانا سید کاظم رضا صاحب قبلہ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

گروہ امامیہ تو خیر حضرت علی علیہ السلام کو افضل خلق بعد رسول ہونے کی وجہ سے خلیفہ بلا فصل جانتا ہی ہے لیکن آپ کی فضیلت بلکہ افضلیت کی ایک پوری بحث دوسرے مسلمانوں میں صحابہ کے وقت سے اب تک چلی آرہی ہے یہ بات حق بجانب ہے کہ دورِ صحابہ میں اگر کسی کی فضیلت کا چرچا تھا تو وہ صرف امیر المومنین کی پاک ذات تھی اس وقت دیگر صحابہ کی فضیلت و افضلیت کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ اشاعرہ کے سوا دوسرے فرقے معتزلہ صوفیانہ، وغیرہ خلفائے ثلاثہ کو خلیفہ مان کر بھی بر بنائے فضائل نفسانی و کمالات روحانی بنا بر دلالات قرآن و حدیث نبوی آپ کو افضل خلق مانتے چلے آرہے ہیں ان کے نزدیک فضیلت اور ہے اور خلافت کے منصب کی لیاقت و اہلیت دوسری شے ہے۔ تفضیلیہ ایک پورا فرقہ ہی ہے جو شخص بلکہ کل صحابہ پر فضائل میں آپ کی ذات کو افضل سمجھتا ہے اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ آپ کے فضائل اعلیٰ و اکثر ہیں چنانچہ امام احمد ابن حنبل کا اعتراف ہے کہ صحابہ میں کسی ایک کے فضائل اتنے نقل نہیں ہوئے جس حد تک حضرت علیؑ کے فضائل نقل ہیں۔ یہ حال اس وقت ہے جب کہ بنی امیہ کے حکومت کی پوری مشنری فضائل علوی کی بندش میں اپنا پورا زور صرف کر چکی جس نے نہ صرف منقبت بیان کرنے پر، دکانیں بیان کرنے کی صورت میں زبان گدی سے کھنچوائی بلکہ علی الاعلان ممبروں سے سب و شتم کی بوچھار کا حکم دیا اور چالیس ہزار منبروں سے برابر خطبہ جمعہ میں یہ لعنت سال دو سال نہیں پورے نوے برس تک اندلس سے ایشائے کوچک تک ہوتی رہی کوئی اور ذات ہوتی تو چند سال میں اس کی ہستی بگڑ جاتی لیکن غالب کل غالب کی ذات کا بال بیکا نہ ہوا اور نسلوں تک پہنچنے والی یہ لعنت کی بدعت خود حکومت کے لئے طوق لعنت میں بنی امیہ کا یہ آخری حیلہ بھی کارگر نہ ہو سکا جیسے جیسے شام کی اندھیری نے چاند کے گرد گھیرا ڈالا ویسے ویسے فضیلت کا چاند اور اونچا ہوتا گیا اور چاندنی پھیلتی گئی مجھے اپنے اس مختصر مضمون میں نہ حضرت علیؑ کے فضائل گنوانا ہیں نہ یہ بیان کرنا ہے کہ شیعوں نے امیر المومنین کے افضل خلق بعد رسول ہونے پر کیا دلائل پیش کئے ہیں۔

فہرست مضامین

پیغمبرِ اسلام کی زندگی پر بنائی جانیوالی فلم کے خلاف احتجاجی جلسہ

آج مورخہ ۲۷؍اگست ۷۶ء بروز جمعہ بوقت ۸ بجے شب اسلامک ویلفیئر سوسائٹی، قاسم پور (علی گڑھ) کی جانب سے ایک ہنگامی جلسہ طلب کیا گیا جس میں پیغمبرِ اسلامؐ کی حیاتِ طیبہ پر ہالی ووڈ (امریکہ) میں بنائی جانے والی فلم "محمدؐ۔ پیغمبرِ خدا" کے خلاف زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا گیا۔ بمبئی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار فلمی اخبار "اسکرین" (مورخہ ۲۰؍اگست) کی خبر کے مطابق یہ مذموم حرکت امریکہ، لبنان اور مصر کے ایک مشترک فلمی ادارہ کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ جلسہ میں قاسم پور اور اطراف کے مسلمانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جلسہ کی صدارت کے فرائض سوسائٹی کے سرپرست جناب سید دیدار الحسن رضوی صاحب نے انجام دیئے۔ اس ہنگامی جلسہ میں حسب ذیل قراردادیں باتفاق آراء پاس ہوئیں:

(۱) یہ خبر تمام مسلمانانِ عالم کے لئے نہایت دل آزار ہے۔ اس مذموم حرکت سے باز رکھنے کے لیے یہ سوسائٹی حکومتِ ہند کے وزارت خارجہ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ جلد سے جلد کوئی موثر عملی اقدام کرے تاکہ ہندستان کی ایک بڑی اقلیت کے مذہبی جذبات کی مزید پائمالی نہ ہو سکے۔

(۲) یہ سوسائٹی بیک وقت حکومت امریکہ، لبنان اور مصر سے پُرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ اس مشترک فلمی ادارہ کو اس حرکت ناشائستہ سے باز رکھنے کے لیے جلد از جلد قدم اٹھائیں تاکہ مسلمانانِ عالم کے مجروح جذبات کو مزید ٹھیس نہ پہونچے۔

(۳) یہ سوسائٹی دنیا کے تمام اسلامی حکومتوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے عظیم روحانی پیشوا، مرسلِ اعظم صلعم کی عظمت و جلالت کے تحفظ کے لیے حسب بالا تینوں حکومتوں پر دباؤ ڈالیں تاکہ یہ دل آزار فلمی منصوبہ عملی شکل نہ اختیار کر سکے۔

(۴) یہ سوسائٹی براہِ راست "اسلامک سکریٹریٹ" (جدہ) سے بھی درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے اثرات کو اس سلسلہ میں بروئے کار لا کر ایک اہم اسلامی فریضہ انجام دے۔

(۵) یہ سوسائٹی مسلمانانِ عالم سے عموماً اور ہندستانی مسلمانوں نیز مسلم اداروں اور تنظیموں سے خصوصاً اپیل کرتی ہے کہ وہ اس فلمی منصوبہ کے خلاف جگہ جگہ پُر امن مظاہرے کریں اور احتجاجی جلسہ منعقد کریں اور پاس شدہ قرارداد کی نقل حسب بالا حکومتوں کے سفارت خانوں کو، اپنی اپنی حکومت کے وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات و نشریات کو، اسلامک سکریٹریٹ (جدہ) نیز مختلف اخبارات و رسائل میں برائے اشاعت روانہ کریں۔

(۶) یہ سوسائٹی دنیا کے تمام اخبارات سے عموماً اور ہندستان کے اردو جرائد و اخبار سے خصوصاً مخلصانہ درخواست کرتی ہے کہ وہ مختلف اداروں اور تنظیموں کے ذریعہ اس مذموم فلمی منصوبہ کے خلاف پاس شدہ احتجاجی جلسہ کی کارروائیوں کو اپنے جرائد و رسائل و اخبار کے قیمتی کالموں میں نمایاں جگہ دیں۔

(۷) جلسہ کی کارروائی کی نقل امریکہ، لبنان اور مصر کے ہندستان میں مقیم سفارت خانوں کو، تمام اسلامی ممالک کے ہندستان میں مقیم سفارت خانوں کو، اسلامک سکریٹریٹ (جدہ) کو، حکومت ہند کے وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات و نشریات کو فوری ضروری اقدام کے لئے بھیجی جائے اور حسب ذیل اخبارات و رسائل و جرائد میں برائے اشاعت روانہ کیا جائے:

(۱) بلٹز (اردو) بمبئی (۲) ریڈینس دہلی (انگریزی ترجمہ) (۳) سیاستِ جدید کانپور (۴) دعوت دہلی (۵) سنگم پٹنہ (۶) آزاد ہند کلکتہ (۷) سرفراز لکھنؤ (۸) الجواد وارانسی (۹) نشیمن بنگلور (۱۰) کاروانِ حیات بمبئی (۱۱) الجمعیۃ دہلی (۱۲) قومی جنگ رام پور (۱۳) الناصر پٹنہ (۱۴) انتظار گورکھپور (۱۵) غنچۂ آدم پھلواری شریف (۱۶) صدائے عام پٹنہ

محمد شکیل اختر سکریٹری اسلامک ویلفیئر سوسائٹی قاسم پور (علی گڑھ)

ہفتہ وار

سرفراز لکھنؤ

رجب نمبر

جلد ۳۹ | ۹ ستمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۱۹ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ | شمارہ نمبر ۲۴، ۲۵

ایڈیٹر
مصطفیٰ حسن رضوی

Accession 124227
Date 21.7.95

قیمت: دو روپیہ پچاس پیسے